لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ ہ (احزاب)

بسلسلۂ تاریخ اسلامی سیرۃ النبی

موسومۂ

نور البصر

فی سیرۃ

خیر البشر

از ابو القاسم محمد حفظ الرحمٰن صدیقی سیوہاروی

استاذ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سملک ضلع سورت

باہتمام و تصحیح کفیل احمد انصاری کرتپوری

جمال پرنٹنگ پریس دہلی میں چھپی

سلام و نیاز

ایک گنہگار اُمتی شہنشاہِ کونین کے
دربار میں نذرِ عقیدت کا یہ ہدیہ پیش
کرنے کی جُرأت کرتا، اور روزِ قیامت
آغوشِ رحمۃ وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً
لِّلْعٰلَمِیْنَ میں پناہ چاہتا ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلَیْہِ

حفظ الرحمٰن

دیباچہ طبع اول

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعد حمدِ خدا و نعتِ رسول

سیرۃ النبی ایک ایسا موضوع ہے جس پر ساڑھے تیرہ سو برس سے ہر زمانہ اور ہر قرن میں صدہا تصانیف ہوتی رہی ہیں، اور علمائے اسلام حصولِ سعادت کے لئے اپنے مبلغِ علم کے مطابق ہمیشہ اس مقدّس خدمت کو انجام دیتے آئے ہیں اس لئے سیرۃ النبی کا مستند ذخیرہ مختلف زبانوں میں اس قدر موجود ہے کہ مجھ جیسے شخص کو اس اہم موضوع پر قلم اٹھانا بیجا جرأت کے مرادف ہے۔ لیکن اشتیاق حصولِ سعادت نے مجھکو اپنی کم مائگی کے باوجود اس پر آمادہ کیا اور یہ مختصر تالیف مرتب ہوگئی۔

خواہش یہ تھی کہ سیرت کا ایسا مختصر مگر مستند اور جامع مجموعہ تیار ہو جائے جو اسلامی اور قومی مدارس کے متوسط استعداد کے طلبہ کو بھی مفید ہو اور قلیل الفرصت مگر شائقینِ سیرت، مردوں اور عورتوں کے لئے بھی کارآمد ثابت ہو۔

حسبِ اتفاق علامہ محی الدین خیّاط مصری کی دروس التاریخ الاسلامی[1] اور نور الیقین فی سیرۃِ سیّد المرسلین مؤلفہ علامہ خضری بک میری نظر سے گذریں۔ خیّاط کے

---

[1] جس کا لفظی ترجمہ مدینہ پریس بجنور سے شائع ہو چکا ہے ۱۲

مجموعہ میں درسی طرز کے ساتھ اختصار، اور نور الیقین میں واقعات کی صحیح ترتیب اور اسلوبِ بیان کی خوبی نے میری رہنمائی کی اور میں نے اپنے ارادہ کی تکمیل کیلئے ان ہی دونوں کو بطور خاکہ پیشِ نظر رکھا۔ اور حسب ذیل کتابوں سے مدد لیکر اس مجموعہ کو مرتب کرکے پیش کرسکا۔

قرآنِ عزیز۔ جامع البیان۔ تفسیرِ منار۔ صحاح ستّہ۔ فتح الباری۔ مشکوٰۃ المصابیح، طبقات ابن سعد۔ محمد المثل الکامل۔ سیرتِ حلبیہ۔ سیرۃ مغلطائی۔ خُلاصۃُ السِّیر۔ کنز العمّال۔ جمع الفوائد۔

اس مجموعہ میں دورِ جدید کے احساسات پر نظر رکھتے ہوئے چند امور خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔

(۱) اکثر عنوانات کے حسبِ حال قرآنِ عزیز کی آیات یا احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو زیرِ عنوان نقل کیا ہے۔ تاکہ ایک مسلمان، سیرت کے مضامین کی اہمیت اور اُن کے استشہادات کی کیفیت کا اندازہ کرسکے۔ اور مسلم طلبہ کے قلوب میں زمانۂ طالب علمی ہی سے قرآنِ عزیز و احادیث کے مطالب سمجھنے کا ذوقِ سلیم پیدا ہو۔

(۲) ہر ایک مضمون کے بعد اس کا خلاصہ اور اس کے متعلق سوالات لکھے ہیں اس سے طلبہ کو جو فائدہ ہوتا ہے وہ تو ایک بدیہی بات ہے۔ لیکن طلبہ کے علاوہ سیرت سے شغف رکھنے والے حضرات کو یہ فائدہ ہوگا کہ وہ اس مضمون کا خلاصہ ذہن نشین کرسکیں گے۔ اور مضمون سے پیدا شدہ سوالات کا مطالعہ اصل حالات کے صحت و سقم کی طرف خود رہنمائی کرے گا۔

سیرت کے متعلق معرکۃ الآرا مسائل میں قدرے تفصیل سے کام لیا ہے تاکہ مسلمان اپنے پیغمبر کی سیرت سے متعلق اُن اعتراضات کے دور کرنے پر قادر ہوں، جو حق ناشناس اور متعصب غیر مسلموں کی جانب سے آئے دن کئے جاتے ہیں۔ اسلوب بیان میں صرف مختصر تحقیق ہی کی طرف توجہ کی گئی ہے مناظرانہ رنگ سے پرہیز کیا گیا ہے تاکہ سیرت کی کتاب مناظرہ کی کتاب نہ بن جائے اور اگر غیر مسلم بھی اس کا مطالعہ کریں تو حق شناس نظریں اس سے متاثر ہوں۔

(۴) شروع میں مقدمۂ تاریخ ہے جو اس سلسلہ میں سودمند ہے۔ اور مطالعۂ تاریخ کا ذوق پیدا کرتا ہے۔

(۵) عام کتب سیرت کی طرح اس مجموعہ میں یہ لحاظ نہیں رکھا گیا کہ تمام واقعات سنہ وار ترتیب سے بیان کئے جائیں۔ بلکہ ہجرت سے قبل اور ہجرت سے بعد کے اکثر واقعات کو مسلسل بیان کیا ہے۔ تاکہ باہمی مضامین ایک رشتہ میں مربوط رہیں۔ اور یاد کرنے میں ممد و معاون ہوں اور اس کے بعد بقیہ مضامین کو حسب ضرورت سن وار بیان کیا ہے۔

(۶) اس مختصر سیرت کا نام سلف کے طرز پر "نور البصر فی سیرۃ خیر البشر" ہے مگر ٹائٹل پر مختصر نام "سیرت رسول کریم" لکھا گیا ہے۔

جناب باری میں دعا ہے کہ یہ مجموعہ مفید و کارآمد ثابت ہو۔

سیرت کا یہ مختصر مجموعہ اگر اہل نظر کے نزدیک مفید سمجھا گیا تو ارادہ ہے کہ خیاط کی درس التاریخ الاسلامی کے طرز پر سیرۃ الخلفاء، تاریخ بنو امیہ

تاریخ بنو عباسیہ ۔ تاریخ خلفائے اندلس ۔ تاریخ تُرکی ۔ اور تاریخ سلاطینِ ہند ۔ یکے بعد دیگرے اسی طرح مرتب کرکے پیش کردں ۔ تاکہ اس اسلوب پر بھی تاریخِ اسلامی کا ایک صحیح و مستند ذخیرہ مدوّن ہوجائے

وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ



دیباچہ طبع ثانی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

امابعد

خدائے برتر کا بے حد و غایت شکر و احسان ہے کہ اُس نے مجھ جیسے بے بضاعت کی محنت کو ٹھکانے لگایا۔ اور "سیرت رسول کریم" نے اہلِ علم اور طلبۂ کرام کی نگاہوں میں قبولیت کا درجہ حاصل کیا۔ اُمید نہ تھی کہ میری قلمی خامیاں اور اُس پر مستزاد کتابت کی بے شمار غلطیوں کے باوجود یہ مختصر سیرت، ذی علم حضرات کے لئے جاذبِ نظر ہو سکے گی۔

مگر معلوم ہوتا ہے کہ کارسازِ حقیقی اس دینی خدمت کے لئے آگے قدم اُٹھانے میں میری پوری مدد کر رہا ہے کہ اُس نے ان سب باتوں کی موجودگی میں اس کتاب کو مقبول بنایا۔ نیز مختلف انگریزی اسکولوں اور مدارس اسلامیہ کے نصابِ تعلیم میں داخل کر لی گئی۔ اور پہلا ایڈیشن جلد ختم ہو گیا۔ یہ دیکھ کر ہمت کو اور تازیانہ ہوا، اور اب دوسری مرتبہ بہت سے مفید اضافوں اور غلطیوں کی اصلاح کے ساتھ شائع کرنے کا ارادہ پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا۔ ساتھ ہی حسب وعدہ کتاب کا دوسرا حصہ یعنی

"سیرت خلفاءِ راشدین" بھی قریب قریب مکمل ہو گیا ہے اور عنقریب شائع ہو جانے کی امید ہے۔

اس سلسلہ میں "مجلسِ علمی ڈابھیل" کا بھی تہِ دل سے ممنون ہوں جس نے پہلی مرتبہ اس کے مسودہ کو منصّۂ شہود پر لانے کے لئے اپنے صرف سے طبع کرایا۔ اور میری اس خدمت کو پبلک میں روشناس کیا۔ اور اس طرح ایک اسلامی خدمت میں میری بہت بڑی ہمّت افزائی کی۔ اسی لئے پہلے ایڈیشن کی آمدنی سے مجھے کوئی سروکار نہیں رہا اور اُس کا کل منافع مجلسِ علمی ہی کا قرار پایا۔

فشکر اللہ مساعیہا فی الانام بعونہ ونصرہ الی یوم القیام۔

خادمِ ملت

محمدؐ حفظ الرحمٰن۔ کان اللہ لہٗ

ربیع الاول ۱۳۵۵ھ

فہرست مضامین

نوٹ:۔ اکثر جگہ قرآنِ عزیز کا ترجمہ حضرت شیخ الہند قدس سرہ کے ترجمہ سے لیا گیا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

تاریخ

قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ بَدَأَ الْخَلْقَ ثُمَّ يُنْشِئُ النَّشْأَةَ الْآخِرَةَ (عنکبوت)

کہدیجے! ملک میں پھر پھر دیکھو کیونکر شروع کیا ہے پیدائش کو پھر اللہ پیدا کریگا پچھلی پیدائش

تاریخ عربی زبان کا مصدر ہے۔ لغت میں اس کے معنے وقت معین کرنا ہیں، اور ہم اس کو جس معنی میں اب استعمال کرتے ہیں وہ اصطلاحی معنی کہلاتے ہیں۔

اصطلاح میں تاریخ اُس علم کا نام ہے جس سے موجودہ اور گذشتہ قوموں، خاندانوں یا کسی ایک خاص شخص کے حالات معلوم ہوں۔

اس تعریف سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ تاریخ کا فائدہ انسانی دنیا کے کسی خاص گروہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔

تاریخ کا ماخذ

کسی قوم کی تاریخ اُس تاریخ کے آثار و رسوم سے بنتی ہے۔ آثار و رسوم کی تین قسمیں ہیں۔ آثارِ مکتوبہ، آثارِ منقولہ، آثارِ قدیمہ۔

آثارِ مکتوبہ

کسی قوم کی مذہبی کتابیں، جنتریاں، دستاویزات، محکمہ جات کے دفاتر

و فیصلے اُس کا علمِ ادب، قوانین و معاہدات اور ہر قسم کی تحریریں اور خطوط اگر محفوظ ہوں تو وہ آثارِ مکتوبہ کہلاتے ہیں۔

آثارِ منقولہ

کسی قوم کی مذہبی و غیر مذہبی روایات، حکایات، کہاوتیں اور اشعار اگر آباء و اجداد سے سینہ بسینہ محفوظ چلی آتی ہیں تو اُن کا نام آثارِ منقولہ ہے۔

اگرچہ یہ روایات و واقعات بعض اوقات مبالغہ آمیز ہوتے ہیں پھر بھی صاحبِ تحقیق کے لئے فائدہ سے خالی نہیں۔

آثارِ قدیمہ

کسی قوم کے آباد کردہ شہر، بستیاں، قلعے، عبادت گاہیں، ہیکل، کتبے، سکّے، اسلحہ، لباس، آلاتِ زراعت اور ظروفِ خورد نوش وغیرہ، اس کے آثارِ قدیمہ کہلاتے ہیں۔

کن علوم سے تاریخ کو مدد ملتی ہے؟

ایک مورّخ کو تاریخ دانی کے لئے جن علوم کی حاجت پیش آتی ہے اور جو حقائقِ تاریخ کو اچھی طرح روشنی میں لاتے ہیں وہ اگرچہ بہت ہیں مگر اُن میں یہ چند زیادہ اہم ہیں۔ علمِ جغرافیہ، علمِ تقویم (جنتری) علمِ طبقاتِ ارض۔

علمِ جغرافیہ سے شہروں اور ملکوں کی تقسیم اور ان کی سمتیں معلوم ہوتی ہیں۔ نیز ان کی طبعی حالت ظاہر ہوتی ہے۔

تقویم سے واقعات و حالات کے اوقات کا تعین ہوتا ہے

علمِ طبقاتِ ارض سے کسی قوم کی تمدنی اور ملکی خصوصیات دریافت ہوتی ہیں۔

تاریخ کس طرح وجود میں آتی ہی؟

یہ انسانی عادت کا خاصہ اور اُس کی فطرت ہی کہ جب اُس کے سامنے کوئی اہم حادثہ یا نادر واقعہ پیش آجاتا ہے تو اس کا حافظہ کبھی اس واقعہ کو بھولنے نہیں دیتا۔ حتیٰ کہ وہ اپنی آیندہ و گذشتہ زندگی کے اوقات کو اسی کے ساتھ نسبت دینے لگتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے کہ یہ واقعہ طوفانِ نوح (علیہ السّلام) کے واقعہ سے تین سال بعد یا ولادتِ عیسیٰ (علیہ السّلام) یا ہجرتِ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پانچ سال قبل پیش آیا۔ پس ان ہی واقعات سے تاریخ وجود میں آتی ہے۔

اہم واقعات

جو واقعات تاریخ کا مبدأ بنتے ہیں وہ اگرچہ بہت ہیں لیکن مورخین کثرت سے ان تین واقعات کو اس سلسلہ میں استعمال کرتے ہیں۔ ابتداءِ آفرینشِ انسان ولادتِ مسیح (علیہ السّلام) ہجرتِ محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

ابتداءِ آفرینش

مورخین کو ہمیشہ ابتداءِ آفرینش انسان کی تعیینِ مدت میں اختلاف رہا ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ ابتداءِ آفرینش ہجرتِ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) یا ولادتِ مسیح (علیہ السلام) سے چار ہزار سال پہلے ہوئی ہے اور بعض کے نزدیک چھ ہزار سال پہلے یہی راجح ہے۔

اور تورات و انجیل اور تاریخہائے قدیم بھی اسی رائے کی

موافقت کرتی ہیں۔

تاہم اس مسئلہ کا آخری فیصلہ مشکل ہے۔ اس لئے کہ ہمارے پاس علم کے وسائل بہت کم ہیں۔ اور اس حقیقت کے آخری فیصلے کے لئے ناکافی۔ نیز آثارِ قدیمہ سے بھی اس امر کا کوئی یقینی فیصلہ نہیں ہو سکتا۔

البتہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اقوامِ عالم میں چینی، ہندی اور مصری سب سے قدیم قومیں ہیں۔ اور مورخینِ فرنگ کا یہ دعویٰ ہے کہ سطح زمین پر ان اقوام کا وجود تقریباً چھ اور دس ہزار کے درمیان ثابت ہے۔ نیز یہ امر بھی مسلم ہے کہ باوجود زبردست تحقیقات کے کسی قوم کے حالات و واقعات کی تاریخ کا پتہ سات ہزار سال سے پہلے نہیں ملتا۔

زمین اور آبادیٔ عالم

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ۗ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝ (اعراف)

اور ہم نے تم کو جگہ دی زمین میں اور مقرر کر دیں اس میں تمہارے لئے روزیاں۔ تم بہت کم شکر کرتے ہو

علمائِ طبقاتِ ارض کا یہ خیال ہے کہ زمین شروع میں آگ کا ایک کرہ تھی جو غیر معلوم مدت کے بعد سرد ہو گئی۔ اور اس میں سختی آ گئی۔ اور اس کی سطح پر ایک ہلکی سی تہ قایم ہو گئی۔ یہ حالت بھی غیر معلوم مدّت تک قایم رہی اس کے بعد اس میں نباتات کی روئیدگی کی طاقت پیدا ہوئی۔ بعد ازاں اس میں ایسی استعداد پیدا ہو گئی کہ حیوانات زندہ رہ سکیں۔ آخر کار وہ صلاحیت و استعداد کی اس آخری منزل پر پہونچ گئی کہ نوعِ انسانی کا بقا اس پر ممکن ہو سکا۔

انسان

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ (والتین)

ہم نے بنایا آدمی کو خوب سے خوب اندازہ پر

ان ہی علمارِ فرنگ کا یہ بھی خیال ہے کہ انسان اپنی ابتدائی زندگی میں تمدن و معاشرت کی ابتدائی ضروریات سے قطعاً ناواقف تھا۔ عرصۂ دراز کے بعد اس میں تمدن کی ابتدا ہوئی اور وہ رہنے کے لئے مکان، پہننے کے لئے لباس اور کھانے کے لئے ضروریات طعام بنانے اور مہیّا کرنے لگا۔ اور اسی طرح ترقی کرتے کرتے اس کی مادی ترقی کی نشو و نما نے موجودہ تمدن کی صورت اختیار کر لی۔

تاریخ انسانی کی تقسیم

تاریخ انسانی دو قسم پر ہے۔ تاریخ عام تاریخ خاص تاریخ عام تمام انسانی دنیا سے بحث کرتی ہے۔ اور تاریخِ خاص کسی خاص قوم، خاص خاندان، خاص ملک یا کسی خاص سلطنت سے بحث کرتی ہے۔

زمانہ ہائے تاریخ

مورخین نے زمانہ کے اعتبار سے تاریخ کو تین حصّوں پر منقسم کیا ہے۔
(قرونِ اولیٰ) اس کی مدّت نامعلوم تاریخی زمانہ سے سلطنت رُوما غربیہ کے فنا ہونے تک سمجھی جاتی ہے (قرونِ وسطیٰ) اس کا زمانہ سلطنت رُوما غربیّہ کے فنا سے حکومتِ رُوما شرقیّہ کی فنا تک ہے۔ رُوما شرقیہ کی فنا سے مراد وہ زمانہ ہے جس میں آلِ عثمان نے نصاریٰ سے قسطنطنیہ فتح کیا ہے۔

(قرونِ متاخّرہ) اس کا شمار فتح قسطنطینہ سے موجودہ زمانہ تک ہے۔

قرن وعصر

قرن وعصر، عربی لغت کے دو لفظ ہیں جن کے ایک ہی معنے ہیں یعنی زمانہ مگر عربی زبان میں ان دونوں کا اطلاق اکثر ایک صدی پر ہوتا ہے۔

تاریخِ انسانی

سطور بالا میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ انسانی تاریخ کا ذخیرہ دنیا میں انسانی آبادی کی طرح بہت زیادہ نہیں ہے بلکہ بہت ہی تھوڑا ہے اور اس میں سے بھی مسلسل اور منضبط ذخیرہ جو قلمبند ہو چکا ہے تقریبًا چار ہزار سال کا ہے۔

مذہب اور علومِ جدیدہ وقدیمہ

مَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (حشر)

جو دیوے تم کو رسول سو لے لو اور جس سے منع کرے سو چھوڑ دو

اوراقِ گذشتہ میں کرۂ زمین، تمدنِ انسانی، آفرینشِ عالمِ انسانی اور اسی قسم کے مباحث زیرِ بحث آئے ہیں وہ دراصل علمِ طبقات الارض، سائنس اور علمِ تاریخ کے اُصول پر مبنی ہیں۔ اسلام نے ہم کو ان چیزوں کے متعلق یہ تعلیم دی ہے کہ اسلام کے بتائے ہوئے اُصول وقوانین سے جو چیز نہ ٹکراتی ہو اُس کے قبول کرنے نہ کرنے میں ہر شخص مختار ہے اور اپنی عقل ومبلغ علم کے مطابق اس کا خود فیصلہ کر سکتا ہے۔ شریعتِ اسلامیہ ایسے اُمور کا نہ اقرار کرتی ہے نہ انکار۔ اس لئے کہ شریعت اور اس کا قانون رُشد وہدایت کی ہمہ گیری کے لئے ہے۔ نہ کہ مادی تجربیات ونظریات کے لئے۔ احکامِ

اسلامی پر صحیح اعتقاد رکھتے اور اُن پر عمل پیرا ہوتے ہوئے ہر شخص مادی ترقیات میں آزاد ہے۔

خدائے تعالیٰ نے قرآنِ عزیز میں زمین، پیدائشِ عالم، انسان اور اُس کے تمدن کے متعلق جو کچھ ارشاد فرمایا ہے اُس کا حاصل یہ ہے۔

انسان کو ایمان رکھنا چاہیئے کہ تمام اشیاء خدا کی مخلوق ہیں وہ مختار کل ہے۔ جو تصرف اُن میں چاہے کر سکتا ہے۔ انسان خدا کی بہترین مخلوق ہے اور اُس کی تمام ترقیوں کا مبدء انبیاء علیہم السلام ہیں۔ آدم (علیہ السلام) خدا کی مخلوق میں پہلے انسان ہیں اور انسانی دنیا کی مادی و روحانی زندگی کا مبداء یہی ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ۝ رَبُّ السَّمٰوٰتِ

اللہ ہی وہ ذات ہے جس نے ساتوں آسمان اور زمین پیدا کیے۔ وہ رب ہے آسمانوں

وَالْاَرْضِ۔ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝

اور زمین کا آدم کو کل چیزیں سکھائیں انسان کو پیدا کیا اور اس کو بات کرنا سکھایا

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ وَّهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ وَّكِيْلٌ ۝

اللہ ہر شئے کا خالق ہے اور وہی ہر شئے پر نگراں ہے

لہٰذا مذکورۂ بالا بیان کردہ تحقیقات میں سے کوئی ایک امر بھی ایسا نہیں ہے جو ان اسلامی اصول کے خلاف تعلیم دیتا ہو۔

پس سائنس و فلسفہ جیسے علوم کے اُن ناقابلِ انکار نظریات و تجربیات کو قرآنِ عزیز کے خلاف قرار دینا جن کی صحت مشاہدہ میں آچکی ہو بیجا تعصب ہے

بلکہ بسا اوقات غیر مسلم اہلِ علم کے لئے قبولِ اسلام سے باز رکھنے کا باعث بنجاتا ہے

البتہ قرآنِ عزیز کے مطالب کو زبر دستی سائنس و فلسفہ کی ہر چیز کے مطابق کرنے کی کوشش کرنا بھی گمراہی اور تحریف کے مرادف ہے۔ اس لئے کہ قرآنِ عزیز ایک یقینی اور اٹل قانون ہے۔ اور سائنس و فلسفہ کے اکثر مسائل غیر یقینی تخمینی ہیں۔ اور ترمیم و تبدّل قبول کرتے ہیں رہتے ہیں۔

صاف اور سیدھی راہ وہی ہے جو سطورِ بالا میں وضاحت سے بیان کر دی گئی ہے۔

سیرت

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (احزاب)

تمہارے لئے اللہ کے رسول میں اچھا نمونہ ہے

سیرت، عادت و خصلت کو کہتے ہیں۔ علمائے اسلام کے نزدیک سیرت اُس علم کا نام ہے جس میں خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ (رضی اللہ عنہم) کی تاریخی زندگی سے بحث کی جائے۔ بلکہ بعض علماء صرف پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ ہی کو سیرت کہتے ہیں۔

سیرت کا عام فائدہ

سیرۃ النبی کا عام فائدہ یہ ہے کہ دنیا کے سامنے پیغمبر اسلام کے سوانح زندگی کو پیش کیا جائے۔ تاکہ انصاف پسند طبائع اس کے مطالعہ سے یہ اندازہ کر سکیں کہ خدا کا یہ پیغمبر، اخلاقِ حسنہ، اوصافِ حمیدہ، علمی و عملی کمالات اور اصلاحِ عالم میں کیا درجہ رکھتا ہے۔ اور اُس نے اپنی اُمّت کے لئے اپنے بعد کیا اُسوۂ حسنہ چھوڑا۔

سیرت کا خاص فائدہ

قرآنِ عزیز کا ارشاد ہے لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (تمہارے لئے خدا کے پیغبر صلی اللہ علیہ وسلم میں عمدہ نمونہ ہے) دوسری جگہ ارشاد ہے قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ۚ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہدو کہ اگر تم خدا سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میری پیروی کرو خدا تم کو دوست بنالے گا" اس لئے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ خدا کے اس پیغمبر کی سوانح حیات کا مطالعہ کرے کیونکہ اُس کی محبت ہمارا ایمان ہے۔ اور اُس کا ذکر ہماری جان، اُس کی سیرت ہماری فلاحِ دارین اور نجاتِ ابدی کا باعث ہے اور اُس کی حیاتِ طیبّہ ہماری علمی و عملی زندگی کے لئے دلیلِ راہ۔

خلاصہ

تاریخ، علمِ طبعی ہے جس سے اشخاص واقوام کے موجودہ وگذشتہ حالات معلوم ہوتے ہیں۔ اور مفید ہے۔ تاریخ آثار و سوم سے بنتی ہے تاریخ کو علمِ جغرافیہ و تقویم (جنتری)، سے مدد ملتی ہے۔ مبدء تاریخ اہم واقعات وحوادث بنتے ہیں جیسے میلاد مسیح (علیہ السلام) یا ہجرتِ محمدیہ (صلے اللہ علیہ وسلم) ابتداء آفرینشِ انسان کا صحیح اور تحقیقی زمانہ غیر معلوم ہے۔ متوسط رائے کی بنا پر تقریباً سات ہزار سال تخمینہ کیا جاتا ہے"۔ تاریخ عام ہے اور خاص زمانہ تاریخ تین ہیں قرونِ اولی، قرونِ متوسطہ، قرونِ متاخرہ، زمین شروع میں آگ کا کرہ تھی مدّت کے بعد سرد اور سخت ہو کر حیوانات اور نسلِ انسانی کی حیات کے قابل

ہوئی۔ انسان ابتدا رحیات میں غیر متمدّن تھا۔ اور اس نے تدریجًا موجودہ تمدن اختیار کیا۔ تاریخِ انسانی کا منضبط پتہ تقریبًا چار ہزار سال سے چلتا ہے قرن یا عصر ایک صدی کو کہتے ہیں۔

ہم کو یہ ایمان رکھنا چاہیئے کہ کل کائنات خدا کی بنائی ہوئی اور اُسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ انسان، پیدائش عالم، زمین و آسمان کے متعلق جو کچھ قرآن و حدیث میں ہے وہ ہمارا عقیدہ اور ایمان ہے۔ باقی ہیئت سائنس و فلسفہ جو کچھ بتاتا ہے وہ اگر اسلامی احکام کے خلاف نہیں ہے تو ہمیں اس کے ماننے نہ ماننے میں اپنی عقل سے کام لینا چاہیئے۔ اور سائنس جدید و فلسفۂ قدیم کے وہ تجربیات جو علماء سائنس و فلسفہ کی پیہم کاوشوں سے مشاہدہ تک پہنچ چکے ہیں محض فرضی تخیل پر اُن کو مذہب کے خلاف قرار دیکر اُن کا انکار نہ کرنا چاہیئے۔ اور نہ فلسفہ و سائنس کے ہر مسئلہ کو خواہ مخواہ قرآن کے سر مڑھنا چاہیئے۔ اس لئے کہ قانونِ اسلامی (قرآن) روحانی ترقی کے لئے ہے نہ کہ مادیات کی تحلیل و ترکیب اور اس کے تجربیات پر بحث کرنے کے لئے۔ سیرت، عادت و خصلت کا نام ہے مگر علمائے اسلام پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کے حالاتِ زندگی ہی کو سیرت کہتے ہیں۔ سیرتِ نبوی غیر مسلموں کو اپنی طرف جذب کرتی ہے اور مسلمانوں ہی کے دلوں میں آپ کی محبت اور اسلامی فداکاری کا جذبہ پیدا کرتی ہے۔

سوالات

(۱) تاریخ کس کو کہتے ہیں؟

(۲) تاریخ کن چیزوں سے بنتی ہے؟

(۳) کون سے علوم تاریخ میں امداد دیتے ہیں؟

(۴) تاریخ کی ابتدا کہاں سے ہوتی ہے؟

(۵) اہم واقعات اور حوادث کی مثالیں دو؟

(۶) کیا ابتدائے آفرینشِ انسان کا زمانہ معلوم ہے؟

(۷) تاریخ کی کتنی قسمیں ہیں۔ اور زمانۂ تاریخ بتاؤ؟

(۸) زمین کی شروع میں کیا حالت تھی؟

(۹) زمین انسانی حیات کے قابل کس طرح ہوئی؟

(۱۰) انسان کی ابتدائی حالت کیا تھی؟

(۱۱) زمانہ ہائے تاریخ کی قسمیں بیان کرو۔

(۱۲) قرن وعصر کسے کہتے ہیں؟

(۱۳) تاریخ انسانی کی مدّتِ معلومہ کیا ہے؟

(۱۴) عُلومِ قدیمہ وجدیدہ کے متعلق اسلام کی تعلیم کیا ہے؟

(۱۵) سیرت کے معنے بیان کرو۔

(۱۶) سیرت کے عام وخاص فائدے بتاؤ؟

(۱)

حالاتِ عرب قبل از اسلام

وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَّقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ (حجرات)

اور تم میں قائم کیں ذاتیں اور قبیلے تاکہ آپس کی پہچان ہو تحقیق عزت اللہ کے یہاں اسی کو بڑی جس کو ادب بڑا

امتیازِ رنگ وروپ

انسانی دنیا میں باہمی امتیاز، یوں تو بے شمار ہیں، لیکن وہ بڑے اصول جن پر اجناسِ بشری کی تقسیم کی جاتی ہے تین ہیں۔ جنسِ ابیض[1]، جنسِ اصفر[2]، جنسِ اسود[3]

جنسِ ابیض

جنسِ ابیض کی ابتدا، فارس کی قدیم سرزمین سے ہوئی ہے۔ یہ قوم اول ہندوستان کی طرف بڑھی، اور وہاں سے ایشیائے غربی کی طرف پھیلی۔ اور اس کے بعد یورپ تک پہنچ گئی۔ اس لئے فارس سے ہندوستان تک اور پھر ایشیائے غربی سے یورپ تک جو قومیں آباد ہیں جنسِ ابیض میں شامل ہیں

جنسِ اصفر

جنسِ اصفر کی ابتدا سرزمینِ چین سے ہوئی اور شمالی ایشیا اور جزائر بلقان تک پہنچی۔

جنس اسود

جنسِ اسود کی ابتدا افریقہ اور آسٹریلیا سے ہوئی۔

---

[1] گورا [2] زرد [3] کالا ۱۲

اختلاطِ اجناس

اختلاط وارتباط، انسانی فطرت کا خاصہ ہے۔ اس لئے قدرتی طور پر اس کا اثر ہر سہ اجناس پر بھی ہوا۔ اور اس سے مختلف رنگ و روپ پیدا ہوئے مثلاً ابیض و اسود کے اختلاط سے ایک جنسِ متوسط ظاہر ہوئی اور اسود و اصفر کے اختلاط سے دوسری جنس متوسط، اسی طرح ہر سہ اجناس کے باہمی اختلاط سے متوسط اجناس پیدا ہوئیں۔ لیکن وہ مختلط الاجناس قوم (ریڈ انڈین) جو ایامِ قدیم سے امریکہ میں جاکر آباد ہوئی اور جو شکل و صورت میں سُرخ و سفید ہے۔ مورخین کے نزدیک بنی الاصفر میں شامل ہے۔

عرب

مورّخین کے نزدیک قومِ عرب کا شمار بھی جنسِ متوسط سے ہے۔ جو اسود و ابیض کے اختلاط سے ظاہر ہوئی اور بعض مورّخین نے اس کو ایک علیحدہ جنس تسلیم کیا ہے۔ اور اس کا نام جنس اسمر[۱] رکھتے ہیں۔ اسمر اُسی رنگ کا نام ہے۔ جس میں سیاہی و سفیدی دونوں مل کر پائی جاتی ہوں۔

سرزمین عرب

رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِندَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ (ابراہیم)

اے رب میں نے بسایا ہے ایک اولاد (اسمٰعیل) کو میدان میں کہ جہاں کھیتی نہیں تیرے محترم گھر کے پاس

سرزمینِ عرب جزیرہ ہے۔ یا جزیرہ نما۔ پانی کی قلت اور خشک پہاڑوں کی کثرت اس کا طبعی امتیاز ہے۔ اسی لئے یہ خشک جزیرہ کہلاتا ہے اور عرب کے

---

[۱] سُرخ ہندی [۲] گندمی رنگ ۱۲

اسی امتیاز نے اہلِ عرب کو عربِ بداوہ (صحرائی عرب) کے نام سے مشہور کیا اس لئے کہ انسان کے باہمی امتیازات اُس کے ماحول، زمانہ، جگہ اور مرکز ہی کے اعتبار سے پیدا ہوتے ہیں۔

عرب کی حالتِ اجتماعی

غیر سرسبز و شاداب اور بے آب و گیاہ سرزمین کا طبعی خاصہ ہے کہ اُس کے رہنے والے طلبِ رزق و آب کی خاطر ہمیشہ نقل و حرکت ہی میں رہیں۔ اسی لئے اہلِ عرب اونٹوں، بھیڑوں، بکریوں سے بیحد محبّت رکھتے ہیں اور ان کی پرورش میں ہمیشہ منہمک رہتے ہیں۔ ان کے دودھ گھی، اور گوشت کو کھانا، اور اُن کی "اُون" کو لباس اور خیموں میں استعمال کرنا انکی زندگی کا سب سے بڑا کفیل ہے۔

لیکن کسی قوم یا ملک کی زندگی کا انحصار اگر جانوروں پر ہی ہو تو جانوروں کی قلت، اور انسانوں کی کثرت تنگیٔ رزق پیدا کر دیتی ہے۔ جو ہمیشہ بغض، عناد اور فساد و جنگ کا باعث ہوتا ہے۔ اسی لئے اہلِ عرب کی زندگی کا نمایاں امتیاز قبل از اسلام یہی قتل و غارت گری رہا ہے اور اسی پر وہ فخر کرتے تھے۔

اگرچہ تاریخ اس کا پتہ دیتی ہے کہ ان میں ایک جماعت تجارت پیشہ بھی تھی۔ جو شام اور اطرافِ شام میں تجارت کے لئے سفر کرتی تھی۔ لیکن اپنے ملک کے دشوار گذار راستوں کی وجہ سے وہ کسی طرح اس ملک کو تجارت گاہ نہ بنا سکی۔ اور اسی لئے ان کی تجارت کو فروغ نہ ہو سکا۔

عرب کی حالت کا یہ نقشہ بعثتِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دو تین صدی قبل کا ہے۔ ورنہ آپ کی بعثت سے چند صدی قبل عرب میں عاد، تبابعہ اور حمیر کی بڑی بڑی سلطنتیں ہو گذری ہیں۔ اور عراق میں تدمر کی زبردست حکومت تھی۔ اور یہ سب عربی حکومتیں تھیں۔ اور عرب کی تجارت بھی اس زمانہ میں مصر و شام میں بہت کامیاب تھی۔

عرب کی مذہبی حالت

مَا كَانَ اِبْرَاهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا وَّمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (آل عمران)

ابراہیم (علیہ السلام) نہ یہودی تھے نہ نصرانی وہ توپکے مسلمان تھے اور نہ مشرک تھے۔

اہلِ عرب کی مذہبی حالت بھی اُن کی اجتماعی زندگی جیسی تھی۔ جس کا کوئی نظام تھا نہ قانون، اگرچہ شریعتِ ابراہیمی کے مدعی تھے۔ مگر نام کے سوا حقیقت سے کوسوں دور تھے۔ اس لئے کہ ان کے قبائل اکثر بت پرستی میں مصروف تھے اور یہی اُن کے عقیدے کا بنیادی پتھر تھا۔

مذہب انسانی ضروریات میں سے ہے

وَمَا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ

اور اے پیغمبر ہم نے تجھ پر یہ کتاب اس لئے اُتاری ہے کہ لوگوں سے وہ باتیں صاف صاف بیان کر دے

وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ○

جس میں وہ اختلاف کر رہے ہیں اور یہ کتاب ایمان والوں کے لئے ہادی اور رحمت ہے۔

قومیں ہوں یا قبیلے، بڑی بڑی جماعتیں ہوں یا چھوٹے چھوٹے خاندان اپنی حیات و بقا میں مجبور ہیں کہ اُن کے لئے کوئی نظام یا قانون ہو جسکی پابندی

اُن کے ذمّہ ضروری، اور جس سے اُن کی زندگی حیوانات کی زندگی سے ممتاز ہو اور وہ چوپایوں کے مثل زندگی بسر نہ کریں۔

بہرحال انسان کے لئے نظام و انتظام ایک ضروری شے ہے اور انسان کو اس سے فطری محبت ہے۔ جس کی کھلی دلیل یہ ہے کہ متمدّن انسان کی تاریخ میں کوئی زمانہ بھی ایسا نہیں ملتا جس میں انسانوں نے بقدرِ وسعت اپنے لئے کوئی نظام نہ مقرر کیا ہو۔ لیکن تشکیلِ نظام کی دو صورتیں ہیں ایک وضعی دوسری دینی، انسانوں کا خود ساختہ قانون نظامِ وضعی کہلاتا ہے۔ اور جس قانون کی نسبت خدائے تعالیٰ کی طرف ہو وہ نظامِ دینی ہے۔

تجربہ اس کا شاہد ہے کہ انسان اپنے ہی ہم جنس کے بنائے ہوئے قانون کے سامنے اس طرح نہیں جُھکتا جس طرح نظامِ دینی اس کو اپنی طرف جھکا لیتا ہے۔ نظامِ دینی کی قوتِ تاثیر کا یہ حال ہے کہ وہ انسان کے شعورِ دماغی اور وجدانِ قلبی پر اس طرح قبضہ کر لیتا ہے کہ انسانی نظام کی زبردست سے زبردست طاقت بھی اس کا ادنیٰ مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اس لئے عالمِ انسانی کی اخلاقی اصلاح اور اُن کی روحانی بقا و حیات کے لئے مذہب یعنی نظامِ دینی ازبس ضروری ہے۔ اسی حقیقت کو قرآنِ عزیز نے اس طرح ادا کیا ہے "وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ" (اور ہم نے تجھ پر) یہ کتاب (قرآن) اُتاری جس میں ہر چیز کا عمدہ اور واضح بیان ہے اور مسلمانوں کے لئے ہادی، رحمۃ اور بشارت دینے والی ہے)

عرب کو مذہبی نظام کی ضرورت

جزیرہ نمائے عرب کے باشندوں کے اخلاقی و اجتماعی زندگی کا جو مختصر حال صفحاتِ گذشتہ میں مذکور ہے اُس سے خود بخود یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ ایسی قوم کے لئے کسی نظام کا وجود خصوصًا نظامِ دینی کا وجود کس قدر ضروری تھا؟ اور یہ کہ جس قوم کے افراد انسانی نظام کے تابع ہو کر زندگی بسر کرنا اپنی توہین سمجھتے ہوں، اُن کی اصلاح مذہبی و دینی نظام کے سوا کون کر سکتا تھا؟

اقوامِ عالم قبل از اسلام

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ (روم)

خشکی و تری میں فساد پھیل گیا تھا۔ لوگوں کے اعمال کی وجہ سے

فسادِ اخلاق، بدکاری، قتل و غارت، رسومِ بد اور اصنام پرستی کی وہ تاریخ جو عرب کے حالات میں بیان ہو چکی ہے کچھ عرب ہی کے ساتھ مخصوص نہ تھی بلکہ کل اقوامِ عالم کم و بیش ان احوال میں اہلِ عرب کی شریک تھیں۔

فارس و روم کی اس زمانہ کی تاریخ کا ایک ایک صفحہ اس بات کی شہادت دے رہا ہے کہ شراب نوشی، بدکاری، قتل و غارت، اہلِ فارس و روم کیلئے روزمرّہ کی زندگی کا ایک دلچسپ مشغلہ تھا جس میں اُن کے ادنیٰ و اعلیٰ سب برابر کے شریک تھے۔ اسی طرح ہندوستان میں اصنام پرستی اور رسومِ بد کا یہ حال تھا کہ زندہ انسان بتوں کے نام پر بھینٹ چڑھائے جاتے تھے۔ اور مردہ شوہر کی خاطر زندہ عورت کو نذرِ آتش کیا جاتا تھا۔ جس کو "ستی" کی رسم کہتے ہیں۔ اور

یہ دونوں کام مذہب کی مقدس رسم سمجھ کر انجام پاتے تھے۔ اسی طرح دوسری قوموں اور دوسرے ملکوں کا حال تھا۔

غرض تاریخ کے یہ بدیہی واقعات ہیں کہ قبل ظہورِ اسلام، تمام اقوامِ عالم صحیح روحانی زندگی سے ناآشنا اور اس سے قطعاً بیزار تھیں، اور نہ صرف یہ بلکہ ان کی اجتماعی و اخلاقی زندگی نے بھی بد سے بدتر صورت اختیار کرلی تھی اور نظامِ دینی کی وہ بندشیں جو اپنے اپنے زمانہ میں ملکوں اور قوموں کیلئے خدا کے پیغمبروں نے قائم کی تھیں، پارہ پارہ ہو چکی تھیں۔

ظہورِ اسلام اور اقوامِ عالم کو مذہبی نظام کی حاجت

وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ

اور اللہ تعالیٰ کا وہ احسان یاد کرو جبکہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے پھر اللہ نے تمہارے دلوں میں

بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا كَذٰلِكَ

محبت پیدا کر دی اور تم اس کے فضل سے بھائی بھائی ہو گئے۔ اور تم تو دوزخ کے کنارے لگے تھے

يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝ (آل عمران)

اللہ نے تم کو بچا لیا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ تم سے اپنی آیات بیان کرتا ہے۔ تاکہ تم سیدھی راہ پر قائم رہو۔

جب اقوامِ عالم کی اجتماعی، اخلاقی، اور مادی و روحانی زندگی اس درجہ تباہ و برباد ہو گئی تب خدائے قدوس کی غیرت کو حرکت ہوئی اور اس نے اسی سرزمین (عرب) میں (کہ جس کے باشندے مذکورہ بالا اخلاقی تباہ کاریوں میں تمام اقوام پر گوئے سبقت لے گئے تھے) اسلام جیسے جامع مذہب کو نازل فرمایا۔ تاکہ نظامِ دینی کا یہ آخری پیغام اپنی معجزانہ تعلیم سے اسی قوم

(عرب) کو انسانِ کامل بناکر تمام اقوامِ عالم کی اُس اصلاحی زندگی کا اُستاذ بنادے جس کی اُن کو سخت حاجت تھی۔

یا یوں کہئے کہ چونکہ جغرافیائی حیثیت سے سرزمین عرب، ایشیا، یورپ اور افریقہ جیسے برّاعظموں کے وسط میں واقع ہے اور برّی و بحری دونوں راہوں سے یہی سرزمین ان برِّاعظموں کو آپس میں ملاتی ہے تو ایسے خطّہ میں جس طرح آسانی کے ساتھ جملہ اقوام کی جاہلانہ ومشرکانہ رسوم پہنچ گئیں اور آخر کار وہ ان کا مرکز اور گہوارہ بن گیا۔ اسی طرح وہ بآسانی تمام اقوام کی رشد وہدایت کا بھی مرکز بن سکتا تھا اور ظہورِ اسلام کے بعد جسقدر عجلت سے یورپ وایشیا میں اسلام کی دعوت پہنچی اور برّاعظم افریقہ میں اُس کا شہرہ ہوا تاریخ اس کے لئے زندہ شہادت ہے۔

خلاصہ

جنسِ انسانی کی قسمیں بہت ہیں لیکن اُن کے اُصول تین ہیں جنسِ ابیض، جنسِ اصفر، جنس اسود۔

جنسِ ابیض کی ابتدار فارس قدیم سے ہوئی۔ جنسِ اصفر کی ابتدار چین اور ایشیا سے ہوئی۔ جنسِ اسود کی ابتدار افریقہ اور آسٹریلیا کی سرزمین سے ہوئی۔

اور ان کے باہمی اختلاط سے متوسط اجناس پیدا ہوئیں۔ ان امتیازات رنگ وروپ کے اعتبار سے اہلِ عرب جنسِ متوسط کی شاخ بنی السام میں داخل ہیں سرزمینِ عرب ایک خشک جزیرہ نما ہے۔ اہلِ عرب اسلام سے

پہلے تنگیٔ رزق کے باعث لوٹ مار اور قتل و غارت کو قومی فخر سمجھتے تھے۔ اہلِ عرب کا اصلی مذہب ملّتِ ابراہیمی تھا لیکن رفتہ رفتہ یہ مٹ کر اصنام پرستی اُن کا مذہب ہو گیا۔

اسی طرح تمام اقوامِ عالم کی اخلاقی و اجتماعی زندگی تباہ ہو چکی تھی اور رسومِ بد، جاہلانہ عقاید اور اصنام پرستی اُن کا شعار بن گیا تھا۔

مذہب، ضروریاتِ انسانی میں سے ایک اہم ضرورت ہے اس لئے کہ وہ خدا کا بنایا ہوا انتظام ہے۔ اور کوئی انسان نظام و انتظام کے بغیر صحیح زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ اس لئے عرب بھی طبعًا کسی صحیح نظامِ دینی کے محتاج تھے اور نہ صرف وہ بلکہ تمام اقوامِ عالم کو اس وقت ایک صحیح نظامِ دینی کی سخت ضرورت تھی۔

اسلام نے جو کہ خدا کا آخری پیغام اور بہترین دینی نظام تھا انہی حالات میں عرب کے اندر ظہور کیا۔ اور تمام دنیا کی قوموں کو اصلاحِ اخلاق و اعمال اور درستیٔ عقائد کی دعوت دی۔

سوالات

(۱) اجناسِ بشر کی کتنی قسمیں ہیں؟

(۲) جنسِ ابیض، جنسِ اسود، اور جنسِ اصفر کی ابتدا بیان کرو؟

(۳) اِختلاطِ اجناس سے کتنی اجناس پیدا ہوئیں۔ اور اہلِ عرب کس جنس سے ہیں؟

(۴) اسلام سے پہلے عرب کی اقتصادی اور اجتماعی زندگی کا کیا حال تھا؟

(۵) اسلام سے قبل عرب کی دینی حالت کیا تھی اور اقوامِ عالم کی کیا؟

(۶) کیا واقعی عرب اور دیگر اقوامِ عالم کو ظہورِ اسلام کی حاجت تھی؟

(۲)

خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور

هُوَالَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ (فتح)

خدا وہ ہے جس نے اپنے پیغمبر (محمدؐ) کو ہدایت اور دینِ حق دے کر بھیجا تاکہ تمام ادیانِ سابق پر اس کو غالب کرے

اقسامِ عرب

اہلِ سیر و تاریخ، تغیراتِ زمانہ کے اعتبار سے اقوامِ عرب کو تین قسموں پر منقسم کرتے ہیں: عربِ بائدہ[۱]۔ عرب عاربہ[۲]۔ عربِ مستعربہ[۳]۔

عربِ بائدہ عاد، ثمود، جدلیس، طسم اور عملاق کے قبائل کا نام ہے یہ قبائل دنیا سے مٹ چکے۔ عربِ عاربہ قحطان کی اولاد کہلاتی ہے۔ یعنی جرہم بن قحطان اور یعرب بن قحطان کی نسل۔ عربِ مستعربہ اولادِ اسماعیل بن ابراہیم خلیل اللہ علیہما السلام کا نام ہے۔ یہی حضرتِ اسمٰعیل علیہ السلام پیغمبرِ اسلام محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے جدامجد ہیں۔ اور آپ کا سلسلۂ نسب عدنان بن ادّ کے واسطہ سے حضرت اسمٰعیل بن ابراہیم علیہما السلام ہی پر ختم ہوتا ہے۔

سلسلۂ نسب مبارک

مِلَّةَ اَبِیْکُمْ اِبْرٰهِیْمَ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِیْنَ (حج) دین تمہارے باپ ابراہیم کا اسی نے نام رکھا تمہارا مسلمان

---

[۱] بائدہ ہلاک شدہ کو کہتے ہیں [۲] عاربہ، عرب والی قوم یعنی جس نسل کی ابتدا ہی عرب سے ہو اسی لئے جرہم وغیرہ قبائل عاربہ کہلاتے ہیں کہ وہ قدیم سے یہاں آباد تھے [۳] مستعربہ، عرب میں آ کر بس جانے والی قوم۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا اصلی وطن شام تھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بحکم الٰہی ان کو سرزمینِ عرب میں آباد کیا۔ اس لئے ان کو مستعربہ کہا جاتا ہے۔

محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصیّ بن کلاب بن مرّۃ بن کعب بن لوئی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔

یہ وہ سلسلۂ نسب ہے جس کو خود آپ نے زبانِ وحی ترجمان سے صحیح اور درست فرمایا ہے اور اس کے بعد کی تمام کڑیاں اختلافی ہیں۔ ان کے متعلق آپ کا ارشاد ہے کَذَبَ النَّسَّابُوْن یعنی نسب بیان کرنے والوں نے جھوٹ سے کام لیا ہے۔ اسی لئے مورخین کو بھی اس سلسلے سے اوپر کے ناموں کی تعیین میں سخت اختلاف ہے البتہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ تصریح فرمائی ہے کہ ہیں حضرت اسمٰعیل بن ابراہیم علیہما السلام کی اولاد میں ہوں اور تمام علمائے سیرت بھی اسپر متفق ہیں۔ اس لئے آپ کے سلسلۂ نسب کی نسبت حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے ساتھ ایک ایسا یقینی امر ہے جسمیں بحیثیت تاریخ کسی شبہہ کی گنجائش نہیں۔

مادری سلسلہ

مذکورۂ بالا سلسلۂ نسب، پدری تھا، اور آپ کا سلسلہ مادری اسطرح ہے:-

محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) ابن آمنہ، بنت وہب بن عبد مناف بن زہرہ ابن کلاب۔ یہاں پہونچ کر کلاب میں آپ کا سلسلۂ مادری و پدری جمع ہو جاتا ہے۔ کلاب کا نام حکیم بھی ہے۔ اسی لئے بعض سیرت کی کتابوں میں زہرہ ابن کلاب کی جگہ زہرہ بن حکیم مذکور ہے۔

نسبی خصوصیات

(قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ) اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰی کِنَانَۃَ مِنْ وُلْدِ اِسْمٰعِیْلَ وَاصْطَفٰی قُرَیْشًا مِنْ کِنَانَۃَ وَاصْطَفٰی مِنْ قُرَیْشٍ بَنِیْ ھَاشِمٍ وَاصْطَفَانِیْ مِنْ بَنِیْ ھَاشِمٍ (مسلم) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا نے اولادِ اسمٰعیل (علیہ السلام) میں سے کنانہ کو شرف بخشا اور کنانہ میں قریش کو اور قریش میں بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم میں مجھکو شرف واعزاز بخشا۔"

جزیرہ نمائے عرب کے بیان کردہ حالات اس کے شاہد ہیں کہ اہل عرب امتیازاتِ نسل وخاندان کے اعتبار سے مختلف قبائل پر نقسیم تھے، ان قبائل کے مقابلے میں اُس قبیلہ کو جس کا تعلق آپ کے سلسلۂ نسب سے ہے ہمیشہ تفوق وبرتری رہی ہے۔ اور تمام قبائل عرب نے ہمیشہ متفقہ طور پر اس کی سرداری کو تسلیم کیا ہے۔

اسی سلسلہ میں خاندانِ قریش اپنے شرف وسروری میں ایسا ممتاز تھا کہ کعبۃ اللہ کی خدمت، زمزم پر سبیل کی خدمت، غلافِ کعبہ کی تیاری کا شرف، مخصوص مہمانوں کی مہمان نوازی، جنگی وغیر جنگی اہم اُمور کی ذمّہ داری، مشورہ، میدانِ جنگ میں علمبرداری، مکہ معظمہ کی سرداری یہ تمام امور قریش کی ہی اولاد میں تقسیم تھے اور قریش میں بھی بنی ہاشم زیادہ ممتاز سمجھے جاتے تھے۔ اسی لئے اوپر بیان کردہ خدمات کا اکثر حصّہ ہاشم کی ہی اولاد کے سپرد تھا۔ اور عبدالمطلب جو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے دادا

ہیں، ان تمام خدمات میں سے سب سے زیادہ اہم خدمت یعنی مکۂ معظمہ کی سیادت پر مامور تھے۔ اور تمام اہم کاموں میں ان کا فیصلہ آخری سمجھا جاتا تھا۔

پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کے خاندانی شرف وعزت کی ایک بڑی خصوصیت یہ بھی تھی کہ اس خاندان کی اولاد کا سلسلہ زنا کی تلویث سے پاک تھا یعنی عرب کے عام رواج کی طرح اس خاندان کا کوئی رشتۂ زن وشوہر حرامکاری پر قائم نہیں تھا بلکہ اس زمانہ کے دستورِ نکاح کے مطابق ہی ان کی تمام شادیاں انجام پاتی رہی ہیں۔

ولادتِ باسعادت

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ [۵]

اے ہمارے پروردگار اور بھیج ان میں ایک رسول انہیں (عرب) میں کا کہ پڑھے اُن پر تیری آیتیں اور سکھلائے اُن کو

الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (بقرہ)

کتاب اور تہ کی باتیں اور پاک کرے اُن کو بیشک تو ہی ہے زبردست، بڑی حکمت والا

عالمِ انسانی کی اُس تاریخ کے اوراق جو عرب سے عجم تک اخلاقی واجتماعی معاشرتی ومذہبی تباہی وبربادی کے حالات کا پتہ دے رہے تھے، ابھی پوسیدہ بھی ہونے پاتے تھے کہ خدائے واحد کا سب سے برتر اور سب سے آخری پیغامبر آفتابِ نبوت بنکر ۹ [۶] ربیع الاول بروز دوشنبہ بوقت صبح ابوطالب [۷] کے

---

[۵] حضرت ابراہیمؑ وحضرت اسمٰعیلؑ جب کعبہ کی تعمیر کر رہے تھے۔ اُس وقت دونوں نے یہ دعا مانگی اور یہ دعا ولادت باسعادت کی صورت میں قبول ہوئی [۶] سیرت کی تمام کتابوں میں ۱۲ ربیع الاول ولادت باسعادت کی تاریخ بیان کی گئی ہے [۷] آپ کی ولادت ابوطالب کے مکان میں ہوئی ۱۲

مکان سے طلوع ہوا، یا یوں کہئے کہ دعائے ابراہیم و بشارتِ عیسیٰ نے پہلوئے آمنہ سے ظاہر ہو کر زیر و بالا کو منور کر دیا۔ یعنی وہ جس کے وجود باوجود سے خوابیدہ بیدار ہوئے۔ اور بیدار ہوشیار بنے۔ وہ جس کی بصیرت سے نابیناؤں نے بصیرت پائی اور ناشنوا، شنوا ہوئے، جس کی ایک آواز سے کفر کی دُنیا برباد ہوئی اور توحید کا عالم تعمیر ہوا۔ جس کی ایک پکار سے ظلمتِ شرک کافور ہوئی اور نورِ ایمان چمک اُٹھا عالمِ قدس میں انبیاء سے اسی کے احترام کا عہد لیا گیا۔ اور رسولوں نے اسی کے آنے کی بشارتیں دیں۔ اس کو حضرتِ داؤدؑ نے محمدیم کہہ کر پکارا تو حضرت عیسیٰؑ نے مُبَشِّرًا بِرَسُولٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُہٗ اَحْمَدُ[1] سُنا کر اس کی آمد کا پیغام سُنایا وَذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ ○

محمود پاشا فلکی (ہیئت داں)، جو اپنے فن کے بے نظیر اور ماہر عالم گذرے ہیں ولادتِ باسعادت کی صحیح تاریخ وہی بیان کرتے ہیں جس کا اوپر ذکر ہو چکا۔

جس سال خدا کا یہ سچا نبی عالمِ وجود میں آیا اس سال کو اہلِ عرب

---

[1] اِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ
وہ وقت یاد کرو جب عیسیٰ بن مریم نے فرمایا اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں
وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُہٗٓ اَحْمَدُ ○
تمہارے پاس کی کتاب (توراۃ) کی تصدیق کرنے اور اس رسول کی بشارت دینے آیا ہوں جو میرے بعد آئیگا اور جسکا نام احمد ہے

عام الفیل[۱] کہتے ہیں۔ شمسی حساب سے اس تاریخ کی موافقت ۲۰[۲] اپریل ۵۷۱ء کے ساتھ ہوتی ہے۔

اس بیان کردہ حساب سے ولادتِ باسعادت (صلے اللہ علیہ وسلم) اور ولادت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان پانچسو اکہتر سال کا زمانہ ہوتا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ اور حضرتِ موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے درمیان ایک ہزار سات سو، سولہ سال کا عرصہ اور حضرتِ موسیٰ اور حضرتِ ابراہیم علیہما السلام کے درمیان پانچسو پینتالیس سال اور حضرت ابراہیم اور طوفان نوح کے علیہ السلام کے درمیان ایک ہزار اکیاسی سال اور طوفان اور آدم علیہ السلام کے درمیان دو ہزار دو سو بیالیس سال کا زمانہ ہوتا ہے مورخین نے اس حساب کے مطابق ولادتِ باسعادت سے حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ تک چھ ہزار ایک سو پچپن سال کی مدت قرار دی ہے۔[۳]

والدِ ماجد کا انتقال اور تربیت

أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَآوَىٰ (والضحیٰ)

کیا نہیں پایا تجھ کو یتیم پھر جگہ دی

---

[۱] فیل ہاتھی کو کہتے ہیں۔ یمن کے بادشاہ نے جس کا نام ابرہہ تھا ایک گرجا بنایا تھا مقصود یہ تھا کہ تمام عرب، کعبہ کی بجائے اس کا حج کیا کریں اور کعبہ کی شوکت جاتی رہے۔ کسی عربی نے غصہ میں اس گرجا میں غلاظت کردی اور بھاگ گیا۔ ابرہہ کو سخت غصہ آیا اور ایک جماعت ہاتھیوں پر سوار ساتھ لیکر کعبہ کے گرانے کے لئے روانہ ہوا۔ مکہ کے قریب پہنچا تو قدرتِ الٰہی سے چھوٹے چھوٹے جانور نمودار ہوئے اور انہوں نے چھوٹی چھوٹی کنکریاں لشکر پر برسائیں جس کی بدولت سارا لشکر تباہ و برباد ہو گیا۔ اسی کا تذکرہ اللہ جل شانہٗ نے سورۂ فیل میں کیا ہے۔

[۲] اور بعض مورخین نے ۲۰ اگست ۵۷۰ء کہا ہے۔

[۳] لیکن یہ مدت تخمینی ہے یقینی نہیں۔

پیغمبرِ اسلام (صلے اللہ علیہ وسلم) کے والدِ ماجد (عبداللہ) بغرضِ تجارت شام تشریف لے گئے تھے، واپسی کے وقت راہ میں بیمار ہوئے اور مدینہ طیبہ میں اپنے ناںہال بنو نجار[1] کے یہاں قیام پذیر ہوئے۔ عُمر نے وفا نہ کی اور ولادت باسعادت سے دو ماہ پیشتر مدینہ طیبہ میں ہی انتقال کر گئے اور پچیس یا اٹھائیس سال کی عمر پائی۔ ترکہ میں پانچ اونٹ چند بکریاں اور ایک باندی ام ایمن برکہ حبشیہ اور کچھ نہ چھوڑا اس لئے اس درِ یتیم نے اپنے دادا عبدالمطلب کی نگرانی میں تربیت پائی۔

رضاعت

اہلِ عرب کی قدیم سے یہ عادت تھی کہ اپنے بچوں کو شہروں اور قصبوں میں اس لئے رکھنا پسند نہ کرتے تھے کہ شہری تمدن، بچوں کی دماغی کیفیت پر اچھا اثر نہیں ڈالتا، اور نزاکت و نامردی پیدا کرتا ہے بخلاف دیہات کی زندگی کے کہ اس سے عزیمت و ہمّت اور توانائی پیدا ہوتی ہے اور دماغی توازن بھی صحیح رہتا ہے۔ یہی خیال تھا جس کی بنا پر وہ اپنے بچوں کو پیدا ہوتے ہی بدوی خاندانوں کی عورتوں کے سپرد کر دیتے تھے جو اُن کو دودھ پلاتیں اور پرورش کرتی تھیں۔ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کی والدۂ ماجدہ اور آپ کے دادا عبدالمطلب نے اس رسم کے مطابق آپ کو بھی کسی دودھ پلانے

---

[1] اصل میں قبیلہ بنی نجار نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب کا ناںہال تھا اس لئے کہ عبدالمطلب کی والدہ سلمٰی بنت زید اسی قبیلہ کی بیٹی تھیں۔ مورخین مسامحت سے کبھی اس قبیلہ کو حضرت عبداللہ کی ناںہال کہہ دیتے ہیں۔ اور کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناںہال اس لئے کہ والد یا دادا کی ناںہال بھی اپنی ہی ناںہال ہوتی ہے۔

والی کے سپرد کرنا چاہا حسبِ عادت سعد بن بکر کی عورتیں اس خدمت کی غرض سے مکہ معظمہ آئی ہوئی تھیں۔ ان میں سے حلیمہ بنت ابی ذویب سعدیہ کی قسمت کا ستارہ چمکا۔ اور اُس نے سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کی خدمت میں جاکر اس درِّ یتیم کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو پیش کیا اور بامراد واپس آئی۔

شقِّ صدر

اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ (انشراح)

کیا ہم نے تیرے سینہ کو نہیں کھول دیا؟

حلیمہ سعدیہ ابھی آپ کی خدمت میں مصروف ہے کہ ایک اہم واقعہ پیش آگیا جس سے خائف ہوکر حلیمہ اور اُس کے شوہر ابو کبشہ کی یہ رائے ہوئی کہ اب اس امانت کو مکہ جاکر اُس کی والدہ کے سپرد کردینا چاہئیے۔

حلیمہ مکہ معظمہ پہونچکر آپ کی والدہ ماجدہ آمنہ کے سامنے پیغمبر اسلام کو سپرد کرتے ہوئے اس طرح عرض کرتی ہے۔

"میرا لڑکا اور تمہارا صاحبزادہ دونوں مکان کے پیچھے بکریاں چرا رہے تھے میں اور شوہر دونوں مکان میں بیٹھے ہوئے تھے کہ میرا لڑکا پریشان حال دوڑتا ہوا آیا اور کہنے لگا کہ دو آدمیوں نے میرے قریشی بھائی (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو زبردستی گراکر پیٹ چاک کردیا۔ ہم یہ واقعہ سنتے ہی بدحواس ہوکر بھاگے۔ دیکھا کہ تمہارا بچہ خاموش کھڑا ہے اور چہرہ پژمردہ ہے میں نے گلے سے چمٹاکر حال پوچھا تو بیان کیا کہ دو آدمی آئے جو سفید پوش تھے ایک نے

دوسرے کہا "کیا یہ وہی ہے؟ دوسرے نے جواب دیا" ہاں" پس دونوں میری طرف بڑھے اور مجھ کو چت لٹا کر پیٹ چاک کیا اور اس میں سے کوئی شئے تلاش کر کے نکال ڈالی۔ اور چلے گئے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ کیا ہوا؟[1]

والدۂ ماجدہ کی وفات

ابھی عمر مبارک چھ سال ہی کی تھی کہ والدہ ماجدہ آپ کو مدینہ طیبہ آپ کے والد ماجد کے ناہنال بنی نجار میں لے گئیں[2]۔ وہاں کچھ زمانہ قیام کیا اور واپسی میں جب ابواء[3] پہنچیں تو بیمار ہو کر انتقال[4] فرمایا۔ آپ تنہا مکہ واپس آ گئے۔

اور بعض روایات میں ہے کہ آپ کی باندی ام ایمن[5] ہمراہ سفر تھیں، اور وہی آپ کو مکہ معظمہ آپ کے دادا کے پاس لے کر آئیں اور اس وقت سے ام ایمن ہی آپ کی خدمت کرتی رہیں۔ اور آپ کے دادا عبد المطلب نے مستقل آپ کی پرورش اپنے ذمہ لے لی۔

---

[1] نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ واقعہ اس لئے پیش آیا کہ آپ خدا کے رسول بننے والے تھے۔ ضرورت تھی کہ ابتداء زندگی میں سینۂ مبارک نور معرفت سے اس طرح پُر کر دیا جائے کہ آنے والے زمانے میں آپ کی فطرت بارِ نبوت و رسالت کا تحمل کر سکے [2] بعض اصحاب سیر کا یہ خیال ہے کہ حضرت آمنہ کا یہ سفر اپنے شوہر حضرت عبداللہ کی قبر کی زیارت کی غرض سے تھا [3] مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مقام کا نام ہے [4] تاریخ وفات ۵۷۶ء [5] ان کا نام برکہ ہے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو پدری ترکہ میں ملی تھیں آپ نے اول اُن کی شادی عبید خزرجی سے کر دی تھی۔ جن کی صلب سے ایمن پیدا ہوئے۔ اس کے بعد اُن کی شادی حضرت زید سے ہوئی اور ان کی صلب سے اسامہ پیدا ہوئے۔

عبدالمطلب کی وفات

ابھی آپ کی والدہ ماجدہ کے انتقال کو دو ہی سال ہوئے تھے کہ آپ کے دادا عبدالمطلب کا بھی انتقال[۵۱] ہو گیا۔ انتقال کے وقت ان کی عمر ایک سو چالیس یا ایک سو دس سال کی تھی۔ عبدالمطلب اپنے وقت میں مکہ معظمہ کے رئیسِ اعظم سمجھے جاتے تھے۔ اب آپ کی تربیت کی ذمّہ داری آپ کے چچا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے والد ابوطالب کے سپرد ہوئی۔ ابوطالب نے اس خدمت کو مرتے وقت تک باحسن وجوہ انجام دیا۔

مگر خدائے قدّوس کی حکمت کاملہ چونکہ اس یتیم بچّہ کو نبی امّی ہونے کا شرف بخشنا چاہتی تھی۔ جس کی وجہ سے آپ کی نبوت و رسالت خود ایک مستقل معجزہ ہو کر عالم میں آشکارا ہو۔ اس لئے قدرتی طور پر آپ کے لئے رسمی تعلیم کا کوئی انتظام نہ ہو سکا۔ اور آپ اُمّی[۵۲] (ان پڑھ) ہی رہے۔

آپ کا پہلا سفر اور بحیرا سے ملاقات

جب عمر مبارک تیرہ سال[۵۳] کو پہنچی تو آپ نے ابوطالب کے ساتھ شام کا سفر کیا۔ یہ پہلا سفر تھا جو اپنے چچا کے ساتھ آپ نے اختیار کیا آپ کا قافلہ جب بُصرے (حوران) پہنچا تو قافلے نے وہاں پڑاؤ کیا پڑاؤ کے قریب ہی ایک نصرانی راہب کا جھونپڑا تھا۔ یہ راہب نیمار کا باشندہ تھا اس کی نظر جب آپ پر پڑی تو اُس نے آپ کے اندر ایک خاص امتیاز

---

۵۱ تاریخ وفات ۵۷۸ء ۵۲ یا آپ کو اس لئے امّی کہا گیا کہ آپ امّ القریٰ (مکہ) کے باشندہ تھے۔ ۵۳ مطابق ۵۸۲ء

محسوس کیا اور قافلہ میں آکر ابو طالب سے کہنے لگا کہ تمہارے اس بھتیجے میں مجھے ایک[1] خاص نشانی نظر آتی ہے۔ اور اس کی پیشانی کسی خاص زندگی کا پتہ دیتی ہے۔ تم کو چاہیئے کہ تم اس کی حفاظت کرو۔

بعض جدید مورخین اسلام نے نصاریٰ کے غلط اور مہمل اعتراض سے مرعوب ہو کر اس واقعہ کے وجود ہی کا انکار کر دیا ہے۔ واقعہ روایت و درایت دونوں اعتبار سے صحیح اور ناقابل انکار ہے۔ باقی متعصب عیسائیوں کا یہ اعتراض "کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ اسلامی تعلیم اُسی راہب کی صحبت کا نتیجہ ہے" اس قدر مہمل ہے کہ حاجتِ جواب بھی نہیں۔ کیا تثلیث کا ابطال، نصاریٰ کے مشرکانہ وجاہلانہ رسوم و عادات کی بُرائی و تقبیح، انبیاء علیہم السلام کے متعلق بائبل میں بیان کردہ خرافات کی تکذیب قرآن جیسا معجز قانون پیش کر کے تمام اقوامِ عالم کو مقابلہ کا یہ چیلنج، غرض تعلیم اسلامی کی وہ عظیم الشان زندگی جو تیئیس سالہ دورِ حیات کا معجزانہ دستور العمل ہے۔ بحیرا کی چند منٹ کی اس گفتگو کا نتیجہ ہو سکتی ہے جو تیرہ سالہ ہستی کے بارہ میں نہ خود اُس سے بلکہ اُس کے چچا ابو طالب سے کی گئی۔ اور جو صرف اُس نوجوان کی نبوت اور اُس کی حفاظت سے متعلق تھی۔ اور جس میں مقدار ایک جملہ بھی اصول مذہب کے متعلق تبادلۂ خیالات کا مذکور نہیں۔

---

[1] نبی آخر الزمان ہونیکی طرف اشارہ ہے اور اکثر روایات میں ہے کہ بحیرا نے صاف صاف کہا کہ قدیم کتابوں کی بشارات کے مطابق یہی وہ لڑکا ہے جو نبی آخر الزماں ہوگا۔

سخت تعجب ہے کہ "سر ولیم میور" بحیرا کی ملاقات کو تو تسلیم کرتے ہیں اور اس کی تصدیق رسالت و نبوت اور اس سفر کے اُن تمام واقعات کا انکار کرتے ہیں۔ کہ جن سے آپ کی رسالت و نبوت کی عظمت و شان کا پتہ چلتا ہے کیا یہی وہ مورخانہ دیانت ہے جس پر یورپ کے مورخین کو بہت ناز ہے؟

حربِ فجار

یہ مشہور جنگ "جو فجار" کے نام سے مشہور ہے قریش اور قیس کے درمیان ہوئی تھی اور دونوں قبیلے بڑے ساز و سامان کے ساتھ خونریزی کے لئے آمادہ ہوئے تھے۔

اس جنگ کا سبب" قریش حلیف بنی کنانہ کے ایک شخص کے ہاتھوں ایک معزز تاجر کا قتل ہو جانا تھا۔

اس جنگ میں بنی ہاشم کی کمان زبیر بن عبد المطلب کے ہاتھ میں تھی، نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے چچا زبیر کے ساتھ شرکت فرمائی تھی۔ عمر مبارک اُس وقت پندرہ سال تھی اور بعض کے نزدیک بیس سال، مگر آپ نے کسی کو اپنے ہاتھ سے قتل نہیں کیا۔

چونکہ یہ جنگ ایسے مہینہ میں ہوئی جس میں قریش جنگ کرنا حرام سمجھتے تھے۔ نیز مکہ جیسے مقدس مقام کی ہتک کا باعث ہوئی اس لئے اس کا نام "حربِ فجار" رکھا۔ یعنی گناہ کی جنگ۔

قیامِ امن کی کمیٹی

قریش جب اس جنگ میں کامیاب ہو گئے تو حضرت کے چچا زبیر کی تحریک پر ایک کمیٹی کا قیام تجویز ہوا۔ جو مظلوموں کی امداد، بے امنی کا انسداد، مسافروں کی حفاظت کی ذمہ دار ہو، اس تجویز کو بنی ہاشم، بنی تیم، بنی اسد، بنی زہرہ، بنی مطلب نے باتفاق رائے منظور کیا اور اس کے ارکان نے حلف اور عہد کیا کہ وہ اس کو کامیاب بنائیں گے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس میں بیش از بیش حصہ لیا اور زمانۂ نبوت میں ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ اگر اس کے بدلہ مجھکو سرخ اونٹ بھی دیئے جاتے تو میں اس معاہدہ سے جدا نہ ہوتا اور آج بھی اس نام پر دعوت دیجائے تو پہلا شخص میں ہوں جو اس پر لبیک کہے گا۔

یہ مجلس مشاورت عبداللہ بن جدعان قریشی کے مکان پر منعقد ہوئی تھی اس معاہدہ کا نام حلف الفضول تھا، اور یہ نام اس لئے مشہور ہوا کہ بقول سہیلی اس معاہدہ کی عبارت میں ایک لفظ فضول[۱] مذکور تھا۔

دوسرا سفر

قُلْ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ (انعام)

کہدے زمین کی سیر کرو

پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک جب پچیس سال کی ہوئی تو آپ نے

---

[۱] روض الانف میں سہیلی نے جو روایت نقل کی ہے اس میں بیان کیا گیا ہے کہ معاہدہ کی عبارت میں ایک جملہ یہ تھا۔ تُرَدُّ الفضولُ علے اہلہا۔

دوبارہ شام کے سفر[1] کا قصد فرمایا۔ جس کا سبب یہ تھا کہ ابوطالب بوجہ کثیر العیال اور قلیل المال ہونے کے سخت پریشان تھے۔ ابوطالب کو معلوم ہوا کہ خدیجہ بنت خویلد کا ارادہ ہے کہ سامانِ تجارت دے کر اور منافع میں نصف کا شریک بنا کر کسی کو شام بھیجے، ابوطالب نے اس موقع کو غنیمت جانا اور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا، آپ نے اس کو بخوشی قبول فرمالیا۔ خدیجہ نے جو کہ عرب کے معزز خاندان کی تعلیم یافتہ خاتون تھیں، آپ کو اپنا مالِ تجارت حوالہ کیا۔ اور اپنے غلام میسرہ کو بھی ساتھ کر دیا، اس سفر میں بھی آپ کی ملاقات ایک راہب سے ہوئی جس کا نام نسطورا تھا اور اُس نے بھی بحیرا کی طرح آپ کے متعلق کچھ پیشگوئیاں کیں۔

آپ چند روز شام میں قیام فرمارہے۔ اور بیش از بیش نفع کے ساتھ مال کو فروخت کر کے مکہ واپس تشریف لائے۔

حضرت خدیجہؓ سے نکاح

فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَاءِ (نساء)

پس نکاح کرو عورتوں سے حسب پسند

جب آپ مکہ معظمہ واپس تشریف لائے اور خدیجہ کو اس کی امانت سپرد کر دی تو اس واقعہ کے دو ماہ بعد آپ نے حضرت خدیجہؓ سے نکاح کر لیا۔

---

[1] ۵۹۵ء

اس وقت پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک پچیس سال کی تھی، اور آپ کا یہ پہلا نکاح تھا۔ اور خدیجہ بنت خویلد کی عمر ۴۰ سال کی تھی، اور یہ بیوہ تھیں،

آپ کے اس نکاح میں خصوصیت سے تین باتوں کو دخل ہے (۱) آپ کی دیانت وامانت کا تجربہ، (۲) تجارتِ شام میں خدیجہ کو منافعِ کثیرہ کا ہونا، (۳) میسرہ کا خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کے سامنے راہب سے پیش آمدہ واقعات کا بیان اور آپ کے اخلاقِ کریمانہ کا تذکرہ، اور آپ کے حسنِ اخلاق کا تذکرہ۔

یمن کا سفر

بعض مورخین نے واقدی سے یہ روایت کی ہے کہ جب عمرِ مبارک سولہ سال کو پہنچی تو آپ نے تجارت کی غرض سے یمن کا سفر بھی کیا ہے یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ احادیث و سیر کی تمام روایات اس ذکر سے خالی ہیں۔ اور واقدی کی روایت دیگر صحیح روایات کی تصدیق کے بعد ناقابلِ اعتبار ہے۔

تجارت کی غرض سے آپ کے سفر صرف دو ہی ثابت ہیں اور دونوں ملک شام ہی سے متعلق ہیں۔

عجیب فیصلہ

فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ (نساء)

اگر کسی بات پر جھگڑ بیٹھو تو اس کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کرو

عمر مبارک کی پینتیس منزلیں ختم ہو چکی تھیں کہ قریش مکہ نے یہ ارادہ کیا کہ کعبہ کی عمارت کو از سر نو تعمیر کریں۔ ختم تعمیر پر اس باب میں جھگڑا ہوا

سلہ ۶۰۵ء ۵۲ کعبہ کی تعمیر سب سے پہلے حضرت ابراہیم و حضرت اسمٰعیل علیہما السلام نے کی تھی اُس کے بعد قبیلہ بنی جرہم نے اور اُس کے بعد عمالقہ نے اور اُس کے بعد قصی نے اور اُس کے بعد کعبہ کی دیواروں کے سیلاب کی وجہ سے پھٹ جانے اور خستہ ہو جانے سے قریش نے اس تعمیر کو از سر نو بنایا۔ یہ اسلام سے پہلے کے واقعات ہیں۔ بعد از اسلام حضرت عبداللہ بن زبیر (رضی اللہ عنہ) نے جو صدیق اکبر کے نواسا اور حضرت زبیر اور حضرت اسماء کے صاحبزادہ تھے اپنی خلافت کے زمانہ میں بناء ابراہیمی پر اس کو تعمیر کیا اس لئے کہ قریش نے سرمایہ کی کمی کی وجہ سے کعبہ کے طول میں سے وہ حصہ چھوڑ دیا تھا جو آج بھی حطیم کہلاتا ہے اور بناء ابراہیمی میں داخل تھا۔ جب حجاج بن یوسف نے بنی امیہ کی جانب سے حجاز پر چڑھائی کی اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو شہید کر ڈالا تو کعبہ کی عمارت کو شہید کر کے پھر قریش کی بنا کردہ حالت پر بنایا ۱۲

کہتے ہیں کہ ہارون خلیفہ عباسی نے امام مالک رحمہ اللہ سے اجازت چاہی کہ حجاج کی تعمیر کو منہدم کر کے حضرت عبداللہ بن زبیر کی بنیادوں پر جو دراصل بناء ابراہیمی کے مطابق تھی دوبارہ کعبہ کو تعمیر کر دے۔ امام مالکؒ نے ہارون کو یہ کہہ کر منع کر دیا کہ اب اسی حالت پر رہنے دو ورنہ تمہارے بعد کعبہ کی تعمیر بادشاہوں کی دستبرد کا مشغلہ بن جائے گی جو بہت مضرتوں کا باعث ہو گا۔ امام مالک رحمہ کے اس محدثانہ اور فقیہانہ جواب کی سند غالباً وہ حدیث ہے کہ حضرت عائشہؓ نے جب نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا کہ بناء ابراہیمی سے موجودہ تعمیر ناقص ہے اور دروازہ کی چوکھٹ بھی کلید برداروں نے دنیوی غرض کی بناء پر سطح زمین سے بلند کر دی ہے جو بناء ابراہیمی کے وقت نہ تھی۔ تو حضرت عائشہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ پھر آپ اس کو بناء ابراہیمی کے مطابق ہی کیوں نہیں کر دیتے۔

ارشاد فرمایا کہ عائشہؓ! اگر تیری قوم اسلام میں "حدیث العہد" نو مسلم نہیں ہوتی تو ضرور میں ایسا کرتا یعنی تیری قوم بوجہ نو مسلم ہونے کے یہ کہے گی کہ کعبہ کو خدا کا مقدس مقام بھی بتاتے ہیں اور خود ہی گراتے اور پھر بناتے ہیں ۱۲

سلہ ۶۰۵ء میں تعمیر ہوئی ۱۲

کہ حجرِ اسود کو کون شخص اس کی جگہ نصب کرے اور جھگڑے نے اتنا طول کھینچا کہ قتل وقتال کے قریب نوبت آ گئی، اس لئے کہ حجرِ اسود کو اس کی جگہ رکھنا اُن کے نزدیک ایسا شرف تھا کہ ایک شخص بھی اِس امتیاز کو دوسرے کے حوالے کرنے پر آمادہ نہ تھا، آخر میں یہ طے پایا کہ کل جو سب سے پہلے حرم میں داخل ہو وہی اس کا مستحق ہے کہ اس قضیہ کا فیصلہ کرے۔

حُسنِ اتفاق کہ صبح کو سب سے پہلے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم ہی حرم میں تشریف لائے اور فیصلہ کے مطابق حَکَمْ قرار پائے۔

آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس پتھر کو چادر میں رکھا جائے اور ہر ایک قبیلہ اپنا ایک نمایندہ منتخب کرے اور وہ سب نمایندے بیک وقت اس چادر کو اپنے ہاتھ سے اُٹھا کر اس جگہ تک پہنچائیں، جہاں حجرِ اسود نصب کیا جائے گا۔

سب نے اس پر عمل کیا اور جب چادر اس جگہ تک پہنچ گئی تو آپ نے دستِ مبارک سے اُٹھا کر اس کو اس کی جگہ رکھدیا اور اس طرح یہ سخت مشکل حل ہوگئی۔

یہی نہیں، بلکہ آپ کے اس قسم کے بے نظیر فیصلوں سے سخت سے سخت مشکلیں حل ہوجایا کرتی تھیں۔

قوم کی طرف سے صادق وامین کا لقب

ان حالات وواقعات سے متاثر ہوکر، اور آپ کی بے مثل دیانت وبے نظیر صفتِ امانت کو دیکھ کر آپ کی قوم آپ کو الصادق اور الامین کے

مبارک لقب سے پکارتی تھی۔ مگر متعصب عیسائی مورخین اپنی کور باطنی کا ثبوت دیئے بغیر نہیں رہے چنانچہ اس موقعہ پر "انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا" میں لکھا ہے کہ قریش آپ کو آپ کی والدہ ماجدہ کے نام "آمنہ" کی وجہ سے امین کہا کرتے تھے۔

کاش کہ مضمون نگار اس خلاف واقعہ الفاظ لکھنے سے پہلے مسٹر سید للوٹ ~~~~ کی تاریخ عرب اور سر ولیم میور کی کتاب "حیاتِ محمد" کو ہی دیکھ لیتا تو اس کو معلوم ہو جاتا کہ آپ کو امین کس لئے کہا جاتا تھا۔

مسٹر میور لکھتے ہیں کہ آپ کے شہر والوں نے آپ کے بزرگانہ اخلاق وکریمانہ زندگی کو دیکھ بالاتفاق "امین" کا لقب دیا۔

اور مسٹر سید لوٹ لکھتے ہیں کہ جب آپ کی عمر پچیس سال کو پہنچی تو آپ کی حسنِ سیرت اور استقامتِ عمل نے آپ کو "امین" کا لقب دلایا۔

اجمالی سیرت

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ (توبہ)

تمہارے پاس آیا ہے رسول تم ہی میں کا اُس پر شاق گذرتی ہے تمہاری تکلیف حریص ہے تمہاری بھلائی پر

بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝

ایمان والوں پر بے حد شفیق و مہربان ہے

گذشتہ صفحات میں جو سیرتِ نبوی صلے اللہ علیہ وسلم کا حال پڑھ آئے ہو اُس کا خلاصہ یوں سمجھو کہ آپ کا وجودِ مبارک دنیا کے لئے ایسا اعجاز ہے جسکی نظیر پیش کرنے سے اس سے قبل اور بعد کے اوراقِ تاریخ قطعاً خالی ہیں۔

آپ کی ہستی اخلاقِ کاملہ کا نمونہ، انسانیتِ کاملہ کا مرکز تھی۔ صدق و وفا اور امانتِ ذاتی کا یہ حال تھا کہ دشمنوں نے "محمد الامین" کا لقب دیا۔ ایک انسان کا تصور جس حد تک درسِ اخلاق میں پرواز کر سکتا ہے، تاریخ بتاتی ہے کہ آپ کے اخلاقِ عالیہ و کریمانہ خصائل کا پایہ اس سے بھی بلند تر رہا ہے۔

ادیان و مذاہب کے معجز نما انقلاب کی تاریخ اس سے بڑھ کر اور کیا ہو گی کہ اس کے دیئے ہوئے درسِ توحید نے مذاہبِ عالم کی دنیا پلٹ دی اور جن مذاہب نے توحید کا نام بھی نہ سنا تھا اُن کو بھی اسی عَلَمِ توحید کے نیچے پناہ لینی پڑی۔ اور اس کے بعد کوئی مذہب بھی "اسلامی توحید کی روشنی میں اپنے اصول کی ترمیم کئے بغیر" اپنی ہستی کو قائم نہ رکھ سکا۔

اس مقدس وجود کی بعثت سے قبل، مذاہبِ عالم کی تاریخ، اور بعثت کے بعد ان کے نئے دور کی تاریخ، کا اگر بغور مطالعہ کرو گے تو تم کو خود بخود سطورِ بالا کے حرف حرف کی تصدیق ہو جائے گی۔

اور یہ سب کچھ نہ کسی درس کا نتیجہ تھا کیونکہ آپ اُمّی تھے، اور نہ کسی قومی مصلح کی شاگردی کا ثمرہ، اس لئے کہ عرب کی اخلاقی جہالت کا اندازہ گذشتہ صفحات میں بخوبی ہو چکا ہے کہ ایک انسان بھی اُس وقت ایسا نہ تھا جو اس گلے کی معمولی نگہبانی بھی کر سکتا، بلکہ انسانی دنیا کی اس بے نظیر ہستی میں یہ تمام اوصافِ حمیدہ ازل سے ہی ودیعت تھے۔ اور آپ کی خلقت کی نہاد ہی ان پر قائم کی گئی تھی۔ وصلے اللہ علیہ و علےٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین

خلاصہ

عرب تین قسموں پر منقسم ہیں۔ بائدہ، عاربہ، مستعربہ، پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم مستعربہ میں سے ہیں۔ آپ عبداللہ بن عبدالمطلب کے بیٹے ہیں۔ اور آپ کے جدِّ اعلیٰ حضرت اسمٰعیل بن ابراہیم خلیل اللہ علیہما السلام ہیں۔ آپ کی والدہ آمنہ بنتِ وہب ہیں۔ اور کلاب بن مرہ میں آپ کے پدری و مادری دونوں نسب ملجاتے ہیں۔ ۹ ربیع الاول عام الفیل مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء کو آپ کی ولادتِ باسعادت ہوئی۔ عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کے درمیان پانچسو اکہتر سال کا زمانہ گذرا اور آپ کے اور آدم علیہ السلام کے درمیان تقریبًا سات ہزار سال گذرے۔ آپ کی تربیت بحالتِ یتیمی مکہ میں ہوئی اور آپ اُمّی تھے۔ چھٹے سال میں والدہ ماجدہ کے ساتھ اپنے والد ماجد کے ننھال، بنی نجار میں مدینہ طیبہ تشریف لے گئے۔ واپسی میں والدہ ماجدہ کا ابوا میں انتقال ہوگیا اور پھر مکہ واپس آکر اول اپنے دادا عبدالمطلب اور پھر ابوطالب کی تربیت میں رہے۔ اور اس زمانے میں پہلا سفر شام کا اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ کیا، دوسرا سفر بغرضِ تجارت کیا، جب عمرِ مبارک پندرہ سال کی تھی تو آپ نے قریش کی مشہور جنگ فجار میں شرکت فرمائی مگر کسی کو قتل نہیں کیا، مظلوموں کی دادرسی کے لئے قیامِ امن کی کمیٹی کے ارکان میں سے ایک رکن آپ بھی تھے۔ آپ کی قوم نے آپ کے صدق و امانت سے متاثر ہوکر الصادق، الامین کا آپ کو لقب دیا۔ آپ نے کبھی یمن کا سفر نہیں کیا۔ آپ کا پہلا نکاح خدیجہ بنت خویلد سے ہوا۔ حضرت

خدیجہ کی عمر چالیس سال اور آپ کی پچیس سال کی تھی، اور حضرت خدیجہ رضؓ بیوہ تھیں۔ حجر اسود آپ ہی نے اپنے دستِ مبارک سے کعبہ میں نصب فرمایا، آپ کی ہستی اخلاقِ حسنہ اور انسانیتِ کاملہ میں تمام عالمِ انسانی کے لئے ایک اعجاز ہے۔

سوالات

(۱) اقسامِ عرب بیان کرو؟

(۲) صاحبِ شریعت اسلامیہ کس قوم میں داخل ہیں؟

(۳) آپ کا پدری نسب بیان کرو۔ مادری نسب بیان کرو؟

(۴) ولادتِ باسعادت کی تاریخ بتاؤ؟

(۵) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے سے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک تخمیناً کتنی مدت گذری؟

(۶) حضرت آدم علیہ السلام اور پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کے درمیان تقریباً کتنی مدت گذری؟

(۷) آپ کی تربیت کیسے ہوئی؟ اور کب ہوئی؟

(۸) دوسری مرتبہ آپ نے شام کا سفر کس لئے کیا؟

(۹) فجار کسے کہتے ہیں؟

(۱۰) قریش میں کمیٹی کے قیام کا مقصد کیا ہے؟

(۱۱) آپ کی قوم نے آپکو کیا لقب دیا؟

(۱۲) حجرِ اسود کعبہ میں کس نے نصب کیا؟

(۴)

بعثتِ نبوی

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (سبا)

اور ہم نے تو آپ کو تمام لوگوں کے واسطے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے خوشخبری سنانے اور ڈرانے والے لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے

بعثت سے پہلے عرب کے خاص واقعات

عرب میں اگرچہ عموماً بت پرستی مذہب کا خاص شعار سمجھا جاتا تھا، اور ان کے دین کی بنیاد اسی پر قائم تھی، لیکن اس کے باوجود بعض خدا کے بندے وہ بھی تھے جو جاہلیت کی رسوم کو بُرا سمجھتے تھے، اور بت پرستی سے نفرت کرتے تھے اور اپنی عقل و دانش سے خدا پرستی میں مشغول تھے۔ اُن میں سے چند نام یہ ہیں۔

قس بن ساعدۃ الایادی، یہ شخص عرب میں دانا اور مشہور خطیب مانا جاتا تھا، قبل بعثت، یعنی پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کے خلعتِ نبوت و رسالت کی سرفرازی سے پہلے ان کا انتقال ہو گیا۔

زید بن عمرو بن نفیل، حضرت عمر بن خطّاب رضی اللہ عنہ کے چچازاد بھائی تھے، بعثت سے قبل نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور یہ ایک مجلس میں جمع ہوئے ہیں اور قبل بعثت ہی ان کا دمشق میں انتقال ہو گیا۔

ورقہ بن نوفل، حضرت خدیجہ بنت خویلد کے چچا تھے۔ زمانۂ بعثت پایا ہے اور آپ کو خدا کے پیغمبر ہونے کی بشارت دی ہے۔ نصرانی مذہب رکھتے تھے، لیکن دعوتِ اسلام سے قبل ہی انتقال ہو گیا۔

ان کے برعکس عمرو بن لحی جیسے اشخاص بھی تھے، جن کی بدولت بت پرستی نے فروغ پایا، اور حرام کو حلال اور حلال کو حرام بنانے اور خدائی مذاہب کی تخریب میں اُن کو یدِطولیٰ حاصل تھا، اور یہی جماعت عرب میں برسرِاقتدار تھی،

بعض وہ بھی تھے جو نہ نصرانی تھے نہ یہودی، نہ مشرک تھے نہ مجوسی، بلکہ بغیر کسی خاص مذہب کی پابندی کے اپنی فطرت ہی پر قائم تھے اصحابِ تاریخ پہلی جماعت کو متنوّرین، دوسری کو ثنینیہ اور تیسری کو فطریین کہتے ہیں۔

قبل بعثت آپ کی حالت

بعثت سے پہلے آپ فطرتاً خلوت پسند تھے، اکثر غور و فکر میں مشغول اور عالمِ موجودات کی اصل حقیقت، اور اس کے انقلابات و تغیرات کے سوچ و بچار میں بہت زیادہ مستغرق رہتے۔ اکثر راتیں غارِ حرا[1] میں گذر جاتیں جہاں بیٹھ کر آپ فطرت کے مطابق یادِ الٰہی میں مشغول رہتے اور علائقِ دنیا سے یکسر بے پروا ہوکر شبانہ روز وہیں زندگی گذارتے۔ اور ہمہ وقت اسی فکرِ عالی میں بسر کرتے کہ عالمِ انسانی کو ان برائیوں اور اعتقادی و عملی تباہ کاریوں سے کیونکر نجات حاصل ہو۔ آپ کے اس فکر و مراقبہ میں روز بروز اضافہ ہوتا جاتا تھا، اور بعثت سے قریب زمانہ میں تو تمام زندگی کا حاصل یہی ایک مشغلہ رہگیا تھا، اور بس۔

بعثت

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ

وہی ہے جس نے اُٹھایا ایک رسول اَن پڑھوں میں انہیں میں کا جو پڑھ کر سناتا ہے انکو اسکی آیتیں اور

---

[1] یہ غار مکہ معظمہ سے تین میل کی مسافت پر ہے۔

يُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ٥ (جمعہ)

اُن کو سنوارتا ہے اور سکھلاتا ہے اُن کو کتاب اور عقلمندی اور اس سے پہلے وہ صریح بھول میں پڑے ہوئے تھے

خدائی قانون کا ہمیشہ سے یہ عمل رہا ہے کہ کسی نبی یا پیغمبر کو چالیس سال سے قبل نبوت ورسالت کا شرف عطا نہیں ہوتا، اور عقل بھی اسی کی طرف رہنمائی کرتی ہے اس لئے کہ انسان کے طبعی قوی میں اس سے قبل صحیح اعتدال پیدا نہیں ہوتا۔ قوائے طبعی و فکری جب اس مدت کو پہنچ جاتے ہیں تو ان میں ایک ایسا اعتدال پیدا ہو جاتا ہے جس سے انسان افراط و تفریط کی راہ چھوڑ کر سلامت روی پر قائم ہو جاتا ہے۔ پس سُنّتُ اللہ پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وسلم کے حق میں بھی قائم رہی۔ اور جب عمرِ مبارک چالیس سال کو پہنچی تو آپ خلعتِ رسالت و نبوت سے مشرف کئے گئے۔ اول اول سچے خواب نظر آیا کئے اور پھر سعادتِ کبریٰ کا وہ دن آپہنچا جبکہ غارِ حرا میں روح الامین جبرئیل علیہ السلام خدائے قدوس کا پیغام وحی لیکر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور "اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ٥"[1] پڑھ کر اس کلامِ الٰہی کو پیش کیا جس نے آن کی آن میں ایک اُمّی انسان کو معلّمِ کامل بنا دیا۔

اربابِ سیر دنیا کے اس معجزانہ واقعہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جب عمرِ مبارک چالیس سال چھ ماہ اور آٹھ یوم کو پہونچی تو ۱۷، رمضان، مطابق ۶، اگست سنہ ۶۱۰ء دوشنبہ کے روز جبرئیل امیں خدمتِ اقدس میں خدا کا پہلا پیغام لیکر اس وقت پہونچے جبکہ آپ حرا میں خدائے واحد کی یاد میں مشغول تھے۔

---

[1] پڑھ اپنے اس رب کے نام کی مدد سے جس نے پیدا کیا۔

دعوتِ اسلام

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ ﴿نحل﴾

(اے محمد) بُلا اپنے رب کی راہ پر پکی باتیں سمجھا کر اور نصیحت کی باتیں سنا کر بھلی طرح اور الزام دے اُن کو جس طرح بہتر ہو

اب بذریعۂ وحی خدائے واحد کا حکم ہوا کہ آپ اقوامِ عرب کو خصوصاً اور اقوامِ عالم کو عموماً اس دینِ حنیف، دینِ فطرت (فِطْرَۃَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْھَا) کی طرف دعوت دیجئے جس کا نام دین اسلامی ہے۔ اور جس کو قرآن عزیز میں اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ کہہ کر خدائے برتر نے قبولیت کا شرف عطا فرمایا ہے۔ یہی دین دو دنیا کی سعادت کا بہترین کفیل ہے اور اخلاقِ حسنہ اور سعادتِ انسانی کا ذمّہ دار۔

آپ نے اس فرمانِ الٰہی کی تعمیل کی اور اوّل خاموش، اور پھر علی الاعلان، اقوامِ عرب و اقوامِ عالم کو خدا کا آخری پیغام سنایا اور مقدس اسلام کی طرف دعوت دی۔

سب سے پہلا مسلمان

وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ اُولٰٓئِکَ الْمُقَرَّبُوْنَ (واقعہ)

سبقت کرنے والے تو آگے ہیں وہ لوگ مقرب ہیں

آپ کی دعوتِ حق پر مردوں میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر بن قحافہ رضی اللہ عنہ اور عورتوں میں حضرت خدیجہؓ بنت خویلد اور بچّوں میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور آزاد شدہ غلاموں میں حضرت زید ابن حارثہ مشرف باسلام ہوئے اس کے بعد تدریجاً تمام قبائل میں اسلام

پھیلنا شروع ہوا۔

ایذار

وَاِذَا رَاٰوْكَ اِنْ یَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا، اَهٰذَا الَّذِیْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا۔ (فرقان)

اور جہاں تجھ کو دیکھیں، کچھ کام نہیں اُن کو تجھ سے مگر ٹھٹھے کرنے، کیا یہی ہے جس کو اللہ نے پیغام دیکر بھیجا ہے؟

پیغامِ حق دشوار گذار راہ ہے جس پر ثابت قدمی بجز توفیقِ الٰہی کے ممکن نہیں ہر ایک مصلح کو اصلاح کی پہلی منزل میں انہی مشکلات کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے پھر انبیاء ورسل یعنی خدا کے ایلچی اور پیغامبروں کی شان تو اس معاملہ میں بھی ایسی ممتاز رہی ہے جو ایک تاریخ بیں اور حقیقت شناس نظر میں قومی ریفارمروں، اور مصلحین سے بالکل الگ معلوم ہوتی ہے۔

آخر انبیاء ومرسلین کی اس سنّت سے خدا کا آخری پیغمبر بھی محفوظ نہ رہ سکا اور اُس کو اس راہ میں سخت سے سخت مصائب ومشکلات کا مقابلہ کرنا پڑا لیکن بانیٔ عزیمت ورحمتِ عالمیاں وہ معجز نما ہستی تھی کہ عظیم الشان امتحانات وشدائد اس کو ایک اِنچ بھی جادۂ استقامت سے نہ ہٹا سکے، اور آخر کار ایک دن تمام عالمِ انسانی کو اُس کی آوازِ حق کے سامنے سرنگوں ہونا پڑا۔

غرض دعوتِ حق کے دشمنوں نے، خصوصًا ابولہب وابوجہل کی جماعت نے ایذار وتکلیف کی کوئی صورت ایسی نہ چھوڑی جس کی مشق اس ذاتِ قدسی صفات پر نہ کرلی ہو۔ پتھروں سے مارنا، پشتِ مبارک پر حالتِ سجدہ میں اونٹ کی اوجھ رکھدینا، پلیدی ڈالنا، گالیاں دینا، مجنوں وپاگل بتانا، مذاق اُڑانا، اور پھبتیاں کسنا، یہ اور اس قسم کی تمام تکالیف کا ایک تانتا تھا

جس کا سلسلہ برابر جاری تھا، حتیٰ کہ دار الندوہ (دار المشورہ) میں بیٹھ کر قتل کے لئے تجاویز سوچی گئیں اور ابو جہل نے اپنے نزدیک بہتر سے بہتر تجویز یہ بتائی کہ تمام قبائل میں سے ایک ایک نوجوان چُنا جائے اور وہ سب بیک وقت آپ پر اُس وقت حملہ کریں جبکہ آپ حجرۂ مبارک سے باہر تشریف لائیں، تاکہ بنی ہاشم تمام قبائل سے اپنے عزیز کا بدلہ نہ لے سکیں اور معاملہ ادائے تاوان پر ختم ہو جائے لیکن ان تمام اسباب میں سے ایک سبب بھی حق کے اعلان کو نہ روک سکا اور خدا کے کلام معجز نظام، کا یہ فیصلہ جَاءَ الْحَقُّ[1] وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا پورا ہو کر رہا۔

ہجرتِ اوّل

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا

اور جنھوں نے گھر چھوڑا اللہ کے واسطے بعد اس کے کہ ظلم اُٹھایا البتہ ہم ان کو دنیا میں

حَسَنَةً وَّلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝ (نحل)

اچھا ٹھکانا دیں گے اور ثواب آخرۃ کا تو بہت بڑا ہے اگر ان کو معلوم ہوتا

خدائے برتر کے اس پیغامبر کے ساتھ جو کچھ محض اس قصور پر کیا جا رہا تھا "کہ وہ کیوں خدائے برحق کی طرف دنیا کو دعوت دیتا، اور راہ مستقیم پر پر چلنے کے لئے پکارتا ہے۔" وہ سب تو اسی طرح جاری تھا، لیکن ان دشمنانِ خدا سے آپ کے اصحاب و پیروانِ اسلام بھی نہ بچ سکے اور حتیٰ المقدور ہر قسم کی تکلیف سے اُن کو پریشان کیا گیا۔ اور سخت سے سخت مظالم سے

---

[1] حق آپہونچا اور باطل فنا ہوا بیشک باطل فنا ہونے کے ہی لئے ہے۔"

بھی دریغ نہ کیا گیا۔

مسطورۂ ذیل چند عبرت زا واقعات سے اندازہ لگا سکتے ہو کہ حرف خدائے واحد پر ایمان لانے کی بدولت فداکارانِ اسلام کو کیسی سختیاں جھیلنی پڑیں۔

بلال بن رباحِ حبشی۔ امیّہ بن خلف مشہور دشمنِ اسلام کے غلام تھے، شمع اسلام کے پروانہ بنجانے پر ان کا آقا گرمیوں کے سخت موسم میں دوپہر کے وقت تپتے ہوئے ریت پر کبھی سیدھا لٹاتا اور کبھی اُلٹا۔ اور گرم پتھر سینہ پر رکھ کر کہتا کہ اس طرح تڑپ تڑپ کر مرجائے گا ورنہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے دین کو چھوڑ دے اور لات وعزیٰ کی عبادت کر، مگر فدائے توحید کی زبان پر صرف ایک ہی کلمہ تھا۔ احد۔ احد۔

حضرت ابوبکرؓ نے یہ دیکھ کر اُمیّہ کو اس کی ظالمانہ حرکت پر ملامت کی تو اس نے جواب دیا کہ اسے تم نے ہی خراب کیا ہے۔ ایک دن آپ نے اُس سے معاملہ کرکے حضرت بلالؓ کو آزاد کرالیا۔

صہیب بن سنانِ رومی۔ غلام نہ تھے۔ اور نہ روم کے باشندہ تھے جنگِ روم و ایران میں ایرانیوں کی شکست کے بعد رومیوں کے ہاتھ میں قید ہوگئے تھے اور زبردستی غلام بنا کر ایک عربی کے ہاتھ بیچ دیئے گئے۔ اسلام کی خاطر آقا کی جانب سے سخت سے سخت ایذا و عذاب میں مبتلا رہے۔ اور ہجرتِ مدینہ کے وقت اپنا کل سامان مشرکین کی نذر کرکے نقدِ جان سے مدینہ پہنچے۔

عمّار بن یاسر، یہ اور اُن کے والد یاسر اور والدہ سُمیّہ تینوں قدیم الاسلام

ہیں۔ اور اسلام کی خاطر اپنے حلیف قبیلہ بنی مخزوم کے ہاتھوں حضرت بلالؓ کی طرح گرمی کے دوپہر میں سخت سے سخت عذاب میں مبتلا رہتے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم جب اُن کو اس حال میں دیکھتے تو صبر کی تلقین فرماتے اور جنت کی بشارت سنا کر مصیبت زدہ دلوں میں تسکین پیدا فرماتے۔

آخرِ کار حضرت یاسر کا تو اُسی بے رحمانہ عذاب میں انتقال ہوگیا۔ اور حضرت سُمَیّہ نے ابوجہل کو اس غم میں کوئی سخت جملہ کہدیا اس پر اُس شقی نے اُن کے جگر میں نیزہ پیوست کر دیا۔ اور وہ جاں بحق تسلیم ہوگئیں۔ اسلام میں یہ پہلی شہید ہیں۔ اور حضرت عمار نے بمشکل تمام اس عذاب سے نجات حاصل کی۔

عامر بن فہیرہ یہ حضرت عائشہؓ کے سوتیلے بھائی ام رومان کے بیٹے طفیل بن عبداللہ کے غلام اور قدیم الاسلام مسلمان تھے۔ آقا کے ہاتھوں پٹتے۔ رسّی کا پھندا گلے میں ڈال کر گھسیٹے جاتے۔ تپتے ریت میں لٹائے جاتے، مگر محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے دین سے منہ نہ موڑتے۔ صدیقِ اکبر نے خرید کر عذاب سے نجات دلائی۔

ان حالات کو دیکھ کر بحکمِ خدا پیغمبرِ اسلام نے اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ وہ حبشہ[۱] ہجرت کر جائیں، حبشہ کا بادشاہ جس کا لقب نجاشی تھا۔ عیسائی مذہب رکھتا تھا اور توریت وانجیل کے صحیح علم سے واقف تھا۔ آپ کو اُس سے پوری توقع تھی کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آئے گا۔

---

[۱] یہ ہجرت رجب ۵؁ نبوۃ مطابق ۶۱۵ء میں ہوئی۔

اسلام میں یہ سب سے پہلی ہجرت ہے جو محض خدا کا نام بلند کرنے اور حق کی دعوت دینے پر اس لئے کیجاتی ہے کہ ان بندگانِ خدا کو خود اپنی کی قوم اور برادری، اپنے ہی وطن میں چین سے نہیں بیٹھنے دیتی اور ان کی آبرو، جان، اور مال سب خطرہ میں ہے۔

اس مقدس قافلے میں پندرہ آدمی ہیں جن میں دس یا گیارہ مرد اور پانچ عورتیں شامل ہیں۔ جن کے اسمار گرامی یہ ہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ۔ ابوحذیفہ عتبہ رضی اللہ عنہ حضرت سہلہ رضی اللہ عنہا زوجہ ابوحذیفہ۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا زوجہ حضرت عثمان بنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم۔ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ۔ حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ۔ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ۔ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا۔ حضرت ابوسبرہ بن ابی وہم رضی اللہ عنہ۔ حضرت ام کلثوم رض زوجہ ابوسبرہ۔ حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ۔ حضرت لیلیٰ زوجہ حضرت عامر رضی اللہ عنہ۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ۔ حضرت سہل بن البیضا۔ حضرت عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ یہ قافلہ تین مہینے حبشہ میں قیام پذیر رہا ہے۔ اور اس کے بعد اپنی قلت اور دور دراز بے وطنی اور سب سے زیادہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف صحبت کی محرومی کی وجہ سے مکہ معظمہ واپس آگیا۔

لیکن جیسا کہ آئندہ تفصیل آئے گی۔ قریش کی ایذار و عذاب دہی میں

لہ حسنِ اتفاق سے جب قافلہ جدہ پہنچا تو حبشہ کو جانیوالی کشتیاں تیار تھیں مہاجرین نے فوراً کرایہ طے کر لنگر اٹھا دیئے اور بخیریت حبشہ جا پہونچے ۱۲

بیش از بیش اضافہ ہی ہوتا رہا تو سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم دو بارہ حبشہ ہی کو ہجرت کرنے کا حکم فرمایا اور اب کی مرتبہ دشمنوں سے سخت مشکلات کے بعد آہستہ آہستہ ہجرت کی نوبت آئی۔ اب کی مرتبہ یہ تعداد تقریبًا سو فرا تک پہونچ گئی اس مرتبہ مہاجرین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

دورانِ قیام میں مشرکین کے ایک وفد نے ان کو یہاں سے خارج البلد کرانے کے لئے حاکم حبشہ کے پاس شکایت بھی کی ہے۔ جس کی مدافعت کے لئے حضرت جعفرؓ دربار میں بلائے جاتے ہیں اور نجاشی کے سوال پر وہ اسلام کی اصل حقیقت پر تقریر فرماتے ہیں۔ نجاشی متاثر ہوتا ہے۔ اور مشرکین کا وفد ناکام واپس آجاتا ہے۔

اس کے بعد نجاشی حضرت جعفرؓ کے ہاتھ پر اسلام قبول کرلیتا ہے

دینِ اسلامی کی حقیقت

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ ط (آل عمران)

بلاشبہ دین اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف اسلام ہی

واقعۂ بالا میں مشرکینِ عرب کے جس وفد کا تذکرہ کیا گیا ہے اس سے چونکہ اسلام کی حقیقت، اجمالی طور سے سامنے آجاتی ہے۔ اس لئے یہاں اس کی تفصیل زیادہ مناسب ہے۔

جب مسلمانوں کی ایک جماعت حبشہ ہجرت کر کے چلی گئی تو قریش نے عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ابی اُمیّہ کو بھیجا کہ وہ نجاشی والیٔ حبشہ کے

پاس جائیں اور مہاجرین کے متعلق مطالبہ کریں کہ اُن کو ہمارے سپرد کر دیا جائے۔ اور نجاشی سے ملاقات سے پہلے درباری علماء و امراء کو مناسب رشوتیں دے کر اس بات پر آمادہ کر لیا جائے کہ وہ سر دربار وفد کی تائید کریں۔ اور نجاشی سے کہیں کہ یہ چند نادان و ناتجربہ کار افراد ہیں جنہوں نے اپنے بزرگوں کی منشار کے خلاف ایک نئے پیدا شدہ دین کو اختیار کر لیا ہے بہتر ہے کہ ان کو وفد کے حوالہ کر دیا جائے۔

نجاشی کے پاس حاضر ہو کر جب وفد نے اپنا مطالبہ پیش کیا، اور درباریوں نے پوری تائید کی تو نجاشی نے جواب دیا کہ یہ عقل و انصاف کے خلاف ہے کہ بغیر دوسرے فریق سے گفتگو کئے ہوئے محض تمہارے دعوے پر اُن کو تمہارے حوالے کر دیا جائے۔ میں اُن کو بُلا کر دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ تم اُن کے جس مذہب سے ناراض ہو اور اُن کو باغی سمجھتے ہو اس کی حقیقت کیا ہے۔

نجاشی کے حکم سے مہاجرین کو دربار میں بلایا گیا اور جعفر بن ابی طالبؓ سے جو کہ اس جماعت کے سردار تھے نجاشی نے پوچھا کہ جس پیغمبر پر تم ایمان لائے ہو اور اس کے دین پر اپنے وطن کو چھوڑ کر یہاں آئے ہو۔ اس دین کی حقیقت کیا ہے؟

حضرت جعفرؓ کھڑے ہوئے اور حقیقتِ اسلام پر اس طرح تقریر شروع کی

"بادشاہ ہم پر ایک طویل تاریک زمانہ گذرا ہے اس وقت ہماری جہالت کا یہ عالم تھا کہ ایک خدا کو چھوڑ کر بتوں کی پرستش کرتے تھے، اور خود ساختہ

پتھروں کی پوجا ہمارا شعار تھا، مُردار خواری، زناکاری، لوٹ مار، قطع رحمی صبح و شام کا ہمارا مشغلہ، پڑوسیوں کے حقوق سے ہم ناواقف، رحم اور انصاف سے ہم بے پرواہ، غرض ہماری زندگی درندوں کی زندگی تھی کہ قوی ضعیف کو مسلنے اور کھا لینے کو اپنے لئے فخر، اور طغرائے امتیاز سمجھتا تھا۔ خدا کی رحمت کا کرشمہ دیکھئے کہ اُس نے ہمارے پاس ایک پیغمبر بھیجا، جس کے نسب سے ہم واقف، جس کی صداقت، امانت و عصمت پر دوست و دشمن دونوں گواہ، ہماری قوم نے متفق ہوکر جس کو "محمد الامین" کا لقب دیا۔ وہ آیا اور اس نے ہم کو خدا کی توحید کی دعوت دی، اُس نے ہم کو بتایا کہ خدا کا کوئی شریک نہیں۔ وہ شرک سے پاک ہے۔ بت پرستی جہالت کا شیوہ ہے۔ اس کو ترک کر دو اور صرف ایک خدا کی عبادت کرو، اُس نے ہم کو حق گوئی اور صداقت شعاری کا حکم فرمایا، صلہ رحمی کو ضروری بتایا، پڑوسیوں اور کمزوروں کے ساتھ سلوک سکھایا، قتل و غارت کا خاتمہ کیا۔ زناکاری کو حرام کہہ کر اس ننگِ انسانی سے ہم کو چھڑایا۔ نکاح میں محارم اور غیر محارم کا فرق بتایا، جھوٹ بولنے، مالِ یتیم کھانے سے سختی سے منع فرمایا، نماز، روزہ زکوٰۃ اور حج کی تعلیم دی، غرض ہم کو حیوانیت سے نکال کر انسانیتِ کبریٰ کے مرتبہ پر پہنچایا، اے بادشاہ! ہم نے اس کی تعلیم کو قبول کیا اور اس پر ایمان لائے۔ یہ ہے ہمارا وہ قصور جس کی بدولت یہ مشرکین کا وفد تجھ سے مطالبہ کرتا ہے کہ تو ہم کو ان کے حوالے کر دے"۔

نجاشی نے جعفر بن ابی طالب کی تقریر کو خوب غور سے سُنا اور تقریر ختم ہو جانے کے بعد مشرکین کے وفد سے صاف انکار کر دیا کہ ایسی مقدس جماعت کو تمہارے حوالے ہرگز نہیں کیا جا سکتا۔ اور خود بھی حضرت جعفرؓ کے دستِ مبارک پر اسلام قبول کر لیا۔

ہجرتِ ثانی اور قریش کا معاہدۂ مقاطعہ

مہاجرین جب حبشہ کی پہلی ہجرت سے (جس کا ذکر صفحاتِ گذشتہ میں ہو چکا) واپس مکہ آئے تو کچھ وقفہ کے بعد حضرت حمزہ جو پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچا تھے۔ اور عمر بن الخطابؓ دونوں یکے بعد دیگرے مشرف باسلام ہو گئے۔

یہ دونوں بزرگ اپنے خاندان برادری میں نہایت پُرہیبت اور صاحبِ دبدبہ مانے جاتے تھے۔ عمر بن الخطابؓ کے قبول اسلام کے لئے بارہا پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے خدا سے دعائیں کی تھیں اور بالآخر اس سچے پیغمبرؐ کی دعا قبول ہوئی اور عمرؓ بھی جو کہ زمانۂ جاہلیت میں اسلام کے سخت دشمن سمجھے جاتے تھے خُدّامِ اسلام میں داخل ہو گئے۔

اِن دونوں بزرگوں کے قبولِ اسلام سے مسلمانوں کو بیحد خوشی ہوئی اور اب ارکانِ اسلام کی اشاعت علی الاعلان حرم میں ہونے لگی۔ اس سے پہلے ارقم بن ابوالارقم کے مکان میں ہی نمازیں ہوتیں اور وہیں تعلیم اسلام دیجاتی تھی اور اس وقت تک مسلمانوں کی تعداد چالیس مرد اور گیارہ

لہ سوال ہشتم ۵ نبوت مطابق ۶۱۵ء

عورتوں سے زائد نہ تھی، خفیہ دعوت کا یہ طریقہ تقریباً چار سال تک جاری رہا۔

اب قریش نے جنگ و پیکار سے اس اعلان کو روکنے کی بہت کوشش کی لیکن عمر بن الخطابؓ اور حمزہؓ بن عبد المطلب کے دبدبہ نے سب کو بدحواس کر دیا، اور قریش اور دیگر قبائل میں بھی اسلام کا چرچا ہونے لگا اور وہ بھی رفتہ رفتہ حلقہ بگوشانِ اسلام میں شامل ہونے لگے۔

یہ دیکھ کر قریش سے نہ رہا گیا اور اُنھوں نے مشورہ کے بعد بنی ہاشم کو چیلنج کیا کہ وہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کو ہمارے سپرد کر دیں تاکہ ہم ان کو قتل کر کے آتشِ حسد کو بجھائیں اور یا تمام قریش آج سے تمہارا بائیکاٹ کرتے ہیں۔

بنی ہاشم نے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو حوالہ کرنے سے انکار کر دیا۔ اور ابو طالب بنی ہاشم کو لیکر ایک گھاٹی میں چلے گئے اور قریش نے ایک معاہدہ مرتب کر کے جس میں بنی ہاشم کے مقاطعہ (سوشل بائیکاٹ) کا فیصلہ تحریر تھا اور تمام سردارانِ قریش کے اُس پر دستخط تھے، کعبہ کی چھت پر لٹکا دیا۔ اُس وقت سے بنی ہاشم تنہا، پہاڑ کی ایک گھاٹی میں رہنے لگے اور کھانے پینے کی تمام مشکلات کو صبر سے برداشت کرتے رہے۔

قطع تعلق کا یہ معاہدہ نبوت و بعثت کی تاریخ سے ساتویں[1] سال میں پیش آیا۔ اس وقت آپ نے صحابہ کو یہ رائے دی کہ وہ بارہ حبشہ کی طرف

---

[1] ۔ مطابق ۶۱۷ء

ہجرت کر جائیں۔ اس مرتبہ مہاجرین کی تعداد تراسیؔ مرد اور اٹھارہؔ عورتوں کی شامل تھی۔ انہی کے ساتھ یمن کے مسلمان بھی مل گئے جن میں حضرت ابو موسی اشعری اور اُن کی قوم کے آدمی تھے۔

عہد نامہ کا خاتمہ

بنی ہاشم اور پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے تین سال سے زائد اسی حالت میں گذارے کہ ایک گھاٹی میں قیام ہے اور قوت لایموت کا پہنچنا بھی سخت مشکل ہے کبھی خفیہ طور پر بمشکل تھوڑا بہت حاصل ہو جاتا ہے تو خدا کا شکر ادا کر کے اُس کو کھا لیتے، ورنہ تو اکثر درختوں کے پتوں ہی پہ گذر ہوتی ہے، آخر نبوت کے دسویں سال خود قریش ہی کے بعض عمائد اپنی اس حرکت پر نادم ہوئے اور ہشام بن عمرو بن الحارث العامری، زہیر بن ابی امیہ، مطعم بن عدی، ابو البختری، زمعہ بن اسود اسدی نے اس کا بیڑا اُٹھایا کہ اس معاہدہ کو توڑ دینا چاہیئے۔ ہم اس ظلم کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے۔

صبح کو جب زبیر طوافِ کعبہ کے لئے آیا تو مجمع سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ اے لوگو! یہ کس قدر ظلم ہے کہ ہم فراغت سے کھائیں اور پئیں اور بنی ہاشم ایک گھاٹی میں پڑے ہوئے بھوکے مریں، نہ خرید و فروخت کر سکیں اور نہ روزی کی فکر کر سکیں۔ خدا کی قسم میں اس ترکِ تعلقات کے معاہدہ کو چاک کئے بغیر نہ رہوں گا۔

ابو جہل مجمع سے سامنے نکل کر آیا اور زہیر کو سخت سست کہا۔ اس کے

زمعہ نے کہا کہ خدا کی قسم اے ابوجہل تجھ سے زیادہ کاذب کوئی نہیں ہیں معاہدہ کی تحریر کے وقت بھی اُسے پسند نہ کرتا تھا۔ فوراً ابوالبختری اور مطعم بن عدی نے بھی زہیر کی تائید کی اور مطعم بن عدی نے اُسی وقت معاہدہ کو کعبہ سے اُتار کر چاک کر دیا،

یہ واقعہ ابھی ظاہر بھی ہونے نہ پایا تھا کہ خدا کے سچے پیغمبر نے اپنے چچا ابوطالب کو ہونے والے تمام واقعات کی پہلے ہی سے خبر دیدی تھی۔

بالآخر اِس واقعہ کے بعد داعیٔ حق اور اُس کے خاندان کے تمام اشخاص گھاٹی سے نکل کر پھر مکہ معظمہ واپس آگئے۔ اور اِس طرح اس مصیبت کا بھی خاتمہ ہوگیا۔

وفاتِ ابوطالب اور ہجرتِ طائف[1]

گذشتہ اوراق میں معلوم ہو چکا ہے کہ ابوطالب نے جب سے آپ کی حمایت کا بیڑا اُٹھایا تھا اُس وقت سے ایک لمحہ کے لئے بھی کسی وقت اپنے عہد کو نہ توڑا، اور اگرچہ قوم کے عار دلانے کے خیال سے اسلام قبول نہ کیا مگر وفات تک آپ کی حمایت میں جان توڑ کوشش کرتا رہا۔ ابھی بعثت کا دسواں ہی سال تھا کہ اول حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا اور ایک ماہ بعد ابوطالب دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اب اہلِ مکہ کے لئے

---

[1] اواخر جنوری و اوائل فروری ۶۲۰ء ۱۰ھ سیرت کی کتابوں میں خواجہ ابوطالب اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کی تاریخوں میں اختلاف ہے بعض کا خیال ہے کہ پہلے ابوطالب کا اور پھر تین روز کے بعد حضرت خدیجہ کا انتقال ہوا کسی نے اس مدت کو ایک ماہ تک پہنچایا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ پہلے حضرت خدیجہ کا انتقال ہوا اور ایک ماہ بعد خواجہ ابوطالب کا۔

میدان صاف تھا۔ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کو دل کھول کر ایذائیں پہونچانی شروع کیں اور پریشان کرنے میں کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑا۔

آخر آپ نے ارادہ کیا کہ طائف[1] میں تشریف لے جائیں اور اہلِ طائف کو حق کا پیغام سنائیں۔ اور اگر خدا کا آخری پیغام اہلِ طائف قبول کرلیں تو اہلِ مکہ پر بھی اس کا اثر ضرور پڑے گا۔ یہ ارادہ فرما کر خدا کے بھروسے پر طائف روانہ ہوگئے۔ وہاں ایک ماہ قیام فرمایا، اور وہاں کے قبائل کو اسلام کی دعوت دی، خصوصاً "بنی ثقیف" کو جو کہ طائف کے اشراف میں شمار ہوتے تھے اس طرف توجہ دلائی، لیکن ابھی وقت نہیں آیا تھا کہ خدا کے اس سچّے پیغام کی شیرینی ان کے حلق میں اُترے۔ اُنھوں نے اہلِ مکہ سے زیادہ ایذا دہی پر کمر باندھ لی، اور سنگساری کی غیر معمولی تکلیف سے آپ کی ایڑیاں تک پھٹ گئیں اور اُن سے خون جاری ہوگیا۔ ایک ماہ کے قیام کے بعد آپ پھر مکہ معظمہ واپس تشریف لے آئے اور مطعم بن عدی کے پڑوس میں قیام فرمایا

مشاہیرِ قریش اور پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم

طائف سے واپسی پر قریش کے حوصلے اَور بڑھ گئے۔ اور ان کے عمائد و مشاہیر نے تہیّہ کرلیا کہ اب کی مرتبہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کا خاتمہ ہی کر دینا چاہیئے اور معاملہ صرف تجاویز ہی تک محدود نہ رہا بلکہ ابولہب بن

---

[1] مکہ معظمہ سے تقریباً ۶۵ میل شرقاً جنوباً حجاز کا مشہور مقام ہے جو سرزمین حجاز میں سرسبز و شاداب پہاڑیوں پر واقع ہے اور ہندوستان کے شملہ و منصوری و دارجلنگ کی حیثیت رکھتا ہے۔ گرمیوں میں امراء و اعیانِ حکومت کا قیام گاہ ہے۔

عبدالعزےٰ بن عبدالمطلب پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کا چچا، ابوجہل عمرو بن ہشام عاصی بن ہشام، ولید بن عتبہ، ابوالبختری بن ہشام، عتبہ بن ربیعہ، اور شیبہ بن ربیعہ نے تو اپنی زندگی کا نصب العین ہی یہ بنا لیا کہ روزانہ نئی نئی قسم کی ایذار و تکالیف آپ کو پہنچائیں اور انسانیت سے خارج ہو کر وہ تمام مظالم کریں جس سے زمین و آسمان بھی کانپ جائیں، قریش کے اس طرزِ عمل سے عرب کے تمام قبائل بھی آپ کی ایذارسانی کے درپے ہو گئے۔ مگر خدائے قدوس کے اس پیارے نبی نے یہ سب کچھ سہا اور صبر کیا اور ایک لمحہ کے لئے بھی اپنے نظامِ عمل کو نہ چھوڑا۔ اور خاندان، برادری، وطن، اور ملک کی متفقہ دشمنی بھی اس کے اعلانِ حق کو نہ روک سکی۔ اور آپ پوری استقامت کے ساتھ برابر اعلانِ حق اور دعوت و تبلیغِ اسلام میں مصروف رہے۔

معراج

سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی (اسرٰی)

پاک ذات ہے جو لے گیا اپنے بندہ کو راتوں رات مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصےٰ تک

تاریخِ اسلام میں وہ رات[1] بھی ایک عجیب شان رکھتی ہے جس کو

---

[1] معراج کے واقعہ کے متعلق تاریخ کے تعین میں اختلاف ہے، سنہ، مہینہ، دن تینوں کے بارہ میں مختلف روایات ہیں۔ کسی کے نزدیک ہجرت سے تین سال پہلے کا واقعہ ہے، کسی کے نزدیک پانچ سال بعد بعثت کسی کی رائے ہے کہ ہجرت سے ایک سال قبل یہ واقعہ پیش آیا۔ اسی طرح مہینہ کے بارہ میں ربیع الاول ربیع الآخر اور رجب کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور دن کے متعلق جمعہ اور دوشنبہ کا ذکر کیا جاتا ہے مگر ان تمام روایات میں سے مشہور روایت یہ ہے کہ یہ معجزنما واقعہ ہجرت سے ایک سال قبل، ۲۷ رجب ۱۲ نبوۃ شب دوشنبہ مطابق ۶۲۱ء کو پیش آیا اور زیادہ رائے اسی کی موافقت کرتی ہیں۔

شبِ معراج کہتے ہیں۔ یہی وہ شب ہے جس میں سردارِ دو عالم فخرِ کائنات کو خدا کی طرف سے وہ مرتبۂ قرب عطا ہوا جس کی نظیر انبیاء و رسل میں بھی نہیں مل سکتی، یعنی ایک ہی شب میں آپ کو مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصےٰ تک، اور مسجدِ اقصےٰ سے ساتوں آسمان تک سیر کرائی گئی اور تمام عجائباتِ ارضی وسماوی کا آپ نے مشاہدہ فرمایا۔

تمام علماءِ اسلام اس پر متفق ہیں کہ آپ کو یہ شرف، جسمِ اطہر کے ساتھ نصیب ہوا اور آپ نے جو کچھ دیکھا وہ سب بحالتِ بیداری دیکھا۔ لیکن علماءِ سیر نے اسرار و معراج کو دو حصّوں پر تقسیم کر دیا ہے۔

آپ کا اسی جسمِ اطہر کے ساتھ مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصےٰ تک تشریف لیجانا اسراء کہلاتا ہے۔ اسی کا ذکر قرآنِ عزیز کی مذکورہ بالا آیت میں کیا گیا ہے۔

اور مسجدِ اقصےٰ (بیت المقدس) سے آسمانوں تک جانا اور تمام عجائبات سماوی کا ملاحظہ فرمانا اور پھر قربِ ربّانی اور رویتِ باری کے معجزانہ کمالات کو حاصل کرنا معراج کہلاتا ہے۔

اس کی تفصیلی روایات بخاری و مسلم جیسی حدیث کی صحیح کتابوں میں روایت کی گئی ہیں۔ جن کا درجہ راویوں کی ثقاہت اور روایت کے تسلسل کے اعتبار سے اس حد تک پہنچا ہوا ہے کہ عقل و درایت سے بھی اُن کا انکار محال ہے۔

صحیح احادیث میں معراج کے واقعہ کی جو تفصیل بیان کی گئی ہے اُس کا

خلاصہ یہ ہے کہ ایک شب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوابگاہ میں جبرئیل امین جنت سے ایک سواری لیکر حاضر ہوئے جس کو براق کہتے ہیں۔ جبرئیل نے آپ کو بیدار کیا اور عرض کیا کہ خدائے قدوس نے آج آپ کو وہ شرف بخشا ہے جو اس سے پہلے کسی نبی و پیغمبر کو عطا نہیں ہوا۔ آپ میرے ساتھ تشریف لے چلیں، آپ جبرئیل کے ساتھ براق پر سوار ہو کر پہلے بیت المقدس پہنچے وہاں مسجدِ اقصٰے میں نماز ادا کی اور تمام انبیاء و رسل کی جو پہلے سے وہاں تشریف فرما تھے امامت فرمائی اور وہاں سے آسمانوں کی سیر کے لئے تشریف لے گئے۔ ساتوں آسمان، جنت و دوزخ اور ملأ اعلیٰ کی سیاحت فرمائی اور پھر وہاں بھی جدا جدا انبیاء سابقین[۲] سے ملاقات فرمائی۔ اس کے بعد قربِ الٰہی کا وہ درجہ نصیب ہوا جس کا ذکر، قلم و زبان سے محال ہے بلکہ عقل و دماغ بھی اُس کے تصور سے عاجز، اُس کو تو خدا اور اُس کا رسول ہی خوب جانتا ہے۔ معراجِ روحانی و جسمانی کے اس عظیم الشان اور محیر العقول شرف سے مشرف ہو کر آپ واپس ہوئے تو سونے والوں نے صبح کو اُسی بستر

---

[۱] احادیث میں ابتداء واقعہ معراج کو کسی راوی نے ام ہانی کے مکان سے بتایا ہے اور کسی نے خود بیت رسول سے اور کسی نے حرم سے، حافظ ابن حجر عسقلانی رحمتہ فتح الباری میں ان سب کو اس طرح جمع کیا ہے کہ ام ہانی ابوطالب کی بیٹی ہیں واقعہ اُن ہی کے مکان سے شروع ہوا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اسی کو بیتی (اپنا گھر) فرمایا ہے۔ اور ام ہانی کے مکان سے اول آپ کو حرم میں لایا گیا۔ اور وہاں سے پھر مسجدِ اقصٰے کی طرف روانگی ہوئی۔ اس لئے بعض راویوں نے ابتدائی حصہ کو حذف کر کے مسجدِ حرام سے قصہ شروع کیا ہے۔ اس طرح سب الفاظِ حدیث متفق ہو جاتے ہیں ۱۲

[۲] پہلے آسمان پر حضرتِ آدمؑ اور دوسرے پر حضرت عیسٰےؑ و یحییٰؑ۔ تیسرے پر حضرت یوسفؑ چوتھے پر حضرتِ ادریسؑ، پانچویں پر حضرتِ ہارونؑ، چھٹے پر حضرتِ موسٰیؑ اور ساتویں پر حضرتِ ابراہیمؑ (علیہم السلام) سے ملاقات ہوئی ۱۲

پر پایا جہاں ابتداءِ شب میں آپ کو خواب راحت میں دیکھا تھا۔

صبح کو نماز سے فارغ ہو کر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس معجزانہ واقعہ کا صحابہ (رضی اللہ عنہم) سے ذکر فرمایا۔ سب سے پہلا وہ شخص جس سے آپ کے اس ارشاد کی تصدیق انتہائی جوش وعقیدت کے ساتھ کی، ابوبکرؓ بن قحافہ تھے، اور اس صلہ میں دربارِ رسالت سے صدیقیت کا وہ مرتبۂ عالی پایا کہ اُمّتِ مرحومہ میں صدیق ان ہی کی ذاتِ گرامی کا طغرائے امتیاز ہے۔

مشرکین مکہ کو بھی شدہ شدہ اس قصّہ کا حال معلوم ہوا، ابوجہل جیسے متمرّد وناحق کوش بہت سے مسجد میں جمع ہو گئے اور اس واقعہ پر پھبتیاں کسنی شروع کر دیں، ابوجہل نے صدیقِ اکبر کو مخاطب کر کے یہ بھی کہا کہ ابوبکر تم کیا اس معاملہ کی تصدیق کے لئے تیار ہو؟ آپ نے فرمایا کہ میں تو اس سے زیادہ عجیب بات پر ایمان رکھتا ہوں کہ اس نبی کے پاس صبح وشام خدا کے پاس سے وحی آتی ہے اور آسمان وزمین کے درمیان وحی کا سلسلہ جاری ہے۔

بعض مشرکین نے امتحان کے طور پر اپنے اُن قافلوں کا حال معلوم کیا جو شام سے مدینہ واپس آرہے تھے۔ آپ نے دو قافلوں کا حال بیان کیا اور فرمایا کہ فلاں قافلہ اُس مقام میں فروکش ہے۔ اور دوسرے قافلے کا ایک اونٹ گم ہو گیا تھا، فلاں فلاں شخص اُس کی تلاش میں مصروف تھے اور وہ اونٹ فلاں مقام پر موجود ہے۔

بعض نے بیت المقدس کے حالات دریافت کئے۔ اور وہاں کے

مخصوص مقامات کے پتے معلوم کئے۔ آپ نے سب باتوں کے جواب چشم دید واقعات کی طرح دیئے۔

جب مشرکین اس میں ناکام رہے۔ تو مسجدِ اقصےٰ کی بعض ایسی چیزیں دریافت کرنے لگے جن کو آنکھوں سے دیکھنے والا شخص بھی عموماً یاد نہیں رکھتا مثلاً مسجد کی چھت میں کڑیاں کتنی ہیں۔ اور دیواروں میں طاق کس قدر ہیں۔ مگر دشمنانِ حق کی تذلیل اور پیغمبرِ اسلام کے احقاقِ حق کے لئے ربِّ قدیر نے بیت المقدس کو آپ کے سامنے کر دیا۔ اور آپ نے ہر چیز کو دیکھ دیکھ کر صحیح صحیح پتہ بتا دیا۔

یہ سوالات صرف اس لئے کئے گئے کہ مشرکینِ مکہ خوب واقف تھے کہ پیغمبرِ اسلام نے نہ کبھی بیت المقدس کو دیکھا ہے، نہ اس سرزمین کے راستوں اور مقامات کی تفصیل سے واقف ہیں۔

جب آپ کی زُبان مبارک سے یہ معجزانہ جواب سُنے تو جوشِ حسد و عداوت نے بجائے قبول و اقرار کے اس پر آمادہ کیا کہ آزمائش کی تصدیق کے لئے ابھی ہم کو اپنے آنے والے قافلوں کا انتظار کرنا چاہیئے۔

آخر قافلے بھی آ پہنچے اور مشرکینِ مکہ نے آہستہ آہستہ اُن سے معاملات کی تصدیق بھی کر لی۔ جب انکار کے لئے کوئی گنجائش باقی نہ رہی تو اب اس کے سوا اور کوئی راہ ہاتھ نہ آئی کہ آپ پر ساحر ہونے کا الزام لگائیں

افسوس کہ آج بعض مسلمان بھی اس معجزانہ واقعہ کو اس لئے مسخ کرنے کے درپے ہیں کہ اس واقعہ کو اُس کے اصلی خط و خال میں قبول کر لینے سے کہیں اُن پر

عجائب پرست ہونے کا الزام نہ آئے یا مذہب سے آزاد جماعت ان کو روشن خیال طبقہ کی فہرست سے خارج نہ کر دے۔

لیکن یہ عجیب و غریب واقعہ روایت و درایت کے اعتبار سے ناقابلِ انکار ہے۔ خود قرآنِ عزیز کا اس واقعہ کے متعلق یہ فرمانا وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ إِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ اس بات کی روشن شہادت ہے کہ یہ واقعہ اپنی خصوصیات میں ایسا عجیب و غریب ہے جو سننے والوں کے لئے قبول و انکار میں ایک سخت آزمایش و امتحان کا باعث ہے۔ اور اگر اس کی حقیقت صرف ایک خواب یا روحانی ترقی کی ہی ہوتی تو اس میں ایسی کوئی خاص حیرت کی بات نہ تھی اور نہ یہ واقعہ موافقین و مخالفین کے درمیان حق و باطل کا معیار قرار پاتا۔ اس لئے کہ خواب میں ایسے واقعات کا پیش آجانا کوئی ایسی عجیب بات نہ تھی کہ جس کی تصدیق و تکذیب میں وہ معرکہ بپا ہوا جس کی بدولت کفر و انکار اور ایمان و تصدیق کی وجہ امتیاز قائم ہوگئیں

اس کے علاوہ آپ کا راستے کے وہ تمام حالات بیان کرنا جس کے ایک ایک حرف اور ایک ایک جز کی تصدیق خود آنے والے قافلوں نے کی اور باوجود آپ سے انتہائی مخالفت و عداوت کے اصل حقیقت کا انکار نہ کر سکے، مشرکین کا بیت المقدس کے مختلف مقامات کے متعلق حالات دریافت کرنا اور آپ کا ہر ایک سوال کے متعلق شافی جواب دینا یہ امور اس کی ناقابلِ تردید شہادت ہیں کہ یہ واقعہ آپ کی پیغمبرانہ زندگی کے

لہ اور نہیں دکھایا ہم نے وہ "دکھاوا" جو ہم نے تم کو دکھایا ہے مگر لوگوں کی آزمائش کیلئے

اُنہیں معجزاتِ باہرہ میں سے ہے کہ جن کا انکار تعلیم اسلام کو خیرباد کہے، اور ناقابلِ انکار روایت و درایت کو ٹھکرائے بغیر قطعًا ناممکن ہے۔

رہا یہ امر کہ قرآنِ عزیز نے اس کو "رؤیا" سے تعبیر کیا ہے جس کے معنے خواب کے ہیں پس یہی ایک مغالطہ ہے جس کی حقیقت سمجھے بغیر "بمصداق" تا ثریّا میرسد دیوار کج" غلط عقیدہ کی بنیاد قائم کر لی گئی ہے حقیقت امر یہ ہے کہ جو واقعہ عالمِ غیب میں مشاہدہ کیا جائے اور عام نگاہیں اُس کو دیکھنے سے قاصر ہوں خواہ نبی اور رسول اس کو بیداری ہی میں کیوں نہ دیکھے،

"رؤیا" سے بہتر اور کوئی مفرد لفظ اس حقیقت کے اظہار کے لئے موزوں نہیں۔ اس لئے کہ وہ خاص مشاہدہ جو عالمِ غیب میں بحالت بیداری آنکھوں سے کیا جائے دنیا کے عام مشاہدوں سے جُدا ایک خاص کیفیت رکھتا ہے عربی شاعر متنبی نے بھی اپنے ایک قصیدہ میں معشوق کی چشمِ بیمار سے دیکھنے کو "عام مشاہدہ کرنے والوں سے ممتاز ظاہر کرنے کے لئے" رُؤیا ہی سے تعبیر کیا ہے۔

پس قرآنِ عزیز نے بھی اسی حقیقت کو واضح اور ظاہر کرنے کے لئے رُؤیا کا استعمال کیا۔ جو عالمِ مشاہدہ اور عالمِ خواب سے جُدا عالمِ غیب کی رؤیت کو ادا کر رہا ہے۔ اسی لئے حضرت شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی قدس سرہ العزیز نے بھی اُردو ترجمۂ قرآن میں رُؤیا کا ترجمہ دِکھلاوا کیا ہے۔ جو عالمِ غیب کے مشاہدہ کی مجموعی حالت کو اس طرح ادا کرتا ہے کہ اردو میں مفرد لفظ ہیں

اس سے بہتر تعبیر مشکل ہے۔

اس دقیق بحث کو شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد محمد انور شاہ صاحب کشمیری مدظلہ نے سورۂ والنجم کی تفسیرِ[1] منظوم میں مدلّل بیان فرمایا ہے۔

نماز

اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتَابًا مَّوْقُوْتًا ۝ (نسا،)

یقیناً نماز مسلمانوں پر فرض ہے اور وقت کے ساتھ محدود ہے

معراج کی پُرعظمت خصوصیات میں سے ایک عظیم الشان خصوصیت یہ ہے کہ بارگاہِ الٰہی سے اُمّتِ مرحومہ کو نور یعنی نماز کا تحفہ عطا ہوا۔ اسی لئے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان وحی ترجمان نے نماز کو معراج المومنین کا لقب دیا۔ خدا کا محبوب جب قربِ الٰہی کے تمام مراتب طے فرما کر غایۃ قصوٰی کی اُس بلندی پر پہونچا جس کو قرآن عزیز نے مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی سے تعبیر کیا ہے تو ذوالجلال برحق نے ارشاد فرمایا کہ تمہاری اُمّت پر شب و روز میں پچاس نمازیں فرض کی گئیں۔

محبوبِ ربّ العالمین سفرِ معراج سے واپس ہوئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ حضرتِ موسیٰ ؑ نے دریافت فرمایا کہ امت کیلئے کیا تحفہ ملا۔ آپ نے فرمایا "پچاس نمازیں" حضرت موسیٰ نے فرمایا مجھے اپنی اُمّت کا کافی تجربہ ہے۔ انھوں نے خدا کی مقرر کردہ عبادت کو پورا نہ کیا۔

---

[1] افسوس کہ سیرت کے طبع ثانی کے وقت علم وعرفان کا وہ آفتاب جس کی مثال صدیوں سے ناپید ہے غروب ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۱۲ ۵۲ عربی میں ہے ۱۲ ۳ آپ نے جو کچھ دیکھا دل نے جھوٹ نہیں بنالیا

آپ کی امّت بنی اسرائیل کے مقابلہ میں کمزور ہے۔ وہ اس کو برداشت نہ کر سکے گی۔ آپ واپس جائیے اور درگاہِ الٰہی میں کمی کی درخواست کیجئے آپ واپس تشریف لے گئے اور عرض و معروض کی، حکم ملا کہ پانچ کم کردی گئیں۔ آپ دوبارہ حضرت موسیٰ ؑ کے پاس واپس آئے، انھوں نے مکرّر واپس کیا۔ اور اسی طرح متعدد مرتبہ پانچ پانچ نمازیں کم ہوتی رہیں حتی کہ پانچ نمازیں باقی رہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر کمی کے لئے فرمایا۔ اس پر نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اب مجھکو حیا آتی ہے، اب اس کے بعد میں کچھ گذارش نہ کروں گا۔

محبوب رب العالمین کے اس جواب پر دربارِ الٰہی سے وحی آئی کہ اے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) ہمارے یہاں طے شدہ بات میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی، یہ پانچ نمازیں تمہاری اُمت پر فرض کی گئیں اور ان کا ثواب پچاس نمازوں کی برابر دیا جائے گا۔

علمائے اسلام کہتے ہیں کہ اول پچاس نمازوں کا فرض ہونا اور پھر پانچ کا باقی رہجانا محض تعبیری تھا۔ تاکہ اُمّتِ محمدی کو یہ معلوم ہوجائے کہ دربارِ الٰہی میں اُن کے ایک عملِ نیک کی جزا کم ازکم دس گُنی ہے۔ نہ یہ کہ واقعی پہلے پچاس فرض ہوئیں، اور پھر کم ہو ہو کر پانچ باقی رہ گئیں۔ خود خدائے برتر کا یہ ارشاد مَا یُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ[1] اسی حقیقت کو ظاہر کرتا ہے۔

---

[1] میرا قول تبدیل نہیں ہوتا۔

خلاصہ

اہلِ عرب باعتبار مذہب کے بعثت سے پہلے تین حصّوں میں منقسم تھے متنوّرین، فطریین۔ وثنیین۔

متنورین۔ وہ جماعت ہے جو گذشتہ مذاہب، یہودیت ونصرانیت کی اصل حقیقت پر قائم تھی۔ بتوں سے نفرت اور توحید سے محبّت رکھتی تھی۔
فطریین۔ کسی مذہب پر قائم نہ تھے۔ لیکن بت پرستی سے نفور، شرکیات سے علیحدہ، اپنی زندگی بسر کرتے تھے، مگر یہ دونوں جماعتیں ملک میں شاذ ونادر پائی جاتی تھیں۔

وثنیین۔ بت پرست جماعت کا نام ہے جس کی آلودگیوں سے تمام ملک جہالت کی تاریکی میں مبتلا تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بعثت سے قبل تنہائی کی زندگی پسند فرماتے تھے اور آپ کی زندگی کا اکثر حصّہ خدا کی یاد میں غارِ حرا میں بسر ہوتا تھا۔
جب عمرِ مبارک چالیس سال کو پہنچی تو آپ نبی ورسول بنائے گئے اور تمام عالم کی ہدایت کے لئے خدا نے آپ کو مبعوث فرمایا۔
آپ نے اپنی قوم اور تمام عالم کو (فطرۃ) دینِ مستقیم کی طرف دعوت دی جس کا نام اسلام ہے۔

آپ کی دعوت پر پہلے ایک چھوٹی سی جماعت ایمان لائی جن میں سے مردوں میں ابوبکر صدیقؓ[1]، عورتوں میں خدیجہؓ بنت خویلد[2]، بچوں

---

[1] واقعہ فیل سے تین سال بعد ۵۷۳ء میں پیدا ہوئے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے تین سال چھوٹے تھے ۱۲
[2] نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پندرہ سال عمر میں بڑی تھیں اس حساب سے غالباً ان کی پیدائش کا سال ۵۵۵ء ہے ۱۲

میں علیؓ بن ابی طالب اور غلاموں میں زید بن حارثہ سب سے پہلے مشرف باسلام ہوئے۔

آپ کی قوم نے آپ کو دعوتِ حق پر سخت ایذائیں پہنچائیں قتل کا ارادہ کیا۔ قطع تعلق کرکے آپ کو اور آپ کے قبیلے کو ایک گھاٹی میں محصور ہوجانے پر مجبور کیا۔ پہلی ہجرت حبشہ کی طرف ۵ھ نبوت میں ہوئی اور قریش کی ایذا دہی کی بنا پر ہوئی۔ دینِ اسلام کا خلاصہ یہ ہے، شرک سے بیزاری، توحید کو ماننا، کمزوروں کی مدد کرنا، ظالموں کو ظلم سے روک دینا، زنا اور تمام فواحش سے بچنا، صلہ رحمی کرنا، سچ بولنا، نماز ادا کرنا، روزہ رکھنا، حج کرنا، زکوٰۃ دینا، یا یوں کہئے کہ اعتقاد کی درستی، اور مکارم اخلاق کی تعلیم کا نام اسلام ہے۔

دوسری ہجرت بھی حبشہ کی طرف ۶ھ نبوت میں ہوئی جبکہ کفارِ قریش نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خاندان کو ایک گھاٹی میں محصور کر دیا تھا۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور کل بنی ہاشم تین سال کے قریب پہاڑوں میں محصور رہے طائف کی ہجرت تبلیغِ اسلام کی خاطر ہوئی تاکہ اس کے اثر سے اہلِ مکہ بھی اسلام کی طرف متوجہ ہوں۔

طائف کی ہجرت ۱۰ھ نبوت میں ہوئی۔ اسرار کا واقعہ ۱۲ھ نبوت میں پیش آیا۔ اسرار کا واقعہ بیداری میں ہوا۔ اور بجسدِ عنصری پیش آیا۔ اس لئے کہ قرآنِ عزیز نے اس واقعہ کو فتنہ یعنی آزمائش کہا ہے جو اس کے تعجب انگیز

---

[1] ۵۸۰ء میں پیدا ہوئے یعنی ولادت باسعادت صلی اللہ علیہ وسلم سے تیس سال بعد ۶۱۰ حضرت خدیجہ کے غلام تھے نکاح کے بعد آپ نے اُن کو نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کر دیا اس وقت اُنکی عمر آٹھ سال کی تھی۔

اور ظاہری اسباب کے اعتبار سے بالاتر ہونے پر صراحت کرتا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ اور جمہور صحابہ (رضی اللہ عنہم) کا یہی مذہب ہے۔ نیز اگر یہ واقعہ خواب کا ہوتا یا محض روحانی ہوتا تو مخالفین ہرگز اس کا سختی سے انکار نہ کرتے، اور اس کا مذاق نہ بناتے، اور تصدیق یا تکذیب کے لئے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم سے بیت المقدس اور راستہ کے حالات دریافت نہ کرتے، پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے جو حالات راستے اور بیت المقدس کے بیان فرمائے اور جو حرف بحرف صحیح ثابت ہوئے "مثلاً مکہ کے قافلہ کا پتہ دینا وغیرہ" یہ سب صحیح روایات سے ثابت ہیں)۔ حالانکہ آپ نے زندگی مبارک میں کبھی ان راستوں کو نہ دیکھا تھا اور نہ کبھی آپ بیت المقدس تشریف لیگئے۔

شبِ معراج میں پانچ نمازیں فرض ہوئیں اور اُن کا اجر کم از کم پچاس کی برابر مقرر کیا گیا

سوالات

(۱) قبل بعثت عرب کی کیا حالت تھی؟

(۲) پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت لبعثت کیا تھی؟

(۳) پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے کس دین کی طرف دعوت دی؟

(۴) دعوتِ حق پر آپ کے ساتھ آپ کی قوم نے کیا معاملہ کیا؟

(۵) دینِ اسلام کی حقیقت کیا ہے؟

(۶) دوسری ہجرت کب ہوئی اور کیوں ہوئی؟

(۷) پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کب تک گھاٹی میں محصور رہے؟

(۸) معراج بیداری میں ہوئی یا خواب میں صرف روحانی تھی۔ یا روحانی وجسمانی۔

(۵)

بعض اہم واقعات

سیرت کے گذشتہ اوراق میں جو کچھ لکھا گیا ہے۔ اس میں واقعات کو اُن کے باہمی ربط اور اُن کی اہمیت کے اعتبار سے بیان کیا گیا ہے اس لئے بہت سے ضمنی اور بعض اہم واقعات اس سلسلہ میں نہ آسکے اس لئے ضرورت ہے کہ اُن واقعات کو اس جگہ ترتیب سے بیان کر دیا جائے۔

وحی کی ابتداء

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِی خَلَقَ ۝ (اقرأ)

پڑھ اپنے رب کے نام سے جو سب کا بنانیوالا ہے

جب عمر مبارک کے چالیس سال[1] پورے ہو گئے تو ۱۷ رمضان ۱۳ھ قبل ہجرت مطابق یکم فروری ۶۱۰ء کو غارِ حرا میں جبکہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم عادت کے مطابق مصروفِ عبادت تھے، جبرئیل امین نے آکر یہ مژدہ سُنایا کہ آج آپ کو حق تعالیٰ خلعتِ رسالت عطا فرماتا ہے، اور ساتھ ہی عرض کیا اِقْرَأْ (پڑھئے) آپ نے فرمایا مَا اَنَا بِقَارِیٍٔ یعنی میں پڑھنا نہیں جانتا۔ یہ سُنکر جبرئیل امین نے دو مرتبہ آپ کو سینہ سے لگایا اور پھر کہا اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِی خَلَقَ ۝ اور اس کے بعد سورۃ اقرأ کی ابتدائی آیتیں تلاوت کیں۔ آپ نے بھی اُسی طرح اُن کو تلاوت کیا۔

---

[1] اور بعض کے نزدیک اس وقت عمرِ مبارک چالیس سال چھ ماہ اور آٹھ روز کی تھی اور شمسی حساب سے ۱۲ اگست ۶۱۰ء

اس واقعہ کے بعد آپ فوراً مکان، حضرت خدیجہ کے پاس پہنچے اور فرمایا زَمِّلُوْنِیْ (مجھ کو لحاف اُڑھا دو) اور پھر حضرت خدیجہ سے تمام ماجرا سُنایا اور اندیشہ ظاہر کیا، کہ شاید میں عظمتِ وحی کو برداشت نہ کرسکوں، اور ہلاک ہوجاؤں۔ حضرت خدیجہ نے آپ کو تسکین دی کہ آپ کی زندگی کا مشغلہ یتیموں کی خبرگیری، بیواؤں کی امداد، قیدیوں کی رہائی، غلاموں کی آزادی، صلۂ رحمی، حسنِ سلوک، اور سخاوت ہے۔ ایسے شخص کو خدا کبھی ہلاک نہ کرے گا۔ یہ کہہ کر آپ کو اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ ورقہ نصرانی تھے۔ سارا ماجرا سُنکر کہا جو فرشتہ آپ کے پاس آیا ہے۔ وہ ہماری اصطلاح میں ناموسِ اکبر (جبرئیل) کہلاتا ہے آپ خدا کے پیغمبر ہیں اور آپ کی قوم آپ کو اس بستی سے نکالے گی۔ خدا وہ وقت مجھ کو دکھائے تو میں پوری قوت سے آپ کی مدد کروں گا۔ آپ نے دریافت کیا کہ مجھ کو میری قوم نکالے گی؟ ورقہ نے کہا ضرور، اور ایسا پہلے نبیوں کے ساتھ بھی ہوتا آیا ہے۔

انقطاعِ وحی

مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى (والضحیٰ)

نہ چھوڑ دیا تجھ کو تیرے رب نے، اور نہ بیزار ہوا

اس کے بعد چالیس روز تک پھر کوئی وحی نہ آئی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شوقِ وحی میں اس قدر بیتاب تھے کہ اس تاخیر کی وجہ سے بعض مرتبہ ارادہ فرماتے کہ پہاڑ پر سے اپنے آپ کو گرادیں، مگر خدا کا فرشتہ رہنمائی کرتا اور

فوراً تسکین کے یہ الفاظ کہتا "اَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ حَقًّا" یعنے آپ خدا کے سچّے پیغمبر ہیں۔

تاخیر سے مقصود یہی تھا کہ آپ کے قلب میں اس سعادت کا اشتیاق بیش از بیش ہو۔ چالیس روز کے بعد دوبارہ غارِ حرا ہی میں آپ پر وحی کا نزول ہوا۔ اور سورۂ مدثّر نازل ہوئی اور پھر یہ سلسلہ آخر عمرِ مبارک تک جاری رہا۔

وحی کے رُک جانے سے آپ کا اضطراب و قلق اس شک کی بنا، پر نہ تھا کہ "معاذ اللہ" آپ کو اپنی نبوت پر یقین نہ تھا، اور اس لئے آپ اپنی ہلاکت کے لئے آمادہ ہو جاتے تھے۔

بلکہ یہ واقعہ وحی کی عظمت و شان اور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے بے نظیر جذبۂ شوق پر دلالت کرتا ہے، اور آپ کے "وحی الٰہی کی حقیقت پر" عبورِ کامل کو ظاہر کرتا ہے، یعنی آپ وحی الٰہی کی جس لذت سے آشنا ہو چکے تھے یک بیک اُس کے قطع ہو جانے سے دل میں وہ اضطراب پیدا ہو گیا کہ اُس کے بغیر آپ اپنی زندگی کو بے لطف پاتے تھے، اور جب آپ کے سامنے یہ حقیقت آجاتی کہ "جس خدا نے مجھ کو خلعتِ نبوت سے سرفراز فرمایا ہے وہ مختارِ کل ہے کہ کسی مصلحت کی وجہ سے مجھ سے نہ واپس لے لے" تو پھر حزن و ملال پیدا ہو کر وہی کیفیت پیدا ہو جاتی جو ایسی عظیم الشان نعمت کے بعد اُس سے محرومی کی شکل میں فطرتِ انسانی میں خدا کی طرف سے ودیعت ہے۔

جن حضرات نے اس روایت میں جرح و قدح کی ہے اُن کے پیش نظر صرف واقعہ کا ظاہری پہلو ہے کاش کہ وہ عظمتِ وحی اور رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم کے والہانہ جذبہ کی حقیقت پر بھی نظر فرماتے تو اُن کو واقعہ سے انکار کی ضرورت پیش نہ آتی۔

اسلام حمزہ[1] رضی

اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (فتح)

کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں ہمدرد

مشرکین نے جب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو سخت ایذائیں پہنچائیں تو یہ امر آپ کے چچا حضرت حمزہ (رضی اللہ عنہ) کو سخت گراں ہوا اور ایک روز ابوجہل سے سخت و سُست گفتگو بھی ہو گئی، آخر خدا نے ان کے قلب میں روشنی عطا فرمائی اور وہ خدمتِ مبارک میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہو گئے۔

دارالنَّدوہ و اسلام عمر رضی

دارالنّدوہ دراصل قصّی بن کلاب کا ایک مکان تھا جس میں تمام قریش اپنے اہم اُمور کا فیصلہ کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی سازش تھی اور دارالنّدوہ میں مشورہ ہو رہا تھا۔

حضرتِ عمر رضی نے قتل کا بیڑا اُٹھایا اور ننگی تلوار حمائل کر روانہ ہو گئے

---

[1] حمزہ نام اور کنیت ابو عمارہ ہے۔ ابولہب کی لونڈی ثوبیہ نے ان کو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ساتھ دودھ پلایا ہے اس لئے رضاعی بھائی بھی تھے، اور چچا بھی اور آپ سے ڈیڑھ سال بڑے تھے سنہ نبوت میں مسلمان ہوئے، اور سنہ ھ مشہور غزوۂ احد میں شہید ہوئے۔

راستے میں نعیم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ملے اُنھوں نے پوچھا عمر اس حالت میں کہاں کا ارادہ ہے، کہنے لگے کہ (نعوذ باللہ) محمدؐ کے قتل کے لئے جا رہا ہوں، اُنھوں نے کہا پہلے گھر کی تو خبر لو، تمہاری بہنؓ اور بہنوئیؓ بھی مسلمان ہو گئے، غصّے میں پہلے اُن کے مکان پر پہونچے اور اپنی بہن کو خوب زدو کوب کیا لیکن اسلام کے نشہ نے اس خدا کی بندی کو ایسا سرشار کر رکھا تھا کہ اس مار پیٹ کی کچھ بھی پرواہ نہ کی، اور توحید ہی کا کلمہ بھرتی رہی۔ تھک کر عمر نے کہا کہ ہم قرآن کو مجھے بھی سناؤ جو تم ابھی پڑھ رہی تھیں اُنھوں نے یہ سورۃ پڑھ کر سُنائی۔ سَبَّحَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ پاکی بیان کرتی ہے اللہ کی سب چیز جو آسمان اور زمین میں ہے۔ اور وہی غالب اور حکمت والا ہے۔ عمرؓ سنتے جاتے ہیں اور دل پر رُعب طاری ہوتا جاتا ہے، اور جب فاطمہ نے یہ آیت پڑھی اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ تو جذبۂ شوق میں پکار اُٹھے اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔

حضرت عمرؓ بیتاب ہو گئے اور فوراً باہر نکل کر دربارِ نبوت میں پہونچے اس زمانہ میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور مسلمان ارقمؓ کے مکان میں رونق افروز تھے تاکہ خدا کی عبادت میں مشرکین حارج نہوں۔

حضرت عمرؓ عاجزانہ آگے بڑھے۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرماتے ہوئے پوچھا عمر کیا ہے؟ آپ نے عرض کیا "خدا کا نافرمان" خدا کا غلام

لہ ان کا نام فاطمہ تھا ۲ے ان کا نام سعید بن زید بن عمرو بن نفیل تھا یہ انہی زید کے بیٹے ہیں جو اسلام سے پہلے بت پرستی سے متنفر تھے اور موحد تھے۔

بنکر حاضر ہوا ہے۔ اور کلمۂ توحید پڑھ کر حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔

یہی وہ عمرؓ ہیں جن کے ہاتھوں اسلام کی حیرت انگیز ترقی ہوئی اور یہی وہ عمرؓ ہیں جن کے قبولِ اسلام کے لئے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم دعائیں مانگا کرتے تھے،

وفدِ نجران

نجران مدینہ اور شام کے درمیان عیسائیوں کی ایک مشہور آبادی تھی مشرکین کے مظالم اور پیہم ایذار رسانی نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو مجبور کر دیا کہ وہ صحابہؓ کو اجازت دیں کہ اگر وہ چاہیں تو حبشہ کو ہجرت کرکے جاسکتے ہیں، وہاں کا بادشاہ عیسائی ہے، مشرکین کے مقابلہ میں بہرحال مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی کرے گا۔

صحابہؓ کی ایک جماعت اس ارادہ سے نکلی تو اُس کا گذر اس بستی پر بھی ہوا، وہاں کے عیسائیوں نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے حالات دریافت کئے اور مسلمانوں سے واقعات سُن کر ارادہ کیا کہ مزید دریافتِ حال کے لئے ایک وفد مدینہ روانہ کریں، شرکاء وفد کی تعداد تقریباً بیسؔ تھی۔

وفد مدینہ پہنچا اور دربارِ رسالت میں حاضر ہو کر اسلام کی حقیقت معلوم کی، آپ نے توحید و رسالت کے اُصول، شرک و تثلیث کی خرابی

لہ عمرؓ نام ہے اور فاروق لقب یہ لقب نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے قبولِ اسلام کے بعد اس لئے اُن کو دیا کہ اُنھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ جبکہ اسلام حق پر ہے تو ہم اس کو کس لئے مخفی رکھیں اور یہ کہکر حرم محترم میں علے الاعلان خدائے واحد کی تکبیر بلند کی حرب فجار سے چار سال بعد ۵۸۳ء میں پیدا ہوئے اسلام کے وقت ۲۶ یا ۲۷ سال کی عمر تھی، کہتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے ہیں تو ۳۹ افراد مشرف باسلام ہو گئے تھے اور یہ چالیسویں شخص تھے۔

اور حُسنِ سلوک، وصلۂ رحمی نیز دیگر اسلامی احکام اُن کے سامنے بیان کئے
وفد آپ کی تقریر سُنکر بحید متاثر ہوا اور سب نے اسی مجلس میں آپ کے
دستِ مبارک پر قبولِ اسلام کی بیعت کی۔

ابوجہل بھی اس منظر کو دیکھ رہا تھا۔ عداوت و حسد کی آگ نے جوش مارا
اور یہ دیکھ کر بیساختہ رئیسِ وفد سے کہنے لگا کہ میں نے آج تک تم جیسے بیوقوف
نہیں دیکھے آئے تھے اس لئے کہ حالات دریافت کرو اور بیدین ہو کر چلے
وفد نے جواب دیا کہ تیری عقلمندی تجھ ہی کو مبارک ہو۔ خدا کا شکر ہے کہ
اُس نے بغض و حسد سے ہم کو محفوظ رکھا اور صداقت کی روشنی عطا فرمائی

وفات خدیجہ[1] رضؓ

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ (آل عمران)

ہر نفس موت چکھنے والا ہے

سنہ نبوت کا زمانہ ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقاطعہ کی
تحریک کو ختم ہوئے ابھی زیادہ عرصہ نہیں گذرا کہ آپ کی سب سے پہلی
رفیقۂ حیات یعنی حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو گیا۔
ازواج مطہرات میں سے یہی وہ پہلی زوجہ مطہرہ ہیں جنہوں نے زمانۂ نکاح

---

[1] خدیجہؓ بنت خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی کی بیٹی تھیں نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آنے سے قبل دو مرتبہ بیوہ ہو گئی تھیں پہلی شادی مخزوم بن عتیق بن عائذ سے ہوئی تھی۔ عتیق سے ہند ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ اُس کے بعد ابوہالہ بن زرارہ سے نکاح ہوا اُن سے ایک لڑکا ہالہ اور ایک لڑکی ہند پیدا ہوئی۔ پھر چالیس سال کی عمر میں نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکاح ہوا۔ اور دونوں شوہروں کے تینوں بچے بھی نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی تربیت میں آگئے۔

سے زمانۂ وفات تک قریش کے مصائب و شدائد کو نہایت خوشی سے برداشت کیا اور آپ کی حمایت میں جان و مال کی مطلقاً کوئی پرواہ نہ کی

حضرت ابراہیمؑ کے علاوہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی تمام اولاد انہیں کے بطن سے تھی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا تدبر، سخاوت، حُسنِ سلوک قریش کی تمام عورتوں میں ضرب المثل تھا۔

عامِ حزن

چونکہ خواجہ ابوطالب اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا "باختلاف روایت تین روز یا ایک ماہ کے فرق سے" ایک ہی سال سنلہ نبوت مطابق سنہ ۶۲۰ء میں انتقال ہوگیا تو نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو ابوطالب جیسے جاں نثار چچا اور خدیجہؓ جیسی رفیقۂ حیات کے فراق سے سخت صدمہ ہوا اور رنج و ملال کی کیفیت اس درجہ پہونچی کہ اس کا نام ہی (عامِ حزن) رنج کا سال مشہور ہوگیا۔

عمرو بن طفیل دوسی کا اسلام

قریش کی یہ عادت تھی کہ جب کوئی شخص قبائل عرب میں سے مکہ آتا تو اس کو ہر طرح شرفِ صحبت صلی اللہ علیہ وسلم سے روکتے اور کسی طرح آپ کے کلام معجز نظام کو نہ سننے دیتے، اسی طرح ایک مرتبہ طفیل بن عمرو دوسی قبیلۂ دوس کا سردار "جو نہایت عقیل و فہیم اور فصیح البیان خطیب تھا" مکہ معظمہ میں کعبہ کی زیارت کو آیا۔ قریش کے سرداروں نے اُس کو نصیحت کی ایک شخص کعبہ کے قریب ایک نئے مذہب کی تبلیغ کیا کرتا ہے، اُس نے

ہماری جماعت کو پراگندہ کر ڈالا اور ہم میں تفریق کر دی۔ اُس کے بیان میں ایسا جادو ہے کہ اپنے غیر معمولی اثر سے باپ اور بیٹے کے درمیان بھائی۔ بھائی کے درمیان، میاں بیوی کے درمیاں، تفرقہ ڈالدیتا ہے ایسا نہ ہو کہ تم بھی اُس سے متاثر ہو کر بد دین ہو جاؤ۔

جب بڑے بڑے قریشیوں سے اُس نے یہی سُنا تو ارادہ کر لیا کہ ہرگز اُس کا کلام نہ سُنے گا۔ اور مزید احتیاط کے لئے کانوں میں روئی ٹھوس لی مگر جب وہ رسمِ جاہلیت کے مطابق کعبہ کے طواف کو چلا تو سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو خدا کی عبادت میں مصروف پایا۔ اور ایسا کلام تلاوت کرتے ہوئے سنا کہ اگرچہ روئی کان میں ہونے کی وجہ سے پوری طرح سمجھ میں نہ آیا مگر طرزِ ادا نے دل موہ لیا۔ آپ پر نفرت کرنے لگا کہ میں اس قدر بزدل کیوں بنوں کہ کسی کا کلام نہ سنوں میں خود فصیح و بلیغ مقرر ہوں۔ اچھی اور بُری بات میں تمیز رکھتا ہوں۔ پھر مجھکو اس شخص سے کیا خوف۔

جب آپ عبادت سے فارغ ہو کر حجرہ میں تشریف لے گئے تو طفیل بھی پیچھے سے پہنچا اور کہنے لگا۔ میں نے آپ کی تلاوت کو سُنا اور مجھے وہ کلام بہت پسند آیا مجھے اپنے دین کے اُصول بتائیے۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اُس کو دین کی تعلیم فرمائی۔ اور قرآنِ عزیز سُنایا تو بےخود ہو گیا اور کہنے لگا اَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ حَقًّا بیشک آپ خدا کے سچّے رسول ہیں۔ اور قرآن خدا کا یقیناً کلام ہے۔

یہ کہا اور کلمۂ شہادت پڑھ کر مشرف باسلام ہو گیا۔

نکاح سودہ رضؓ

حضرت خدیجہ رضؓ کی وفات کے چند ماہ بعد نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت سودہ بنت زمعہ سے نکاح کیا، یہ بھی قریشی اور قبیلہ بنی عامر کے معزز خاندان کی عورت تھیں۔ اِن کے پہلے شوہر کا نام سکران بن عمرو تھا۔ اُن کا انتقال ہو گیا تو یہ سارے خاندان میں صرف ایک عورت تھیں جو مسلمان تھیں۔ ایک طرف بیوگی اور دوسری طرف مذہب کا اختلاف گھر اور خاندان کے سب آدمی جان کے دشمن ہو گئے۔ صحابہ کے مشورہ پر نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کر لیا۔ اور اس طرح ان کو اس ضیق و مصیبت سے نجات ملی۔

نکاح عائشہؓ رضؓ

ہجرت سے کچھ ہی پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مرضی پاکر آپ نے

لہ والد کا نام ابوبکر صدیقؓ اور والدہ کا نام ام رومان ہے۔ ہجرت سے آٹھ سال قبل سنہ ۶۱۳ یا ۶۱۴ء میں پیدا ہوئیں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت اٹھارہ سال کی عمر تھی، ۲ھ میں ان کی رخصتی ہوئی، ۱۷ رمضان ۵۸ھ مطابق ۱۳ جولائی ۶۷۸ء سہ شنبہ کے روز انتقال ہوا قریباً اڑسٹھ سال کی عمر پائی مروان بن الحکم کی جانب سے حضرت ابوہریرہ مدینہ کے گورنر تھے انہوں نے نماز جنازہ پڑھائی اور شب کے وقت بقیع کے مشہور قبرستان میں مدفون ہوئیں۔

نہایت ذکی، فصیح البیان اور عقیل تھیں، ایک ہزار احادیث سے زیادہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں۔ جلیل القدر صحابہ اور صحابیات رضی اللہ عنہم اُن کے شاگرد ہیں۔ حضرت عبداللہ بن زبیر کی خالہ اور حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی سوتیلی بہن تھیں۔ حضرت عبداللہ نے ان ہی کی گود میں پرورش پائی۔ اس لئے ام عبداللہ ان کی کنیت تھی۔

عورتوں سے متعلق دینی مسائل کا بیشتر ذخیرہ ان ہی کے پاس تھا۔

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا۔ ازواج مطہرات میں سے صرف ایک یہی بیوی ہیں جو بیوہ نہ تھیں، باقی کل ازواج بیوہ تھیں۔

حضرت عائشہ رضی کی عمر اس وقت کم تھی۔ اس لئے رخصتی نہ ہو سکی۔ رخصتی کی نوبت مدینہ طیبہ میں جاکر آئی

خلاصہ

جب عمر مبارک چالیس سال کو پہنچی تو خدا کے حکم سے ۱۷ر رمضان مطابق یکم فروری ۶۱۰ء کو جبکہ آپ غار حرا میں مصروف عبادت تھے خدا کا ایلچی (جبرئیل امین) آیا اور سورۂ اقرأ کی ابتدائی آیتیں سُنا کر آپ کو پیغمبر و رسول ہونے کی بشارت دی۔ پہلی وحی کے بعد چالیس دن تک پھر اور کوئی وحی نازل نہیں ہوئی۔ آپ اس وجہ سے اس مدت میں سخت پریشان رہے، مگر کبھی کبھی خدا کا فرشتہ نمودار ہو کر آپ کو تسکین دیدیا کرتا۔ اس کے بعد مسلسل تئیس سال تک قرآن نازل ہوتا رہا۔ اور آپ وحی الٰہی سے مشرف ہوتے رہے۔ ابوجہل جیسے بدنصیب مشرکین کی ایذا دہی پر آپ کے چچا حضرت حمزہ رضی کو بہت غیرت آئی اور آپ نے اوّل آپ کی علانیہ حمایت شروع کر دی۔ اور بعد میں دین حق کو برضا و رغبت قبول کر لیا۔ دارالندوہ قُصّی بن کِلاب کا ایک مکان تھا۔ اس میں قریش مسلمانوں کے خلاف مجلس مشاورت منعقد کیا کرتے تھے۔ اسی مکان میں ایک مرتبہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کے قتل کا مشورہ ہوا۔ اور عمر بن الخطابؓ نے اس کا بیڑا اُٹھایا تلوار گلے میں حائل کر کے چلے تو راستے میں اپنی بہن کے گھر قرآن عزیز سُنا، سُنکر

بیتاب ہو گئے۔ اور آخر کار قاتلِ نبی، خادمِ نبی بنکر حاضر ہوا۔ اور اسلام قبول کر کے اسلام کا سب سے بڑا قائد بنا۔ نجران سے ایک وفد خدمتِ اقدس میں تحقیقِ حالات کے لئے حاضر ہوا، اور کلام معجز نظام کو سُنکر مشرف باسلام ہو گیا نبوت کے دسویں سال حضرت خدیجہ جو آپ کی سب سے پہلی رفیقۂ حیات تھیں اس دنیا سے عالم باقی کو رحلت کر گئیں۔ اور اسی سال خواجہ ابو طالب کی وفات ہوئی اور آپ کے انتہائی حزن و ملال کی وجہ سے یہ سال عام الحزن کے نام سے مشہور ہوا۔ وفاتِ خدیجہ رض سے چند ماہ بعد آپنے حضرت سودہ رض سے نکاح کیا۔ اور ہجرتِ مدینہ سے کچھ پہلے حضرت صدیق اکبر کی رضا دختر حضرت عائشہ آپ کے عقد میں آئیں اور رخصتی مدینۂ طیبّہ جاکر اٹھارہ ماہ بعد ہوئی۔

سوالات

(۱) وحی کی ابتدا کب اور کس طرح ہوئی؟

(۲) پہلی وحی کے بعد کس قدر مدت تک آپ پر وحی نہیں آئی اور اس حالت کو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح محسوس کیا؟

(۳) دار الندوہ کس کو کہتے ہیں؟

(۴) حضرت حمزہ اور حضرت عمر کے اسلام لانیکا واقعہ بیان کرو۔

(۵) نجران کے وفد کا حال بتاؤ۔

(۶) حضرتِ خدیجہ کا انتقال کب ہوا؟

(۷) حضرت سودہ رض اور حضرت عائشہ رض کی شادی کب ہوئی۔

(۶)

قبائل کو دعوتِ اسلام

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا (شوریٰ)

اور اسی طرح ہم نے آپ پر قرآن عربی زبان کا نازل کیا ہے تاکہ آپ مکہ کے رہنے والوں کو اور جو لوگ اسکے آس پاس ہیں (ڈرائیں)۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے بعثت سے دس سال تک قریش کو اسلام کی طرف دعوت دی اور دین مبین کی تبلیغ فرمائی۔ کیونکہ آپ جانتے تھے کہ اگر قریش دعوتِ حق کو قبول کر لیں گے تو پھر بقیہ قبائلِ عرب کے قبولِ اسلام میں چند ماہ بھی نہ گذریں گے۔ اور خود قبائل بھی اسی کے منتظر تھے۔ کہ قریش کی اور آپ کی اس باہمی ردّوکد کا کیا نتیجہ نکلتا ہے؟ لیکن قریش نے قومی حیثیت سے بجائے قبولِ اسلام کے درپئے آزار ہونا شروع کر دیا۔ اور ضرر رسانی اپنا شعار بنا لیا۔ تب مجبور ہو کر سلہ نبوت میں آپ نے اطراف کے قبائل کی طرف توجہ فرمائی اور عرب کی مجالس و محافل اور سالانہ[1] اجتماعات کے موقعوں پر خدا کا پیغام سنایا۔ آپ کی اس دعوتِ حق کو بعض نے قبول کیا اور بعض بدقسمت رہے۔

مدینہ میں اسلام کی اشاعت

جب موسمِ حج آتا تو عرب کے اطراف و جوانب سے بہ نیتِ زیارت و طواف

---

[1] اہلِ عرب سالانہ مختلف مقامات میں جمع ہوتے، بازار لگاتے اور فخریہ قصائد خوانی کرتے تھے اُن میں سے مشہور مقامات سوقِ عکاظ، ذوالمجاز، اور مجنّہ ہیں۔

کعبہ بہت بڑا اجتماع ہوتا جس میں اہل مدینہ بھی ہوتے۔ آپ نے اس سال اُن کو بھی دعوتِ اسلام دی۔ وفدِ مدینہ میں اسعد بن زُرارہ، عوف بن حارث، رافع بن مالک، قطبہ بن عامر، عقبہ بن عامر، جابر بن عبداللہ، عامر بن عبد حارثہ شامل تھے، اور یہ تمام قبیلۂ خزرج سے تعلق رکھتے تھے۔ انھوں نے دعوتِ حق سُن کر اپنی جگہ مشورہ کیا اور کہنے لگے کہ یہ شخص وہی معلوم ہوتا ہے جس کے متعلق مدینہ کے یہود ہم سے کہا کرتے ہیں کہ ایک پیغمبر مبعوث ہونے والا ہے جس کے ساتھ مل کر ہم تمہارا مقابلہ کریں گے۔ اور شرک کی نجاست کو مٹائیں گے۔ بہتر یہ ہے کہ ہم سبقت کر کے اسلام قبول کرلیں۔ یہ مشورہ کر کے وہ حاضرِ خدمت ہوئے اور اسلام قبول کر کے عرض کیا کہ ہم اہلِ مدینہ میں باہم سخت جنگ و جدال ہے۔ اگر آپ کی بدولت ان میں اتحاد ہو جائے تو ہماری بڑی خوش نصیبی ہوگی۔ اب تو ہم جاتے ہیں سالِ آئندہ میں حاضرِ خدمت ہو کر ترقیٔ اسلام کے متعلق کچھ گذارش کریں گے۔

عقبۂ اولیٰ

حسبِ دستور جب دوسرے سال[1] حج کے موقع پر اجتماع ہوا تو مدینہ سے ایک وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جو بارہ اشخاص پر مشتمل تھا جن میں سے دس خزرجی اور دو اوسی یہی دو قبیلے مدینۂ طیبہ میں صاحبِ اثر تھے ان بارہ اشخاص نے آپ کے دستِ مبارک پر بیعت کی اور وعدہ کیا کہ مدینہ جاکر تبلیغِ اسلام کریں گے۔ قرآنِ عزیز اور دیگر امورِ اسلام کی تعلیم دینے کی

---

[1] ۱۲ نبوت مطابق ۶۲۱ء

غرض سے آپ نے اِن کے ہمراہ عبداللہ بن ام مکتوم حضرت خدیجہؓ کے خالہ زاد بھائی اور مصعب بن عمیر عبدری کو روانہ کیا۔ اور اب مدینہ میں اسلام کا چرچا ہونے لگا۔ اس واقعہ کا نام عقبۂ اولیٰ[1] ہے۔

عقبۂ ثانیہ

تیسرے سال پھر موسمِ حج میں اہلِ مدینہ آئے اور اب انھوں نے ارادہ کرلیا کہ جو وعدہ انھوں نے پیغمبرِ اسلام سے پہلے سال کیا تھا۔ اب اس کو پورا کریں وفد میں باسٹھ خزرجی، گیارہ اوسی اور دو عورتیں نسیبہ بنت کعب بنی نجار میں سے، اور اسماء بنت عمرو، بنی سلمہ میں سے شریک تھیں۔ انھوں نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے شب میں علیحدہ گفتگو کا وعدہ کیا۔ اور اہلِ مکہ سے پوشیدہ، تہائی رات کے بعد ایک ایک دو دو کرکے آپ کے پاس جمع ہونا شروع کیا۔

اس وقت تک اگرچہ آپ کے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب حلقہ بگوشِ اسلام نہوئے تھے، مگر بھتیجے کی حمایت کی خاطر مجلس میں موجود تھے۔

وفدِ مدینہ نے آپ کے دستِ مبارک پر بیعت کی اور آپ نے فرمایا کہ خدائے واحد کی عبادت کرو، اور اگر میں تمہارے یہاں پہنچوں تو تمہارا فرض ہوگا کہ تم میری اسی طرح حمایت کروگے جس طرح اپنی اور اپنے اہل وعیال کی حفاظت کرتے ہو۔

---

[1] عقبہ کی طرف اس بیعت کی نسبت اس لئے کیجاتی ہو کہ یہ معاملہ منیٰ کے اس مقام پر پیش آیا جہاں ایک پتھر جمرۂ عقبہ کے نام سے گڑا ہوا ہے اور جس کو حجاج کنکریاں مارتے ہیں ۱۲

یہ سنکر اہلِ مدینہ میں سے ہیثم بن تیہان بولے کہ ہمارے اور اہل مکہ اور دیگر قبائل کے درمیان عہد و پیمان ہے۔ آج ہم اس کو محض اسلام کی خاطر ختم کر رہے ہیں۔ ایسا تو نہ ہوگا کہ جب ہم یہ سب کچھ کر چکیں تو آپ ہم کو چھوڑ کر پھر اپنے قبیلے میں واپس تشریف لے آئیں۔

آپ نے یہ سنکر تبسم فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ نہیں ایسا نہ ہوگا تمہارا جان و مال میری جان و مال ہے اور تمہاری صلح میری صلح ہے۔

یہ جواب سُن کر سب کے چہرے مسرت سے چمکنے لگے۔ اور سب نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی تکمیل کی۔ اور مدینہ واپس چلے گئے۔

اب مدینہ میں اسلام کا اس قدر شہرہ ہوا کہ کوئی خاندان اور گھر نہ بچا جس میں دو جماعتیں نہ ہوگئیں، ایک حامیٔ اسلام، دوسری مخالفِ اسلام اور اب مدینہ کی گلیوں اور بازاروں میں اسلام ہی کا چرچا تھا۔

ہجرتِ مدینہ

قریش کا مشورہ

وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ (انفال)

اور جب کافر فریب کرتے تھے کہ تجھ کو قید کر دیں یا مار ڈالیں یا نکال دیں

قریش کو ان مبائعین انصار کی بیعتِ اسلام کا حال اُس وقت تو معلوم نہ ہو سکا لیکن جب مدینہ میں اسلام کا چرچا ہو گیا اور قریش کو تمام کیفیت کا حال معلوم ہوا تو قریش سے مدینہ میں اسلام کی یہ شوکت دیکھی

نہ گئی، انھوں نے اب ارادہ کرلیا کہ اس نبی کا خاتمہ ہی کردینا بہتر ہے تاکہ اس روز روز کی مصیبت سے نجات ملے۔ اس لئے مکہ کے بڑے بڑے سردار ابوجہل، ابولہب، ابوسفیان، عتبہ جلسے دارالندوہ میں جمع ہیں اور نہایت فکر و اندوہ میں ہیں کہ ایسی ترکیب کیجائے کہ خدا کے اس پیغمبر کا خاتمہ بھی ہوجائے، اور بنو ہاشم انتقام بھی نہ لے سکیں، اور اس طرح آنکھ کا یہ کانٹا جو ہر وقت کھٹکتا ہے، کسی طرح دور ہوجائے، کوئی کہتا ہے کہ خارج البلد کردو کسی کا مشورہ ہے کہ حبس دوام کی سزا دیجائے۔ کسی کا خیال ہے کہ کوئی بہادر جاکر قتل کر آئے۔ لیکن مختلف وجوہ و مصالح کی بنا پر کوئی رائے قابل فیصلہ قرار نہیں دیجاتی، آخرکار ابوجہل اُٹھ کر تقریر کرتا ہے کہ اگر اس قضیے کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ مقصود ہے تو قتل کے سوا چارہ نہیں، البتہ بنو ہاشم کے مقابلہ سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ ہر قبیلہ کا ایک نوجوان منتخب کیا جائے اور پھر صبح کو جبکہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) مکان سے مسجد جائیں تو بیک وقت سب اُن پر حملہ کردیں، اس طرح مقصود بھی پورا ہوجائے گا اور بنو ہاشم بیک وقت تمام قبائل سے انتقام بھی نہ لے سکیں گے اور مجبور ہوکر خونبہا لینے پر راضی ہوجائیں گے۔ یہ شیطانی ترکیب فریب خوردہ جماعت کو پسند آئی اور آخری فیصلہ اسی پر ہوا۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا مشورہ

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعہ اس مشورہ کی اطلاع ہوگئی اور آخر وہ وقتِ سعید بھی آپہونچا کہ خدا کا برگزیدہ نبی مدینہ جانے کی طیاری کررہا ہے

دوپہر کا وقت ہے، تپتی ہوئی دھوپ میں اسلام کا داعی ابو بکرؓ کے مکان پہنچا، ابو بکرؓ گھبرا کر دریافت کرتے ہیں فِدَاکَ اَبِیْ وَاُمِّیْ یہ بے وقت تشریف آوری کیسی؟ ارشاد ہوا کہ جبریل امین وحی لیکر آئے ہیں اور حکم ہوتا ہے مدینہ کو ہجرت کر جاؤں۔ ابو بکرؓ عرض کرتے ہیں کہ پھر اس عاجز کو بھی معیت کا حکم ہے؟ فرمایا "ہاں" خوش ہو کر ابو بکرؓ عرض کرتے ہیں یا رسول اللہ آج ہی کے دن کی تمنا میں دو اونٹنیاں جنگل میں چھوڑ رکھی ہیں کہ چر کر توانا ہو جائیں اور سفر کی سخت منزلیں طے کر سکیں۔ آپ نے مسرت کا اظہار فرمایا اور شرط لگائی کہ اگر اونٹنی کی قیمت لے سکتے ہو تب میں تمہاری اس پیشکش کو منظور کرتا ہوں ورنہ مفت لینا منظور نہیں۔

عائشہ صدیقہؓ کی ہمشیرہ اسماء والد ماجد کے حکم کے مطابق سامانِ سفر طیار کرتی ہیں کمر کے پٹکے کے دو حصہ کر کے ایک سے توشہ کو باندھ دیتی ہیں اور اس خدمت صلہ میں بارگاہِ نبوت سے ذات النطاقین[1] کا لقب حاصل کرتی ہیں اور اسی کو اپنا طغرائے امتیاز بناتی ہیں۔

روانگی

شب کا وقت ہے۔ صبح، ہجرت کے لئے سفر ہے۔ اس لئے خدا کا پیغامبرؐ حضرت علیؓ کو تمام امانتیں جو اس "الصادق الامین" کے پاس دوست و دشمن دونوں کی جمع ہیں، سمجھا رہا ہے کہ وہ ان سب کو اہلِ حق کو دے کر پھر مدینہ آئیں۔

---

[1] نطاق۔ پٹکہ ۱۲

صبح صادق ہوتی ہے۔ داعئ حق خدا کا نام لیکر اُٹھتا ہے۔ اور حضرت علی رضؓ آپ کے بستر پر آرام فرماتے ہیں، باہر نکل کر دیکھتا ہے کہ دشمنوں کا محاصرہ ہے۔ سورۂ یٰسین وردِ زبان ہے اور جب فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ[1] پر پہنچتے ہیں تو زمین سے خاک اُٹھا کر اُس کو دشمنوں کی طرف پھینکتے ہیں۔ خدا کی مدد ساتھ دیتی ہے اور آپ دشمنوں کی نظر میں خاک جھونک کر صاف صحیح و سلامت نکل جاتے ہیں۔

آبادی کے باہر صدیقِ اکبرؓ اور اُن کا غلام دو اونٹنیاں لئے حاضر ہیں۔ ایک پر آپ سوار ہوتے ہیں، دوسری پر صدیقِ اکبرؓ،

غارِ ثور

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا

اگر تم نہ مدد کرو گے رسول کی تو اس کی اللہ نے مدد کی جس وقت اس کو نکالا تھا کافروں نے کہ وہ دوسرا تھا دو میں کا

فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (توبہ)

جب وہ دونوں تھے غار میں جبکہ وہ اپنے رفیق سے کہہ رہا تھا کہ تو غم نہ کھا بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے

غارِ ثور، جو مکہ سے چند میل پر واقع ہے۔ جب مسافت وہاں تک قطع ہوتی ہے تو خدا کا پیغامبر اور اُس کا صدیق اس میں داخل ہو جاتے ہیں اور دشمنوں کی دَوِش سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔

صبح کو جب دشمنانِ خدا کو اپنی ذلت و ناکامی کا علم ہوتا ہے تو سخت پیچ و تاب کھاتے ہیں۔ اور غم و غصہ میں آپ کے پیچھے دَوِش بھیجی جاتی ہے

---

[1] ہم نے آنکھوں پر پردے ڈالدیئے ہیں پس اب وہ نہیں دیکھتے ہیں ۱۲

ابوجہل بڑا انعام مقرر کرتا ہے کہ جو آپ کو گرفتار کر کے لائے وہ ہی اُس کا مستحق ہے۔

دَوِش پہاڑی پر پہنچ جاتی ہے اور غار کے سامنے ہی جستجو ہو رہی ہے، لیکن کور باطن ظاہری بینائی بھی کھو بیٹھے۔ ڈھونڈھتے ہیں پر کچھ نظر نہیں آتا۔

معجزہ[1]

قدرت کی صنّاعی دیکھئے کہ ان بدنصیب مشرکین کی آمد سے پہلے ہی غار کے منھ پر ایک مکڑی نے آکر جالا تن دیا اور فوراً ہی بحکم خدا ببول کا درخت اُگ آیا۔ کبوتر کے ایک جوڑے نے وہیں انڈے دے لئے وہ کور باطن یہ دیکھ کر آپس میں کہنے لگے کہ غار میں اگر کوئی شخص داخل ہوتا تو یہ جالا بھی ٹوٹتا اور انڈے بھی ٹوٹتے"

صدیقِ اکبر کو خوف ہے کہ کہیں خدا کا پیغامبر حق کا داعی ان ذلیل اور خونخوار دَرندوں کے ہاتھ گرفتار نہ ہو جائے۔ مگر سکینۃ و وقار کے پیکر، صبر و استقلال کی ہستی پر اتنا بھی اثر نہ ہوا کہ جتنا اُڑد پر سپیدی! ہنس کر فرمایا، لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا ابوبکرؓ فکر نہ کرو خدا کی مہربانی ہمارے ساتھ ہے آخر اس معیت کا شرف ابوبکرؓ نے وہ پایا کہ قیامت تک سرورِ عالم کے رفیق کہلائے۔

---

[1] اس معجزہ کے متعلق اگرچہ مشہور محدث زرقانی نے شرح مواہب لدنیہ میں مختلف طریقے بیان کر کے اس کو صحت تک پہنچایا ہے مگر حق یہ ہے کہ امام بخاری اور حافظ شمس الدین ذہبی جیسے ائمہ حدیث نے اس روایت کے دو راویوں کو ایسے الفاظ سے یاد کیا ہے جس کے بعد حدیث کا درجہ ضعیف تک پہنچ جاتا ہے اس لئے یہ روایت ضعیف ہے۔

حضرت ابوبکرؓ کے صاحبزادہ عبداللہ شب کے وقت غارہی میں سوتے اور صبح اندھیرے اُٹھ کر مکہ جاتے اور قریش کی چہ میگوئیاں سُن کر تمام حالات کا پتہ لگاتے۔ شب میں آکر اپنے والد اور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیان کر دیتے۔

عامر بن فہیرہ جو صدیقِ اکبر کے غلام تھے دن بھر بکریاں چراتے اور شام کو لوگوں کی نظروں سے بچ کر غار پر پہونچتے اور صدیقِ اکبر اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دودھ پیش کرتے۔

سراقہ

تین روز حفاظت سے غار میں بسر کر کے مدینہ کو روانہ ہوئے اور عام راستہ چھوڑ کر سمندر کے ساحل کی راہ اختیار کی۔

دوسرے دن جب دوپہر ہوا اور گرمی سخت پڑنے لگی تو حضرت ابوبکرؓ نے ایک چٹان کے سایہ میں چادر بچھا کر آپ کو آرام کرنے کے لئے کہا۔ اور خود کھانے کی چیز کی تلاش میں نکلے۔

ایک چرواہے کو بکریاں چراتے دیکھا۔ اُس سے ایک بکری کے تھن کو صاف کرایا اور پھر اُس سے دودھ دوہا اور غبار سے بچانے کے لئے برتن پر کپڑا لپیٹ کر خدمتِ اقدس میں لیکر حاضر ہوئے۔ اور پہلے آپ کو پلایا اور پھر خود پیا۔ اور دوپہر ڈھلنے کے بعد پھر روانہ ہو گئے۔

ابوجہل اعلان کر چکا تھا کہ جو شخص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو گرفتار کرے گا سو اونٹ انعام پائے گا۔ کسی شخص نے سراقہ کے سامنے بیان کیا

کہ ساحل پر مجھکو ایسا شبہ ہے کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) ہی ہیں۔

سُراقہ نے ابوجہل کے انعام کے شوق میں گھوڑا دوڑاتے ہوئے گرفتاری کے لئے پیچھا کیا۔ قریب پہنچا تو گھوڑے نے ٹھوکر کھائی گرا اور پھر اُٹھا اور آپ کا پیچھا کیا۔ سرورِ عالم اس کی طرف متوجہ ہوئے اور بددعا کی۔ سُراقہ کا گھوڑا گھٹنوں تک زمین میں سما گیا۔ سُراقہ نے معافی چاہی۔ گھوڑا اصلی حالت پر آ گیا۔ اب یہ سمجھا کہ اس انسان کے پاس کوئی دوسری قوت ہے، قریب ہے کہ اس کا دین غالب ہوا ور سب اہلِ مکہ ایک روز اُس کے علم کے نیچے جمع ہوں۔

عرض کیا کہ اے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) میں وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کے متعلق کسی سے تذکرہ نہ کروں گا مگر ایک التجا ہے، آپ نے اظہار کے لئے اشارہ فرمایا۔ اُس نے کہا کہ آپ ایک عہد نامہ لکھدیجے کہ اگر مکہ پر آپ کا قبضہ ہو تو مجھے اماں ہے۔ آپ نے صدیقِ اکبر کو اشارہ فرمایا اور عہد نامہ لکھ کر اُس کو دیدیا۔ سُراقہ واپس گیا۔ اور مکہ میں ابوجہل وغیرہ کو بطائف الحیل سے پیچھا کرنے کی کوشش سے روکا اور اس طرح اُن کا سارا مکرو فریب خاک میں مل کر رہ گیا۔

استقبال

وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ

اور جو لوگ جگہ پکڑ رہے ہیں اس گھر میں اور ایمان میں سے اُن سے پہلے وہ محبت کرتے ہیں اُن سے جو وطن چھوڑ کر آوے

فِی صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا اُوْتُوْا وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ کَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (حشر)

اُن کے پاس جو نہیں پاتے اپنے دل میں تنگی اس چیز سے جو مہاجرین کو دی جائے اور مقدم رکھتے ہیں انکو اپنی جان سے اگرچہ ہو اپنے اوپر فاقہ

پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لے جا رہے ہیں۔ راہ کا رہبر عبد اللہ بن اریقط لیثی ہے۔ جو اگرچہ مشرک ہے مگر اجرت پر دیانت کے ساتھ حقِّ خدمت ادا کر رہا ہے۔ اہلِ مدینہ سُن چکے ہیں کہ خدا کا پیغامبر، حق کا داعی آفتابِ نبوت، مکہ کو ترک کر کے آ رہا ہے۔ اور عنقریب یہ سعادت مدینہ کو نصیب ہونے والی ہے۔ اس خوشی و مسرت میں ہر کہ و مہ مصروف ہے اور ہر ایک بے قرار ہے کہ مدینہ سے باہر نکل کر خدا کے سچّے رسول کا استقبال کرے۔

مدینہ سے باہر انسانوں کا سمندر نظر آ رہا ہے۔ نبی کی آمد کے انتظار میں آنکھیں کھلی ہیں۔ اور دل مسرت سے بیقرار و بیچین ہیں۔ دو روز اسی طرح باہر نکلتے ہیں اور ناکام واپس جاتے ہیں۔ تیسرے روز غم و حزن سے واپس جا رہے ہیں کہ ایک یہودی راہب کی نظر آپ کے ناقہ پر پڑتی ہے وہ پکارتا ہے کہ اے یثرب والو! تمہارا مہمان آ پہونچا۔

یہ سنتا تھا کہ انسانوں کے سمندر میں لہر دوڑی۔ اور آن کی آن میں سارا جنگل مسرت و شادمانی کے نعروں سے گونج اُٹھا۔

سواریٔ مبارک آگے آگے آہستہ جا رہی ہے اور مشتاقانِ دیدار چاروں طرف سے ہجوم کیئے ہوئے ہیں۔

مدینہ کی آبادی کے قریب قبا چھوٹی سی بستی ہے۔ عورتیں اور بچے مکانوں کی چھتوں پر دیدارِ نبیؐ کے لئے بیتاب اور والہانہ شوق میں

بیقرار ہیں سواری پر نظر پڑتے ہی خدا کے نام کا آوازہ بلند ہوتا ہے اور اپنے معزز مہمان کے لئے سب فرشِ راہ ہو جاتے ہیں۔

قباؔ و مسجدِ قبا

آپ نے قبا میں چند روز قیامؔ فرمایا، قیامِ مبارک عمرو بن عوف کے قبیلہ میں ہوا۔ اور وہیں ایک مسجد کی بنیاد ڈالی۔ جس کی فضیلت میں قرآن عزیز کی یہ آیت نازل ہوئی ہے لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ

اسلام میں پہلا خطبہ

اور یہی وہ مبارک جگہ ہے جہاں داعیِ اسلام نے اسلام کے بارے میں سب سے پہلے خطبہ دیا۔ اور چودہ روز قیام کے بعد مدینہ طیبہ کی طرف قصد فرمایا۔

ماہِ ربیع الاول جمعہ کا دن ہے کہ آپ کی ناقہ مدینہ کا رُخ کرتی ہے حضرت علی بن ابی طالب بھی امانت والوں کو اُن کی امانتیں سپرد کرکے قبا پہونچ گئے ہیں۔ اور اب روانگیٔ مدینہ میں ہمرکاب ہیں۔

---

[1] مدینہ سے تھوڑے فاصلہ پر بالائی حصّہ ہے جہاں انصار کی مختصر آبادی تھی ۱۲ سلہ ۵ دنیائے تاریخ کا یہ عظیم الشان واقعہ ۲ ربیع الاول مطابق ۲۰ ستمبر ۶۲۲ء کو پیش آیا سلہ ۵ یہ مسجد (قبا) ہے جس کی بنیاد اول ہی روز سے تقوے پر رکھی گئی ہے یہ زیادہ مستحق ہے کہ آپ اس میں (قبا) قیام کریں، اسمیں ایسے آدمی بستے ہیں جو طہارت کو بہت پسند کرتے ہیں اور اللہ طہارت میں مبالغہ کرنیوالوں کو دوست رکھتا ہے ۱۲

آمدِ مدینہ

اہلِ مدینہ پر خوشی کا عالم طاری ہے کہ آج ہمارے یہاں خدا کا برگزیدہ پیغمبر رونق افروز ہونے والا ہے۔ سڑکیں، گلیاں، بازار، مکانوں کی چھتیں پٹی پڑی ہیں اور جدھر نظر اُٹھائیے انسان ہی انسان نظر آتے ہیں۔ اس تزک و احتشام کے ساتھ آپ مدینہ میں داخل ہوتے ہیں۔ مردوں، عورتوں اور بچوں کا یہ حال ہے کہ انتہائے محبت میں اور والہانہ شوق میں اشعار پڑھتے جاتے ہیں جن کا ترجمہ یہ ہے۔ کوہ وداع کی گھاٹیوں سے چودھویں رات کا چاند نکل آیا۔ ہم پر خدا کا شکر اس وقت واجب ہے جبتک دعا مانگنے والے دعا مانگیں اے وہ ذات جو خدا کی جانب سے ہمارے پاس بھیجی گئی ہے۔ تو ایسے امر کو لے کر آیا ہے جو ہر طرح قابلِ اطاعت ہے۔

اہلِ مدینہ بے چین ہیں کہ دیکھئے سعادتِ قیام کس کا نصیب ہے آنکھیں بچھاتے ہیں اور وفورِ شوق سے ہر ایک تمنائیں کرتا جاتا ہے کہ اس سعادت کا شرف مجھے عطا فرمائیے۔ ناقہ آہستہ آہستہ جارہی ہے اور آپ زیرِ تبسم فرماتے جاتے ہیں کہ میرا قیام میرے ارادہ پر موقوف نہیں مشیّتِ باری مقدر کر چکی ہے کہ جس جگہ میری اونٹنی قصوار خود بیٹھ جائے گی وہی میری جائے قیام ہے۔

ہر شخص اس سعادت کے حصول کا طالب ہے۔ مگر خاموش، وحی الٰہی سے سرتابی کس کی مجال، آخر قصوار اس جگہ بیٹھ گئی جہاں کہ آج مسجدِ نبوی ہے۔ سامنے ہی حضرت ابو ایوبؓ انصاری کا مکان تھا۔ ابو ایوبؓ

قریب تھا کہ شادیٔ مرگ ہو جاتے۔ تیزی سے بڑھے اور سامان اُتارنے لگے
ایک انصاری نے فرطِ رشک سے چاہا کہ اونٹنی کو اُٹھائیں تاکہ وہ
آگے بڑھے اور اُن کے مکان تک پہونچے، چوکا دیا تو ابو ایوبؓ انصاری
نے دیکھ پایا، آپے سے باہر ہو گئے اور فرمانے لگے قسم بخدا اگر نبی کی عظمت
کا خیال نہ ہوتا تو تجھکو اس حرکت کا مزہ چکھاتا۔

بہر حال اونٹنی اپنی جگہ سے نہ ہٹی اور آپ اُتر کر ابو ایوبؓ انصاری کے
مکان میں فروکش ہوئے۔ مکان کے دو حصّے تھے۔ ہر چند ابو ایوبؓ نے
چاہا کہ اوپر کا حصّہ آپ پسند فرمالیں لیکن آپ نے قبول نہ فرمایا۔ اور فرمایا
کہ میرے پاس آمد و رفت کا سلسلہ رہے گا جس کی وجہ سے تمہارے
اہل وعیال کو تکلیف ہو گی۔

اور بعض روایات میں ہے کہ جب رحمۃ للعلمین کی ناقہ قبا سے مدینہ
کو مستانہ وار روانہ ہوئی تو انصار حاضر ہوتے۔ اور ہر ایک خاندان
اپنی جان و مال، متاع و دولت کو خدمت میں پیش کرتا اور سعادتِ
قیام کا طالب ہوتا۔ آپ منتِ الٰہی کا شکر فرماتے اور اُن کے حق میں دعاء
خیر کرتے۔ اور آگے چلتے جاتے۔ خصوصیت کے ساتھ آپ کے ننھیالی رشتہ دار
ہتھیاروں سے سج کر جلو میں تھے۔ اور جوشِ محبت کا قدم قدم پر ثبوت دیتے جاتے تھے،
جب سواری بنی نجار کے محلہ تک پہنچی تو معصوم بچیاں دف بجا بجا کر
مسرت و شادمانی کا اظہار کرتیں اور یہ شعر پڑھتی جاتی تھیں۔

نَحْنُ جَوَارٍ مِنْ بَنِی النَّجَّارِ ۔۔۔ یَا حَبَّذَا مُحَمَّدًا مِنْ جَارِ

ہم بنی نجار کی خاندان کی لڑکیاں ہیں۔ مبارک ! محمد صلے اللہ علیہ وسلم کیا ہی اچھا ہمسایہ ہے۔

آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ تم مجھ سے محبّت کرتی ہو؟ کہنے لگیں ہاں۔ ارشاد فرمایا پھر میں بھی تم سے محبت کرتا ہوں۔"

آخر جب ناقۂ مبارک حضرت خالد (ابو ایوب) کے مکان کے سامنے پہنچی تو فرمایا یہی میری قیام گاہ ہے۔ حضرت ابو ایوب جو بنی نجار کے ایک فرد تھے اپنی اس خوش بختی پر باغ باغ ہو گئے۔

فتنۂ یہود۔

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ۝ (بقرہ)

ڈالی گئی ہے ان پر ذلت اور محتاجی، اور پھرے اللہ کا غصّہ لے کر

مدینہ میں اسلام کی یہ شہرت اور اس کا عروج دیکھ کر یہود کو فکر دامنگیر ہوئی اور چونکہ بغض و حسد ان کے مایۂ خمیر میں داخل ہے، جوشِ غضب نے اُس کو ابھارا اور اہلِ مدینہ کی اُس جماعت کو جس نے منافقت سے ظاہری طور پر اسلامی زندگی کو اختیار کر لیا تھا، اُکسایا کہ وہ پیغمبرِ اسلام اور مسلمانوں کے آڑے آئیں۔ اِس جماعت کا سرغنہ عبداللہ ابن ابی بن سلول تھا۔ جس نے منافقانہ زندگی میں نمایاں شہرت حاصل کی تھی۔ لیکن حق کے سامنے باطل کو ہتھیار رکھ دینے پڑے اور آخرِ کار یہود نے سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم سے اس بات پر معاہدہ کر لیا کہ آپ اُن کے ساتھ جنگ کا ارادہ نہ کریں۔ اور ہم کبھی آپ کی

اور مسلمانوں کی ایذار دہی کا ارادہ نہ کریں گے۔

فریضۂ جہاد

اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّہُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِہِمْ لَقَدِیْرٌ (حج)

حکم ہوا ان لوگوں کو جن سے کافر لڑتے ہیں اس واسطے کہ ان پر ظلم ہوا اور اللہ اُن کی مدد کرنے پر قادر ہے

اوراقِ گزشتہ میں پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کی تیرہ سالہ زندگی کا جو نقشہ سامنے آچکا ہے اُس سے ایک عقلمند یہ نتیجہ بآسانی نکال سکتا ہے کہ داعیٔ حق نے کس طرح اس طویل مدت میں مصائب و آلام پر صبر و استقلال، طعن و تشنیع پر سکوت، مار پیٹ پر ثبات قدمی، کا اظہار فرمایا۔ اور باوجود جان نثار جماعت کے بار بار طالبِ انتقام ہونے کے ایک لمحہ کے لئے بھی انتقامی کارروائی کو پسند نہیں فرمایا۔

مدینہ میں تشریف لائے ہوئے بھی ایک زمانہ گزر چکا۔ کفارِ مکہ۔ یہودِ مدینہ اور قبائلِ عرب سے نہ جنگ کا ارادہ ہے، نہ خیال، البتہ دعوتِ حق کا جذبہ جاری ہے۔ اور ہمہ تن اسی میں مصروفیت، لیکن فتنہ پرداز نہ خود چین سے بیٹھتے ہیں اور نہ آپ کو امن کی زندگی میں سانس لینے دیتے ہیں۔ ہر قسم کے علائق منقطع ہو جانے کے بعد بھی درپے ہیں کہ اسلام اور مسلمانوں کو دنیا سے نیست و نابود کر دیں۔ اور کسی طرح دنیا کی سطح پر اس کا اور اس کے داعی کا نام باقی نہ رہنے دیں،

یہودِ مدینہ اگرچہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ کر چکے ہیں مگر ساتھ ہی مشرکینِ مکہ سے آپ کے خلاف سازباز میں مصروف ہیں ادھر منافقین

کی منافقت سونے پر سہاگے کا کام کر رہی ہے۔ اندرونی و بیرونی طیاریاں ہورہی ہیں کہ خدا کے اس سچے رہبر و پیغمبر کو اور اُس کے لاتے ہوئے اسلام کے صحیح راستہ پر چلنے والوں کو ہمیشہ کے لئے تہِ خاک سُلادیں۔

اسلام جو کہ فطرت کے اصول کا حامل ہے اور محض رہبانیت اور جوگیت کی تعلیم نہیں دیتا، اب اُس نے بھی ارادہ کرلیا کہ اس فتنہ و فساد کا انسداد اور سدِّ باب ضروری ہے۔ ورنہ خُدا کے اُن بندوں (مسلمانوں) کی زندگی جو امن و عافیت اور تہذیب و رواداری کے ساتھ خاموش زندگی بسر کر رہے ہیں، نہ صرف خطرے میں پڑ جائے گی۔ بلکہ سچائی اور حق کا نام تک مٹ جانے کا اندیشہ ہے۔

اِس حمایتِ حق اور بقاءِ امن کی خاطر وہ پیغمبر جو رحمۃ للعالمین بنکر آیا ہے اور جس کا مقصدِ توحید خدا کے نام کو بلند کرنا اور دنیا میں فتنوں کو برباد کرکے امن و راستی کی راہ صاف کرنا ہے، آج خدا کے پیغام کا وہ حصّہ سناتا ہے جس کو اسلامی اصطلاح میں جہاد کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور جس کو مسخ کرکے یورپ کی عیسائی مشنریوں نے دنیا کے سامنے اس طرح روشناس کرایا ہے کہ تمدن و تہذیب کی یہ صحیح الفطرت تعلیم ایک حقیقت ناشناس نظر میں ظلم و تعدّی کی شکل میں نظر آتی، اور مسلم قوم کو خونخوار ظاہر کرتی ہے۔

حالانکہ یہی وہ تعلیم ہے جو ہر مذہب کے اصول میں ابتدائی جگہ لئے ہوئے

ہے وید کی تعلیم، زرتشت کی تعلیم، یہود کی تعلیم خود نصاریٰ کی موجودہ مذہبی تعلیم کے اوراق، اس کے شاہد اور ان کے مذاہب کی تاریخ کے اوراق اس کے گواہ ہیں۔

جہاد کی حقیقت

اَلْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ؕ (بقرہ)

اور دین سے بچلانا مار ڈالنے سے بھی زیادہ سخت ہے

اسلام میں جہاد کی حقیقت مذکورہ بالا معجزانہ جملہ میں ادا کر دی گئی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مفسد اور فتنہ پرداز جماعت کے مقابلہ میں مذہب اور دین حق کی حفاظت ازبس ضروری اور مقتضائے عقل کے مطابق ہے اور جہاد کی مشروعیت اسی حمایت کا حق ادا کرتی ہے۔ اور بس، تبلیغ و اشاعت مذہب کا نہ اس سے کوئی سروکار، اور نہ تاریخ اسلام میں اسکی کوئی نظیر، اشاعتِ اسلام کا سب سے بڑا حربہ وہ ہے جس کی تعلیم خود قرآنِ کریم نے اس طرح دی ہے اُدْعُ[1] اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ۔

ایک صاحب عقل و دماغ کے نزدیک حمایتِ حق اور حفاظتِ دین کے لئے کسی مفسد کے مقابلہ میں تلوار اُٹھانا نہ صرف درست ہے بلکہ فتویٰ عقل کے مطابق ضروری ہے اس لئے اس مقابلہ میں دفاعی اور

---

[1] بلاؤ اپنے رب کی راہ کی طرف دانائی، عمدہ نصائح کے ساتھ اور تبادلہ خیالات کرو اُن سے اچھے سلوک کے ساتھ۔

ہجومی کا فرق بھی کوئی معنی نہیں رکھتا۔

جن غیر مسلموں نے اس حقیقت کو نہیں سمجھا، یا سمجھنا نہیں چاہا، اُن کو بنظرِ عقل و انصاف اس پر دوبارہ غور کرنا چاہئے۔ اور خود اپنی طرف بھی ایک مرتبہ نظرِ غلط انداز ڈال لینی چاہئے۔

پہلا اسلامی لشکر

علماءِ اسلام نے جہادِ اسلامی کے دو حصّے کئے ہیں۔ ایک غزوہ۔ دوسرا سریّہ۔

غزوہ اُس جنگ کا نام ہے جس میں پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے بنفسِ نفیس شرکت فرمائی ہو، اور سریّہ اُس کا نام ہے کہ جس میں آپ نے شرکت نہ فرمائی ہو۔

فرضیتِ جہاد کے بعد پہلا اسلامی لشکر جو اہلِ مکہ کو شکست دینے کے لئے روانہ کیا گیا ہے اس کی سرکردگی نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضہ کے حصّہ میں آئی تھی۔ دشمنوں کے لشکر کی قیادت ابوجہل کے ہاتھ میں تھی۔

ابوجہل وہی مارِ آستین ہے جس نے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی ایذار کو اپنی زندگی کا نصب العین بنا لیا تھا۔ ابوجہل کا لشکر، جو دراصل شام کے علاقہ سے فراوانیٔ مال کے ساتھ اس خوشی میں آرہا تھا کہ اس کے ذریعہ استیصالِ اسلام میں بہت بڑی مدد ملے گی" تین سو آدمیوں پر

لہ دفاعی اور ہجومی مسئلہ جہاد کی دو اصطلاحیں ہیں۔ غیر مسلموں کے مسلمانوں پر جارحانہ اقدام کے مقابلہ میں مسلمانوں کی جنگ دفاع کہلاتی ہے اور فتنہ انگیزوں کی فتنہ انگیزی کے انسداد کے لئے اپنی جانب سے اقدام کا نام ہجوم ہے۔

مشتمل تھا۔ اور اسلامی لشکر میں صرف تیس مہاجرین تھے۔ لیکن جنگ کی نوبت نہیں آئی اور قبیلۂ بنی جہینہ کے ایک شخص مجدی بن عمرو جہنی کے درمیان میں پڑ جانے سے قصہ ختم ہو گیا۔

قریش کی آئے دن کی فتنہ پردازیوں کے سلسلہ میں اسی قسم کے دیگر متعدد سرایا بھی پیش آئے ہیں۔

ہجرت کا واقعہ چونکہ اسلامی زندگی کا نیا دور ہے اور اس سے تاریخِ اسلام میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوتا ہے۔ اس لئے فاروقِ اعظم عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں عام الفیل کے واقعہ کو تاریخی ترتیب سے علیحدہ کر کے ہجرت کے واقعہ سے اسلامی تاریخ کی بنیاد قائم کی اور چونکہ عربی سال کے اعتبار سے ربیع الاول اور محرم کے درمیان دو ماہ کا فرق رہتا تھا۔ اس لئے دو ماہ پیچھے ہٹا کر سنہ ہجری قائم کیا۔ اس لئے اب تاریخِ اسلامی کے واقعات کی ترتیب سنہ ہجری سے بیان کی جاتی ہے۔ لہذا واقعہ مذکورہ بالا ۱ سنہ ہجری کا ہے

پہلی جنگ

فرضیتِ جہاد کے بعد سب سے پہلی جنگ عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہ اور قریش کے ساتھ اس لئے پیش آئی کہ قریش نے مدینۂ طیبہ پر خفیہ جنگ کا ارادہ کر کے پہلے ہراول کو بطور آزمائش کے روانہ کیا تھا۔ جنگ کا نتیجہ مسلمانوں کے حق میں فتح اور اہلِ مکہ کے حق میں شکست پر ظاہر ہوا۔ اور اہلِ مکہ بری طرح میدانِ جنگ سے بھاگ نکلے۔ یہ واقعہ بھی ۱ سنہ ہجری کا ہے۔

پہلا غزوہ

بنی ضمرہ جو حوالیٔ مدینہ میں آباد تھے، اُنھوں نے مسلمانوں کے ساتھ صلح کرکے امن و آشتی کا معاہدہ کرلیا تھا۔ لیکن ۲ھ ہجری میں ان کی جنگجو اور مفسدانہ طبیعت نے گُدگُدایا اور نقض عہد کرکے جنگ پر آمادہ ہوگئے۔ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم خود بنفسِ نفیس اس آگ کے فرو کرنے کے لئے آمادۂ جنگ ہوئے۔ لشکرِ اسلامی باہر نکلا۔ بنی ضمرہ پر ہیبت طاری ہوئی اور اُنھوں نے عذر خواہی کرکے دوبارہ تجدید عہد نامہ و صلح کی درخواست کی۔ دربارِ رسالت میں دیر ہی کیا تھی۔ فوراً صلح کرکے جنگ کے ارادہ کا خاتمہ کردیا۔

غزوات

اس کے بعد قریش کی خفیہ و علانیہ ریشہ دوانیوں اور فتنہ انگیزیوں کی بدولت متعدد غزوات پیش آئے۔ جن میں بجز اُحد، اور غزوۂ حنین کے ابتدائی معرکہ کے تمام غزوات میں مسلمان کامیاب رہے اور دشمنوں کی فتنہ انگیزیاں ناکام و نامراد رہیں۔

ترتیبِ غزوات

حمایتِ اسلام اور فتنہ کے سدِّ باب کے لئے جو غزوات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگیٔ مبارک میں پیش آئے اُن کی ترتیب حسب ذیل ہے۔

سنہ ۲ ہجری:- غزوۂ وُدّان[1] - بُواط[2] - عشیرہ - بدرِ اولیٰ - بدرِ کبریٰ
قینقاع - سویق -
سنہ ۳ ہجری:- غُطفان - بحران - اُحد - حمرا الاسد -
سنہ ۴ ہجری:- بنی نضیر - ذات الرّقاع - بدر الآخرہ -
سنہ ۵ ہجری:- دومۃ الجندل - بنی المصطلق - خندق - بنی قریظہ
سنہ ۶ ہجری:- بنی لحیان - غابہ - حُدیبیہ -
سنہ ۷ ہجری:- خیبر -
سنہ ۸ ہجری:- مُوتہ - فتح مکہ - حُنین - طائف -
سنہ ۹ ہجری:- تبوک -

مذکورۂ بالا نقشہ سے یہ معلوم ہوا ہوگا کہ غزوات کی مجموعی تعداد کل ستائیس ہے - لیکن یہ تعداد محض اس لئے ظاہر کی جاتی ہے کہ اصحاب سیر نے سیرت کی کتابوں میں ہر اس واقعہ کو جس میں کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم صحابہ کی جماعت کے ساتھ تشریف لے گئے ہیں خواہ وہ کسی غرض سے پیش آیا ہو - غزوہ کے نام سے ذکر کیا ہے - ورنہ نو غزوات کے علاوہ بقیہ تمام غزوات جنگ سے خالی ہیں - مثلاً غزوۂ وُدّان، ابوا، غزوۂ بواط اور غزوۂ عشیرہ کا مقصد مشرکینِ مکہ کی اُن جماعتوں سے مدینۂ طیبہ کو محفوظ رکھنا، اور اس گروہ کی روک تھام کرنا تھا

---

[1] ودان مکہ اور مدینہ کے درمیانی مقام کا نام ہے جو ابوار سے چھ میل ہے اور مدینہ کے قریب ہے [2] مدینہ سے ینبوع کے قریب بنی جہینہ کی پہاڑیوں کا نام بواط ہے -

جن کا ظاہری مقصد تو تجارت کے لئے سفر کرنا ہوتا اور در اصل اس موقعہ کی تلاش و جستجو ہوتی کہ بنی اکرم (صلے اللہ علیہ وسلم) اور مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی قوت کا استیصال کرنے کے ذرائع بہم پہنچائے جائیں۔ اس کی تکمیل کے لئے یہودِ مدینہ کے ساتھ برابر سلسلۂ رسل و رسائل جاری تھا۔ یا مثلاً واقعہ حدیبیہ کی اصل بنیاد، نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کا ادائے حج کے لئے مکہ تشریف لے جانا تھا۔ مشرکین مکہ نے خود وہ صورت پیدا کر دی جس سے جنگ کا اندیشہ ہو گیا۔ اور آخر کار مسلمانوں کی انتہائی مصلحت و خیر اندیشی کی بدولت معاملہ صلح پر ختم ہو گیا۔

اسی طرح بعض وہ غزوات ہیں جن میں جنگ کی نوبت ہی نہیں آئی اور وہ اس لئے پیش آئے کہ یہودِ مدینہ، یا بعض دیگر قبائل نے نقضِ عہد کیا اور صلح کو توڑ کر مشرکینِ مکہ سے ساز باز کر لیا یا خود آمادۂ پیکار ہو گئے اور نتیجہ میں یا معافی مانگنی پڑی اور رحمۃ للعالمین نے اُن سے درگذر فرمایا اور یا جلا وطن ہونا پسند کیا اور مخالفت سے باز نہ آئے۔

نیز بعض غزوات کی حقیقت صرف یہ تھی کہ مشرکینِ عرب میں سے کسی نے اچانک مدینہ پر حملہ کر دیا۔ اور آپ نے مقاومت و حفاظت کی خاطر مقابلہ کا ارادہ کیا اور جنگ کے بغیر ہی دشمن بھاگ کھڑا ہوا۔ مثلاً غزوہ غطفان کی وجہ یہ پیش آئی کہ دُعثور غطفانی نے ایک جماعت لے کر مدینہ کو لُوٹ لینے کا ارادہ کیا اور چڑھ آیا۔ یا غزوہ بحران اس لئے پیش آیا کہ بنی سُلیم نے ایک مرتبہ مدینہ پر تاخت کا ارادہ کیا اور چڑھ

آئے ۔ یا غزوۂ ذات الرقاع بھی اس لئے پیش آیا کہ نجد کے قبائل بنو محارب و بنو ثعلبہ نے مدینہ پر چڑھائی کا ارادہ کیا، چنانچہ یہ اور اسی قسم کے تمام غزوات میں مسلمانوں نے صرف اپنی قوت کا مظاہرہ کیا، تاکہ دشمنوں کو اُن کے ذلیل اور ناپاک ارادوں میں کامیابی کا موقع نہ ملے۔ یہی وجہ ہے کہ جب مسلمانوں کی آمادگی کا حال معلوم ہوا۔ اور اُنھوں نے مقابلہ کی تاب نہ لاکر اپنے ارادۂ باطل کو فسخ کر دیا تو پھر مسلمانوں نے بھی اُن سے کوئی تعرض نہ کیا، اور معاملہ بغیر جنگ کے ہی ختم ہوگیا۔

غزوات جن میں جنگ ہوئی

البتہ صرف نو غزوات ایسے ہیں جن میں جنگ کی نوبت آئی اُن کے نام یہ ہیں ۔ بدر ۔ اُحد ۔ احزاب ۔ بنو قریظہ ۔ بنو المصطلق ۔ خیبر فتح مکہ ۔ حنین ۔ طائف ۔

عنقریب ان کی تفصیل آنیوالی ہے ۔ تاکہ ہر ایک غزوہ کے متعلق تفصیلی حالات معلوم ہو سکیں ۔

تفصیل سرایا

سرایا کی مجموعی تعداد انتالیس تک پہنچتی ہے ۔ ان کا مجموعی نقشہ ذیل میں درج ہے ۔

سنہ ۱ ہجری :- سریۂ حمزہ رض ۔ سریۂ عبیدۃ بن الحارث

سنہ ۲ ہجری :- سریۂ عبداللہ بن جحش ۔ سریۂ عُمیر ۔ سریۂ سالم ۔

سنہ ۳ ہجری :- سریۂ ابی سلمہ ۔ سریۂ عبداللہ بن اُنیس ۔ سریۂ مُنذر

سریہ مرثد۔

۵ ھ ہجری:۔ (اس سال کوئی سریہ پیش نہیں آیا)

۶ ھ ہجری:۔ سریہ محمد بن مسلمہ۔ سریہ عُکاشہ۔ سریہ محمد بن مسلمہ بجانب ذی القُصّہ۔ سریہ زید بن حارثہ۔ سریہ عبدالرحمٰن بن عوف۔ سریہ علی بن ابی طالب۔ سریہ زید ابن حارثہ بجانب وادی قُریٰ۔ سریہ عبداللہ بن عتیک۔ سریہ عبداللہ بن رواحہ۔ سریہ کُرز بن جابر۔ سریہ عمرو الضمری۔

۷ ھ ہجری:۔ سریہ ابی بکر۔ سریہ بشر بن سعد۔ سریہ غالب بن عبداللہ۔ سریہ بشر۔ سریہ اخرم۔

۸ ھ ہجری:۔ سریہ غالب۔ سریہ شُجاع۔ سریہ کعب بن عمیر، سریہ عمرو بن العاص۔ سریہ ابو عبیدۃ بن الجراح۔ سریہ ابو قتادہ۔ سریہ خالد۔ سریہ طفیل۔ سریہ قُطبہ بن عامر۔ سریہ علقمہ۔

۹ ھ ہجری:۔ سریہ علیؓ۔ سریہ عکاشہ۔

۱۰ ھ ہجری:۔ سریہ علی بجانب یمن۔ سریہ اُسامہ بن زید۔

واقعاتِ سَرایا پر ایک نظر

خوب یاد رہے کہ سَرایا کی جو تفصیل ہم نے اوپر بیان کی ہے وہ صرف اُس قول کے مطابق ہے جس کو اکثر علمارِ سیرت نے اختیار کیا ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں۔ عدد شماری میں اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ علمائے سیرت نے سَرایا کو صرف جنگ کے اندر ہی محدود نہیں رکھا بلکہ دعوتِ اسلام کی غرض سے یا کسی خاص شخص کو خدمتِ

اقدس میں حاضر کرنے کی غرض سے، یا کسی قوم اور قبیلے کو دعوتِ صلح دینے کی وجہ سے، یا اسی قسم کے دوسرے امور کی وجہ سے بھی اگر چند صحابہؓ مدینہ سے باہر تشریف لے گئے ہیں تو کتبِ سیر میں اُن کی اس روانگی کو بھی سریہ ہی کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے۔

مثلاً سریۂ منذر کی غایت اہلِ نجد کو اسلام کی دعوت دینا تھی۔ تقریباً چالیسؓ یا ساٹھ صحابہ جو کہ حافظِ قرآنِ عزیز تھے۔ وہ اس وفد میں شریک ہیں۔ لیجانیوالے شخص نے درمیان میں دھوکہ دیا اور ان حضرات کو جامِ شہادت پینا پڑا۔

اسی طرح سریۂ مرثد۔ سریۂ عبدالرحمن بن عوف۔ سریۂ خالد۔ بالترتیب قبائل عضل، قارہ اور اہلِ دومہ۔ و بنی جذیمہ کے سامنے دعوتِ اسلام پیش کرنے کے لئے بھیجے گئے جس میں سریۂ مرثد کے وفد کے ساتھ دھوکہ کیا گیا۔ اور حضرتِ خُبَیبؓ رضی اللہ عنہ اور اُن کے ہمراہی شہید ہوگئے اور بقیہ ہر دو وفد کامیاب واپس ہوئے۔

یا مثلاً سریۂ ابی سلمہ دو مجرم شخصوں کی طلب کیلئے بھیجا گیا۔ اسی طرح سریۂ عبداللہ ابن عتیک و سریۂ عبداللہ بن رواحہ وغیرہ۔

یا مثلاً سریۂ طفیل قبیلہ بنی طے کے محض ایک بت کے گرانیکے لئے بھیجا گیا تھا۔ اس لئے کہ اکثر بنی طے مشرف باسلام ہو چکے تھے۔

غرض یہ اور اسی قسم کے بہت سے وفد جنگ کے علاوہ دوسرے اُمور کی خاطر بھیجے گئے ہیں۔ مگر سیرت کی کتابوں میں سرایا ہی کے

نام سے موسوم ہیں۔

خلاصہ

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم مختلف مجالس اور سالانہ اجتماع میں تبلیغِ اسلام کی غرض سے تشریف لیجایا کرتے تھے۔ چنانچہ اس طرح بہت بڑی جماعت مشرف باسلام ہوگئی۔ مدینہ میں اسلام کی اشاعت اوّل اُن اشخاص کے ذریعہ سے ہوئی جو موسمِ حج میں آکر پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر بیعتِ اسلام کر چکے تھے جس کا ذکر عقبۂ اولی و عقبۂ ثانیہ میں آچکا ہے۔ اس کے بعد آپ کے تشریف لے جانے سے چند منافقین اور یہود کی جماعت کے علاوہ تمام اہلِ مدینہ اسلام کے جھنڈے کے نیچے آگئے۔ ہجرتِ مدینہ ۱۳ نبوۃ میں ہوئی۔ جبکہ اہلِ مکّہ اور اُن کے حلیفوں نے مسلمانوں پر صبر آزما مصیبتوں کے پہاڑ توڑے اور باوجود مسلمانوں کی صبر و خاموشی کے مسلم کشی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا بلکہ اُن کی درندگی و خونخواری میں اضافہ ہی ہوتا رہا۔ بالآخر مسلمان مدینہ چلے گئے اور اہل مدینہ نے اُن کو عزت و احترام کے ساتھ جگہ دی۔ قبا میں آپ کا قیام چودہ روز رہا۔ اور مدینہ پہونچکر حضرت ابوایوب انصاری رضؓ کے مکان میں قیام فرمایا۔

یہود نے ازراہِ حسد و کینہ پروری، اسلام کی اس ترقی کو خطرے کی نگاہ سے دیکھا۔ اس لئے منافقینِ مدینہ اور مشرکینِ مکّہ کے ساتھ اس لئے اسلام کے خلاف جنگجوئی میں سازباز شروع کر دیا۔ حمایتِ اسلام

اعلاء کلمۃ اللہ اور حفاظتِ خود اختیاری کی غرض سے جہاد فرض ہوا۔ سریہ حمزہؓ پہلا اسلامی لشکر ہے۔ قریش نے سنہ ۲ھ میں مسلمانوں سے جنگ کے ارادے پر بطور آزمائش کے ایک ہراول بھیجا تھا مسلمانوں نے اس کا مقابلہ کیا اور فتح پائی۔ یہ سریۂ عبیدہ کہلاتا ہے۔

غزوات کی تعداد ستائیس اور سرایا کی انتالیس ہے۔ غزوہ اس لشکر کو کہتے ہیں جس میں خود پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم شریک ہوئے ہوں۔ اور سرایہ اُس کو کہتے ہیں جس میں آپ شریک نہ ہوں۔

صرف نو غزوات میں جنگ کی نوبت آئی ہے۔

اکثر کتب سیرت کے طرزِ بیان سے ظاہر بیں نظروں کو یہ دھوکا لگتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ طیبہ کی زندگی کا بیشتر حصہ غزوات (جنگ) میں صرف ہوا ہے حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کہ مکۂ معظمہ میں سخت سے سخت مصائب وتکالیف کے باوجود صرف قریش سے ہی واسطہ تھا اور مدینۂ طیبہ آکر عداوت وبغض کا دائرہ اس قدر وسیع ہو گیا کہ مشرکین کے علاوہ یہود نصاریٰ اور منافقین کی دراندازیوں اور ریشہ دوانیوں نے چہار طرف سے مسلمانوں کی دینی و دنیوی حیات کو خطرہ میں ڈال دیا۔

تاہم حفاظتِ خود اختیاری۔ دفع فساد انسدادِ فتنہ اور اعلاء کلمۃ الحق "جہاد" کی جو زندگی اختیار کی گئی وہ دس سالہ مدت میں چند ماہ سے زیادہ نہیں نکلتی۔

باقی تمام عمرِ مبارک کا حصہ مکارمِ اخلاق، عبادات، درستی معاملات،

کی تعلیم غرض اصلاحِ معاش و معاد ہی میں مشغول نظر آتا ہے۔
مگر کور باطن اور متعصب عیسائیوں نے تعصب کی عینک لگا کر غزوات کی زندگی کو خوب آب و رنگ دیکر اسلامی تعلیم کو خونریز تعلیم ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ مگر چاند پہ خاک ڈالنے سے چاند پہ دھبّہ آ جائے ناممکن۔

سوالات

(۱) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سالانہ اجتماع اور مختلف مجالس میں کس غرض سے تشریف لے جاتے تھے؟
(۲) مدینہ میں اسلام کی اشاعت کیونکر ہوئی؟
(۳) ہجرتِ مدینہ کب اور کس لئے ہوئی؟
(۴) قبا میں آپ نے کتنے روز قیام فرمایا؟
(۵) اسلام میں پہلی مسجد کس جگہ تعمیر ہوئی
(۶) یہودِ مدینہ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ کا ارادہ کیوں کیا؟
(۷) جہاد کس لئے فرض ہوا؟
(۸) پہلی جنگ کب اور کیوں ہوئی؟
(۹) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے کس لشکر میں شرکت فرمائی؟
(۱۰) غزوات کی تعداد بیان کرو؟
(۱۱) سرایا کی تعداد بتاؤ۔
(۱۲) غزوہ اور سریہ میں کیا فرق ہے؟

(۷)

اہم غزوات

گزشتہ عبارت میں ذکر ہو چکا ہے کہ وہ غزوات جن میں فریقین کے درمیان جنگ پیش آئی ہے صرف نو ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ ان کی اور بعض دوسرے اہم غزوات کی مختصر کیفیت سامنے آجائے تاکہ ہم کو یہ معلوم ہو جائے کہ ان غزوات کی وجوہ کیا تھیں اور ان کا انجام کیونکر ہوا۔

بدر کبریٰ

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (آل عمران)

اور تمہاری مدد کر چکا ہے اللہ بدر میں اور تم بے مقدور تھے سو ڈرتے رہو اللہ سے شاید تم احسان مانو

اسی سلسلہ میں سب سے پہلا اور اہم وہ غزوہ ہے جو بدر کبریٰ کے نام سے مشہور ہے اور جس نے درحقیقت حق و باطل کا نمایاں فیصلہ کر دیا۔

بدر، ایک کنوئیں کا نام ہے جس کو بدر بن حارث یا بدر بن کلدہ نے بنایا اس لئے اس کے قرب و جوار کے تمام میدان کو بھی بدر کہتے ہیں یہ مقام مدینہ سے قریب مکہ کے راستہ میں تقریباً اسّی میل[۱] پر واقع ہے۔ واقعاتِ ماضیہ میں معلوم ہو چکا ہے کہ کفارِ مکہ کو پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کا مکہ سے صاف نکل جانا اور مدینہ میں شوکت و عظمت کے ساتھ بسر کرنا اور فداکارانِ اسلام میں روزافزوں ترقی ہونا بحد ناگوار اور کانٹے کی طرح

---

[۱] سلطانی راستہ پر مدینہ منورہ سے جنوب میں واقع ہے۔ یہاں سال میں آٹھ روز مسلسل میلہ لگتا ہے۔۱۲

کھٹکتا تھا۔ اسی لئے اُنھوں نے منافقینِ مدینہ اور یہودِ مدینہ سے سازباز شروع کر دیا۔ اور قریش چھوٹے چھوٹے جتھے اپنے اصلی مقصد کی کامیابی کے لئے مدینہ کے قریب اکثر گشت لگاتے رہتے تھے اور کرز بن جابر فہری مدینہ کی چراگاہوں پر لوٹ مار کرتا رہتا تھا۔ ان حالات کے بعد خدائے تعالیٰ نے اب مسلمانوں کو بھی مقابلے کی اجازت دی، اور جہاد مشروع فرما دیا۔ تب مسلمانوں نے بھی اس چھیڑ چھاڑ کا جواب دینا شروع کر دیا وہ یہ کہ اہلِ مکہ کا جو سلسلۂ تجارت شام سے وابستہ تھا اس میں رکاوٹ پیدا کرنی شروع کی تاکہ اہلِ مکہ کی وہ مالی قوت کمزور ہو جائے جس کے بل بوتہ پر وہ مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کی فکریں کرتے رہتے تھے۔ نیز اس تجارت کے حیلہ سے جو موقعہ ان کو منافقین و یہودِ مدینہ سے سازباز کا ہاتھ آجاتا تھا اس کا خاتمہ کر دیا جائے۔

قریش نے جب یہ دیکھا کہ اب مسلمان بھی خاموش رہتے نظر نہیں آتے اور ہماری دسیسہ کاریوں کا جواب ملنے لگا تو غور و خوض کے بعد ایک فیصلہ کن جنگ کے لئے خفیہ تدابیر شروع کر دیں۔ مگر جنگ کے لئے سب سے پہلے سرمایہ درکار تھا۔ اس لئے شام کی تجارت کے موسم میں ابوسفیان کی سرکردگی میں تجارتی قافلہ اس شان کے ساتھ بھیجا گیا کہ تمام مردوں کے علاوہ عورتوں نے بھی اپنا تمام سرمایہ اس قافلہ کے حوالہ کر دیا تاکہ منافع کی کثیر رقم جنگ کے سامان میں صرف کیجا سکے۔

ابوسفیان جب اپنے ساٹھ رفیقوں کے ساتھ شام سے کرد فر کے ساتھ

مکہ کو واپس ہونے لگا تو صحابہ کی جماعت میں سے کسی صحابی کو اس کی اطّلاع مل گئی۔

اُنھوں نے خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ یارسول اللہ ابوسفیان مالِ تجارت لیکر مکہ کو واپس جا رہا ہے۔

نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے (واقعات و حالات کی حقیقت پر نظر رکھتے ہوئے) ارشاد فرمایا کہ اس قافلہ پر قبضہ کرنا ازبس ضروری ہے۔ جلد سے جلد جو اشخاص تیار ہو سکتے ہوں وہ میرے ساتھ روانہ ہوں۔

۳ رمضان[1] تھی کہ تین سو تیرہ مسلمان اس بے سروسامانی کی حالت میں نکلے کہ صرف دو گھوڑے اور ستّر اونٹ اور معمولی اسلحہ کہ جن میں معدودے چند آدمیوں کے علاوہ کسی کے پاس زرہ تک نہ تھی۔

چونکہ عام طریقہ سے یہ شہرت تھی کہ ابوسفیان کے قافلہ سے مقابلہ ہے خاص اہتمامِ جنگ نہیں ہے اس لئے مسلمانوں کی ایک جماعت نے اس کی شرکت غیر اہم سمجھی اور مدینہ ہی میں مقیم رہے۔

صحیح مسلم میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے تصریح ہے کہ مدینہ سے روانگی کے وقت قافلۂ تجارت پر قبضہ مقصود تھا جنگ کا کوئی اہتمام نہ تھا۔

بہر حال نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن مکتوم رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں اپنا جانشین مقرر فرمایا۔ اور مصعب بن عمیر عبدری رضی اللہ عنہ

---

[1] بعض نے ۲ رمضان اور بعض نے ۱۷ رمضان روز جمعہ مطابق ۶۲۴ء کہا ہے ۱۲

کے ہاتھ میں علم دے کر کوچ کا حکم فرمایا۔

ابوسفیان کو جب اس کا علم ہوا تو فوراً ضمضم بن عمر غفاری کو اجرت دیکر مکہ دوڑایا کہ جاکر قریش کو اطلاع دے۔

قریش کو جب یہ معلوم ہوا تو نفیرِ عام ہوگیا اور سردارانِ قریش میں سے ابولہب کے سوا کوئی شخص مکہ میں نہ ٹھیرا اور ابولہب نے بھی اپنی جانب سے عاص بن ہشام بن مغیرہ کو شریک جنگ کیا۔ اور پورے جوش اور طمطراق کے ساتھ اس طرح نکلے کہ ایک ہزار جنگجو جن میں سو گھوڑے سوار اور پیادہ سوار فوج میں چھ سو زرہ پوش بے شمار اونٹ اور عمدہ اسلحہ و ساز و سامان ساتھ تھا۔

نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم جب مدینہ سے باہر نکلے تو دو جاسوس بسبس بن عمرو اور عدی بن ابوالزغبار قافلہ کے متعلق جدید معلومات کرنے کے لئے بھیجے۔

جب اسلامی لشکر روحا پہنچا تو مخبر نے اطلاع کی کہ مکہ سے زبردست لشکر مسلمانوں سے جنگ کی غرض سے آرہا ہے۔ اور قافلہ کی خبر لانے والے مخبروں نے اطلاع دی کہ کل یا پرسوں تک قافلہ "بدر" پہنچ جائے گا۔

نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فوراً مشورہ کے لئے جمع ہونے کا حکم فرمایا اور مسلمانوں کے اجتماع میں ارشاد فرمایا کہ قریش جنگ کے لئے آرہے ہیں اور ابوسفیان بھی تجارتی قافلہ کے ساتھ سفر کر رہا ہے۔ خدا نے بذریعہ وحی مجھ سے قافلہ اور لشکرِ قریش دونوں میں سے ایک گروہ پر کامیابی کا

وعدہ فرمایا ہے۔ تم رائے دو کہ ہم کو کس کا مقابلہ کرنا چاہئے۔ چونکہ صحابہ بالکل ہی بے سروسامانی کے ساتھ صرف قافلہ کے تعاقب کو نکلے تھے اس لئے ایک جماعت نے عرض کیا مناسب یہ ہے کہ قافلہ ہی سے مزاحمت کی جائے۔ جنگ کا موقعہ نہیں ہے۔ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو چونکہ وحی الٰہی کے ذریعہ معلوم ہو چکا تھا کہ اب خدا کی یہی مرضی ہے کہ قریشی لشکر سے مقابلہ ہو اور حق و باطل کا فیصلہ کن معرکہ پیش آئے تو آپ کے چہرۂ مبارک پر اس رائے سے ملال محسوس کر کے صدیق اکبر اور فاروقِ اعظم اور دوسرے مہاجرین نے قریش کے لشکر سے مقابلہ کی پُرجوش رائے دی۔ اور کہا کہ اگرچہ ہم بے سروسامان ہیں مگر ہم جاہ طلبی اور زرطلبی کے لئے مشرکین سے نہیں لڑتے۔ ہماری جنگ تو محض حق کی خاطر ہے اس لئے جماعت کی بے سروسامانی اور لشکر کی کمی بیشی کا کوئی سوال ہی نہیں۔ حتیٰ کہ مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ نے تو یہاں تک کہہ دیا۔ یا رسول اللہ ہم قومِ موسیٰ علیہ السلام نہیں ہیں کہ آپ سے یہ کہدیں فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ (تو اور تیرا رب جا کر لڑ آؤ ہم یہیں بیٹھے ہیں یعنی فتح ہوگی تو ہم بھی آجاویں گے) ہم تو اسلام کے جاں نثاروں میں ہیں۔ ہمارا قول تو یہ ہے فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا مَعَكُمَا مگر نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم بار بار انصار کی جانب اس لئے نظر اُٹھا کر دیکھتے جاتے کہ چونکہ بیعت کے وقت اُن سے یہ وعدہ تھا کہ

۱؎ تو اور تیرا رب لڑنے چلے ہم تم دونوں کے ساتھ ہیں۔ جہاد کا حکم دینا اللہ کی جانب سے دشمنوں کے ساتھ جنگ ہے ۱۲

اگر مدینہ پر کوئی آپ کا دشمن حملہ کرے گا تو ہم آپ کی حمایت میں اُس سے ضرور جنگ کریں گے۔ مگر باہر نکل کر میدان میں خود مقابلہ کے لئے صف آرا ہونے کا اُن سے کوئی وعدہ نہ تھا۔ اس لئے ضروری تھا کہ اس موقعہ پر جبکہ آپ کا ارادہ قافلہ کو چھوڑ کر قریش سے جنگ کرنیکا ہے تو انصار کی رائے صاف صاف معلوم کی جائے۔ نیز جبکہ اس جماعت میں ستر مہاجرین اور باقی انصار ہی تھے تو ضرور تھا کہ خصوصیت سے اُن کی رائے معلوم کیجائے جب انصار نے آپ کا رُخ اپنی جانب دیکھا تو حضرت سعد بن معاذ نے جو اوس کے بلکہ تمام انصار کے معزز سردار مانے جاتے تھے عرض کیا یا رسول اللہ آپ خصوصیت سے ہم سے دریافت فرمانا چاہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہاں! حضرت سعد نے عرض کیا۔ ہم آپ پر ایمان لائے، آپ کی تصدیق کی، آپ سے عہد و پیمان کر چکے، اب آپ کو کیا فکر۔ آپ خدا کے حکم کو ظاہر فرمائیے۔ اُس ذاتِ اقدس کی قسم جس نے آپ کو سچا رسول بنایا اگر آپ حکم دیں کہ سمندر میں کود جاؤ تو سمندر میں کود جائیں۔ کل آپ جنگ کریں گے تو دیکھیں گے کہ جنگ میں ہم کیسے صابر اور دشمن کے مقابلہ میں کس طرح ثابت قدم رہتے ہیں۔ ہمیں خدا سے امید ہے کہ وہ ہماری خدمات سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی کرے گا۔

نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے جب انصار کی فداکاری کا یہ عالم دیکھا تو چہرۂ مبارک خوشی سے دمکنے لگا۔ اور فرمایا کہ تم کو بشارت ہو کہ مجھکو خدا نے وہ تمام جگہ بتا دی ہے۔ جس جگہ صنادید قریش روسیاہ

ہو کر ہلاک ہونے والے ہیں۔

اُدھر ابوسفیان نے راہ بدل دی اور بدر کا راستہ چھوڑ کر ساحل کی راہ پر چل دیا۔ اور ساتھ ہی ایک قاصد بھیجکر قریش کو اطلاع کر دی کہ مقصد حاصل ہو گیا اب جنگ کی حاجت نہیں۔ واپس آجانا ہی بہتر ہے۔ اور مکہ کے بعض دیگر سرداروں کی رائے بھی یہی ہوئی کہ واپس ہونا بہتر ہے۔ مگر ابوجہل تو اس دن کا بیحد متمنی تھا۔ اس نے لشکر کو ابھارا کہ وقت آگیا ہے ضروری ہے کہ اب ہم مسلمانوں کو ہمیشہ کے لئے نیست و نابود کر دیں۔ ہمارا لشکر بہت بڑا ہے۔ سامانِ حرب تمام مہیا ہے۔ مسلمان بہت تھوڑی تعداد میں ہیں۔ اور سامانِ حرب بھی کچھ نہیں رکھتے پھٹے کپڑوں میں ٹوٹے پھوٹے ہتھیار لگا کر موت کے لئے آگئے ہیں (یہ نیتا کو غنیمت جانو) اور جنگ سے منہ نہ موڑو۔ ہم بدر ضرور جائیں گے اور فیصلہ کُن جنگ ضرور کریں گے۔

بنی زہرہ اور بنی عدی دو مشہور قبائلِ عرب نے ابوجہل کی اس ضد کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا اور شرکتِ جنگ سے انکار کر دیا۔ اور راستہ ہی سے مکہ واپس چلے گئے۔

بہر حال ایک جانب روحا، کے مسلمانوں کے تین سو تیرہ (۳۱۳) مجاہدین کا بے سروسامان لشکر بدر کی طرف بڑھا اور دوسری جانب سے عتبہ کی کمان میں ایک ہزار کا پُر شوکت لشکر بدر جا پہنچا۔

مسلمان جب بدر پہنچے تو دیکھا کہ قریش بدر کے اونچے حصہ پر چشموں پر

قابض اور صاف زمین پر مورچہ جمائے ہوئے ہیں۔ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجبوراً اس جگہ اترنے کا حکم فرمایا جہاں ریتلی زمین تھی اور انسانوں اور جانوروں کے پانوں دھنستے تھے۔ اور پانی سے بھی دور تھے۔

حباب بن منذر انصاری جوان معاملات میں بہت زیرک اور دور رس سمجھے جاتے تھے، عرض کیا یا رسول اللہ آپ کا اس جگہ کو پسند فرمانا وحی کے حکم سے ہے یا ہم کو جنگی داؤ پیچ کا موقع ہے۔ فرمایا تم اس سے بہتر رائے رکھتے ہو تو بتاؤ جنگ تو داؤ گھات ہی کا نام ہے۔ انھوں نے عرض کیا ہم کو آگے بڑھ کر چشمہ کے قریب اترنا چاہیئے تاکہ نشیب سے حوض کی طرح گڑھا کھود کر چشمہ کا رخ اپنی جانب کر سکیں اور آس پاس کے سب کوئیں بیکار کر دیئے جائیں۔ آپ نے حضرت حباب کی رائے کو پسند فرمایا اور آگے بڑھ کر چشمہ پر قبضہ کر لیا۔

ایفاء عہد

وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا ۝ (بنی اسرائیل)

اور پورا کرو عہد کو ضرور عہد ہے سوال کیا گیا

ادھر تو یہ ہو رہا تھا اور دوسری طرف جب پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم لشکر کی صفوں کی ترتیب میں مصروف تھے تو حذیفہ اور ابو حسل دو صحابی عین وقت پر پہنچے اور عرض کیا یا رسول اللہ جہاد کی سعادت کے حصول کی غرض سے حاضر خدمت ہو رہے تھے کہ مشرکین کی ایک جماعت نے ہم کو روکا اور کہنے لگے کہ مسلمانوں کی مدد کے لئے جاتے ہو؟ ہم نے

انکار کیا تب اُنھوں نے ہم کو آنے دیا۔ اب ہمارے لئے کیا حکم ہے؟
لشکرِ اسلام اگرچہ اس وقت امداد کا سخت محتاج ہے۔ لیکن آپ نے ارشاد فرمایا کہ عہد شکنی اسلام کی تعلیم نہیں۔ تم جب وعدہ کر چکے ہو تو شریکِ جہاد نہیں ہو سکتے۔

ادھر قدرت کا ہاتھ بھی اپنا کام کر رہا تھا۔ وہ ریگستان جہاں پر برسوں بھی بارش نہیں ہوئی تھی۔ یک لخت بادلوں سے گھر گیا اور ابرِ رحمت نے برس کر لشکرِ اسلام کی وہ اعانت کی کہ دشمنِ اسلام کے لشکر کا پڑاؤ دلدل بن گیا جس پر چلنا بھی مشکل تھا۔ اور اسلامی لشکر میں جہاں ریگستان تھا، بارش کی تیزی سے ریت جم کر پختہ زمین کی طرح ہو گیا اور مسلمانوں نے بارش کا پانی جمع کر کے افراط سے وضو اور غسل وغیرہ میں استعمال کیا۔ اور خدا کا شکر ادا کیا۔

جب اِدھر سے اطمینان ہوا تو حضرت سعد بن معاذ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم آپ کے لئے پھونس کا ایک سائبان کیوں نہ بنا دیں اگر خدا نے فتح دی تو فبہا ورنہ آپ بآسانی دوسری جانب سے سواری پر سوار ہو کر محفوظ مدینہ جا سکتے ہیں۔ خدا کی قسم وہ لوگ جو محض قافلہ کا مقابلہ سمجھ کر حاضر نہیں ہوئے آپ کی محبت میں ہم سے کم نہیں ہیں اُنہیں اگر یہ معلوم ہوتا کہ آپ کو ایسی سخت جنگ کا واسطہ پڑے گا تو آج ہماری طرح وہ تمام بھی آپ پر قربان ہونے کو یہاں موجود ہوتے آپ نے یہ سُنکر دعاءِ خیر کی اور فرمایا اے معاذ! اللہ تعالیٰ کو اس میں بھی خیر ہی منظور

ہے۔

اس کے بعد آپ کے لئے سائبان تیار کیا گیا۔

اِدھر یہ ہو رہا تھا اور قریش کے لشکر میں ایک ناگوار قصہ پیش آگیا حکیم بن حزام (جو بعد میں مسلمان ہو گئے) کے مشورہ سے قریش کے سر لشکر عتبہ بن ربیعہ نے یہ ارادہ کیا کہ ہم مسلمانوں سے جنگ نہ کریں، بلکہ سریہ عبداللہ بن جحش میں جو قریش کا ایک بڑا سردار عمرو بن الحضرمی مارا گیا تھا اُس کے بھائی عامر کو اُس کا خونبہا اپنے پاس سے دے کر آشتی اور صلح کے ساتھ واپس چلے جائیں۔ ابوسفیان تو بآسانی بچ کر نکل ہی گیا۔ اب فضول جانیں ضائع کرنے سے کیا فائدہ۔

ابوجہل نے جب یہ دیکھا کہ ابھی بنی زہرہ و بنی عدی نے رخنہ ڈالا تھا اور اب سرِ لشکر ہی رخنہ انداز ہے تو فوراً عامر بن حضرمی کو بلا کر کہنے لگا۔ دیکھا تمہارے بھائی کے انتقام کا بنا بنایا معاملہ بگڑا جا رہا ہے اور عتبہ کمزوری دکھا رہا ہے۔ عامر نے جب یہ سُنا تو جاہلیت کے دستور کے مطابق کپڑے پھاڑ، اور گریبان چاک کر، شور و شیون کرنے لگا۔

عتبہ نے جب ابوجہل کی یہ شرارت دیکھی تو اُس کو بہت غصہ آیا اور جوشِ بہادری میں آگے بڑھ کر مسلمانوں سے مقابلہ کی دعوت دینے لگا۔

جنگ شروع ہوئی اور جانبین سے صفیں درست کی گئیں[1]۔ تو اول

---

[1] نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے خود دستِ مبارک میں تیر لیکر مسلمانوں کے لشکر کی نہایت قرینہ سے صف بندی فرمائی ۱۲

قریش کی جانب سے تین بہادر میدان میں آئے۔ اسلامی لشکر سے بھی جواب دینے کے لئے حضرت علی، حمزہ بن عبد المطلب اور عبیدۃ ابن الحارث مقابل ہوئے۔ اسلامی بہادروں نے تینوں قریشیوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ اور ان میں سے حضرت عبیدہ زخمی ہوئے جن کو میدان جنگ سے اُٹھا کر خدمتِ نبوی میں پیش کیا گیا۔ آپ نے اُن کے چہرہ کا غبار صاف کر کے اُن کو پائے مبارک سے سہارا لگا کر لٹا لیا آخر اس زخم سے اُنھوں نے جامِ شہادت حاصل کیا۔

یہ وقت بھی عجیب تھا کہ ایک طرف مٹھی بھر فدا کارانِ اسلام جانبازی کے جوہر دکھا رہے ہیں۔ اور دوسری طرف نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سربسجود خدا کی درگاہ میں عاجزی فرما رہے ہیں۔ اور نہایت ہی بیخودی کے ساتھ فرماتے ہیں خدایا اگر آج یہ چند کلمہ گو مٹ گئے تو پھر قیامت تک تیری پرستش نہ ہوگی۔

کبھی ہاتھ اُٹھا کر دعا فرماتے۔ الٰہی تو نے جو وعدہ فرمایا ہے اب اس کو پورا فرما۔

اس کے بعد آپ اُٹھے اور آپ نے ایک مٹھی کنکریاں ہاتھ میں لے کر فرمایا شَاهَتِ الْوُجُوْه یعنی دشمن روسیاہ ہوں۔ اور ان کو ابوجہل کے لشکر کی طرف پھینکا جس کے معجزانہ اثر نے کفار کے تمام لشکر پر سنگ باری کا کام کیا۔ اِسی کو قرآنِ عزیز نے کہا ہے وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ رَمٰی، یعنی "سنگ باری کا یہ اثر تمہارے قبضہ کی بات

نہ تھی بلکہ یہ خدا کی قدرت کا نمونہ تھا" ساتھ ہی خدا کی طرف سے فرشتوں کی غیبی امداد[1] بھیجی گئی اور تھوڑی ہی دیر میں لشکرِ کفار درہم برہم ہو کر رہ گیا اور مکہ کے بڑے بڑے سردار اس میں کام آ گئے۔ جس سے مکہ والوں کی طاقت ہمیشہ کے لئے کھوکھلی ہو گئی۔ ابو جہل، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ ابن ربیعہ، ولید بن عتبہ، اُمیّہ بن خلف، جیسے سردار جو اسلام کی دشمنی میں ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے۔ ان ہی مقامات پر ہلاک ہوئے جن کا معجزانہ انداز میں پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے پہلے سے پتہ دیا تھا۔ ان کے علاوہ ستّر اہلِ مکہ اس جنگ میں ہلاک ہوئے۔ اور کثیر التعداد اسیر و زخمی ہوئے۔ اور باقی ابوسفیان کے ساتھ میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔ ابوجہل کے قاتل معوذ و معاذ بن عفراء، دو نوجوان انصاری ہیں جو اس موذی اسلام کے قتل پر حلف کر چکے تھے۔ اور بالآخر کامیاب ہوئے۔ تمام مشرکین کی نعشیں ایک گڑھے میں ڈال دی گئیں۔ اور اُمیّہ کی نعش چونکہ پھول کر بہت بھاری ہو گئی تھی اس لئے قتل گاہ ہی میں مٹی ڈالکر

---

[1] قرآن عزیز نے اس واقعہ کو اس طرح ادا کیا ہے اِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُمْ بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ وَلِتَطْمَئِنَّ بِهِ قُلُوبُكُمْ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِندِ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ (ترجمہ) اس وقت کو یاد کرو جبکہ تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تمہاری سن لی کہ میں تم کو ایک ہزار فرشتوں سے مدد دونگا جو سلسلہ وار چلے آویں گے۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ امداد محض اس حکمت کے لئے دی کہ غلبہ کی بشارت ہو اور تاکہ تمہارے دلوں کو اضطراب سے قرار ہو جائے اور واقع میں تو نصرت (اور غلبہ) صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے جو کہ زبردست حکمت والا ہے۔

چھپادی گئی۔

ابولہب شریک جنگ نہ تھا مکہ میں جب اس کو شکست کی اطلاع ملی تو غم وغصہ میں خاموش رہا اور مکان میں چلا گیا۔ سات روز بمصداق مُوتُوا بِغَيْظِكُمْ[1] اپنے غصہ میں گھل کر وہیں مرگیا۔ مسلمانوں میں چودہ شہید ہوئے جن میں چھ مہاجرین اور آٹھ انصار تھے۔ اور جو اسیر ہو گئے تھے اُن کو فدیہ (تاوان) دیکر چھڑا لیا گیا۔ مشہور تلوار ذوالفقار اسی جنگ میں ہاتھ آئی

فدیہ بصورت تعلیم

فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَاءً (محمد)

پھر یا احسان کیجیو اور یا معاوضہ لیجیو

اسیرانِ قریش میں دو قسم کے گروہ تھے۔ ایک مالدار، دوسرا غریب پیغمبر اسلام نے فیصلہ فرمایا کہ جو جماعت مالدار ہے اس کو مال لیکر رہا کردو اور جو غربار کی جماعت ہے اُس سے معاہدہ کرلو کہ وہ ایک خاص مدت تک مدینہ میں رہیں اور ہر شخص دس بچّوں کو لکھنے پڑھنے کی تعلیم دے یہی اُن کا فدیہ ہے۔ جس کو قریشی اسیروں نے بخوشی منظور کرلیا۔

آج بیسویں صدی ہیں جبکہ دنیا جدید تہذیب وتمدن کی مدعی ہے خصوصًا یورپ جو کہ اپنے آپ کو تہذیب جدیدہ کا بانی اور مجدد سمجھتا ہے کوئی ایسی ادنیٰ مثال بھی پیش کی جاسکتی ہے جو مجرموں اور دشمنوں کے

---

[1] اپنے غصہ میں گھل کر مرجاؤ ۱۲

ساتھ رواداری اور حسنِ سلوک میں اس درجہ کو پہونچ سکے جس کا مظاہرہ "اسلام" آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے کر چکا ہے۔

غزوۂ غطفان

اس غزوہ میں اگرچہ جنگ نہیں ہوئی لیکن ایک خاص واقعہ کی بنا پر جو کہ قابلِ ذکر ہے اس واقعہ کو بیان کر دینا ضروری ہے۔ سنہ ۳ [1] ہجری میں قبائلِ عرب کے دو قبیلے بنی ثعلبہ، و بنی محارب، دُعثور بن الحارث کی قیادت میں پانچسو چالیس سواروں کے لشکر کے ساتھ اس غرض سے نکلے کہ مدینہ پر ڈاکہ ماریں اور اس کو لوٹ لیں۔ دُعثور اپنے زمانہ کے مشہور شجاعوں اور بہادروں میں شمار کیا جاتا تھا، ربیع الاول کا مہینہ تھا کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہوا۔ آپ صحابہ کی مختصر جماعت کو لے کر مدافعت کے لئے مدینہ سے باہر نکلے اور مدینہ کی امارت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمائی۔ دعثور کو جب معلوم ہو کہ اسلامی لشکر مدافعت کو آرہا ہے تو اس پر رعب چھا گیا اور بھاگ کر مع تمام لشکر کے پہاڑوں میں جا چھپا۔ اتفاقاً اس روز بارش ہو گئی اور اسلامی لشکر بارش میں بھیگ گیا۔ اور سب آدمی کپڑے اُتار کر سکھانے لگے۔

عجیب واقعہ

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ [2] ٥ (مائدہ)

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی صحابہ کی طرح کپڑے اُتار ڈالے

---

[1] مطابق اپریل سنہ ۶۲۴ء [2] اور اللہ بچائے گا تجھکو لوگوں سے ۱۲

اور ایک درخت پر خشک کرنے کے لئے لٹکا دیئے۔ اور ایک درخت کے سایہ میں آرام فرمانے کے لئے لیٹ گئے۔

دُعثور نے پہاڑی کے کسی درے سے دیکھا کہ آپ تنہا ایک درخت کے نیچے آرام فرما رہے ہیں۔ موقعہ کو غنیمت جان کر تلوار ننگی کر کے سر پہ آپہنچا اور تلوار دکھا کر کہنے لگا کہ اے محمد بتاؤ آج تم کو میرے ہاتھ سے کون بچا سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ" دعثور آپ کے اطمینان، اور خدا پر توکل کے اس یقین کو دیکھ کر حیرت زدہ ہو گیا اور کانپنے لگا اور تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر گئی۔ آپ نے بڑھ کر تلوار ہاتھ میں اُٹھالی اور دعثور سے پوچھا کہ اب تو بتا کہ تجھکو میرے ہاتھ سے کون بچا سکتا ہے؟ دعثور نے کانپتے ہوئے کہا کہ لا احد (یعنی کوئی نہیں) رحمۃ للعالمین نے یہ سنکر اُس کو معاف کر دیا۔ اور کوئی تعرض نہ کیا دعثور نے جب آپ کے اس خُلقِ کریم کو دیکھا تو فوراً حلقہ بگوشِ اسلام ہو گیا۔ اور اپنی قوم کو بھی دعوت دی جس نے دعثور کی طرح بخوشی اسلام قبول کر لیا۔

یہ ہے اس ذاتِ قدسی صفات کا خلقِ کریم[1] جو مکارم اخلاق کا نمونہ بنکر دنیا کو اخلاق کے درجۂ کمال تک پہنچانے آیا تھا۔ وصلی اللہ علیہ و علیٰ آلہ

---

[1] آپ کی اس اخلاقی شان کو قرآن عزیز نے اسطرح بیان فرمایا فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ پس خدا کی رحمت ہی ہے آپ اُن کے لئے نہایت نرم ہیں اور اگر آپ بدگو اور سخت مزاج ہوتے تو یہ (صحابہ) سب آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے ۱۲

وصحبہ وسلم الف الف مرۃ۔

غزوۂ اُحد

ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ (آل عمران)

پھر تم پر اُتارا آسنگی کے بعد امن کو جو کہ اونگھ تھی کہ ڈھانپ لیا اس اونگھ نے بعضوں کو تم میں سے

مدینۂ طیبہ سے جنوبی جانب میں تقریباً دو میل پر یہ پہاڑ واقع ہے شوال ۳ھ[1] میں اسی پہاڑ پر وہ اہم غزوہ ہوا جس کو غزوۂ احد کہتے ہیں۔ اس غزوہ میں اللہ تعالیٰ نے اول مسلمانوں کو کامیاب فرمایا لیکن مسلمانوں نے اپنی ہی غلطی سے اس کو شکست سے بدل دیا۔

واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ بدر میں جو زخم قریش کو لگ چکا تھا وہ ابھی تک ہرا تھا۔ حتیٰ کہ ابوسفیان عہد کر چکا تھا کہ اس وقت تک غسل نہ کروں گا اور نہ لباس تبدیل کروں گا جب تک کہ بدر کے مُردوں کا بدلہ مسلمانوں سے نہ لے لوں، اور ایک ابوسفیان ہی نہیں، تمام چھوٹے اور بڑے اسی دھن میں تھے کہ مسلمانوں سے بدر کا انتقام لیا جائے۔ عورتیں نوحہ کرتیں اور مردوں کو غیرت دلاتیں کہ تمہاری یہ زندگی لعنت ہے تاوقتیکہ تم اپنے عزیزوں کا بدلہ نہ لے لو۔

غرض انتقام و غضب کی جو لہریں عرصہ سے دلوں میں اُٹھ رہی تھیں، اُنھوں نے کام کیا۔ اور مکہ اور اُس کے قرب و جوار میں تمام قبائل کو دعوتِ جنگ دی گئی۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ تین ہزار سے زائد لشکرِ جرّار، ابوسفیان کی

---

[1] مطابق جنوری ۶۲۵ء

سرداری میں مسلمانوں کو نابود کرنے کے لئے نکلا اور اُحد کے سامنے پڑاؤ کیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ حال معلوم ہوا تو آپ بھی ایک ہزار جماعت کے ساتھ مقابلہ کو نکلے۔ لیکن مسلمانوں کی جماعت میں تین سو منافق بھی شریک تھے جن کی سیادت منافقوں کے سردار عبداللہ بن اُبّی بن سلول کے ہاتھ میں تھی۔

یہ جماعت مسلمانوں کے ساتھ اس لئے نکلی تھی کہ درمیان میں پہنچکر لشکرِ اسلام سے علیحدہ ہو جائیں گے تاکہ کمزور دل مسلمانوں پر اس کا اثر پڑے اور وہ اپنی جماعت کی کمی کو محسوس کر کے جنگ سے انکار کر دیں، اور اس طرح مکہ والوں کو فتح اور مسلمانوں کو شکست ہو جائے۔ یہ وہ خفیہ سازش تھی جو عرصہ سے منافقین اور قریشِ مکہ کے درمیان طے شدہ تھی۔

آخر یہی ہوا کہ رستہ ہی سے یہ تین سو کی جماعت لشکرِ اسلام سے علیحدہ ہو کر مدینہ واپس آگئی مگر فدا کارانِ اسلام پر اس کا ذرہ برابر بھی اثر نہ ہوا۔

اور اُن فدایانِ اسلام کے قلوب پر اس منافقت کا اثر ہو بھی کیا سکتا تھا جن کے بچوں میں اسلام کی فداکاری کا جذبہ اس درجہ موجزن تھا کہ جب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے باہر نکل کر لشکر کا جائزہ لیا ہے تو بچوں کو واپس کر دینے کا حکم فرمایا۔ رافع بن خدیج جو ابھی نوعمر لڑکے تھے یہ دیکھ کر ایڑیوں کے بل مجمع میں کھڑے ہو گئے تاکہ وہ قد کے اعتبار سے

نوجوانوں میں شمار ہو کر جہاد فی سبیل اللہ کے جذبۂ صادق کو پورا کریں۔ ان
کی یہ ترکیب چل گئی اور ان کو بھی داخلِ لشکر کر لیا گیا۔ اس کے بعد سمُرہ
بن جُندب کی باری آئی تو یہ نوعمر لڑکوں میں شمار کر لئے گئے۔ اور واپس
جانے کا حکم ملا۔ اس پر سمرہ رونے لگے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں
تو رافع کو پچھاڑ دیتا ہوں۔ جب اس کو آپ نے داخل کر لیا۔ تو مجھ کو
کیوں شامل نہیں کیا جاتا۔ چنانچہ دونوں کی کشتی کرائی گئی تو واقعی
سُمرہ نے رافع کو پچھاڑ دیا۔ اس پر وہ بھی شامل جہاد کر لئے گئے۔

بہرحال آپ نے لشکرِ اسلام کو اس طرح مرتب فرمایا کہ اول اُحد
کو پسِ پشت لیکر تمام لشکر کی صف بندی فرمائی۔ اس کے بعد آپ نے
پچاس تیر اندازوں کی ایک جماعت کو حضرت عبداللہ بن جُبیر کی سیادت
میں پہاڑ کے ایک درہ پر بیٹھ جانے کا حکم فرمایا کہ خواہ نتیجہ ہماری فتح ہو
یا شکست تم اس درہ کو نہ چھوڑنا۔

جب دونوں جماعتیں برسرِ پیکار ہوئیں تو تھوڑی ہی دیر میں خدا
کی مدد نے مسلمانوں کا ساتھ دیا۔ اور کفار کا لشکر درہم برہم ہو کر بھاگ
لگا۔ تیر اندازوں نے جب دیکھا کہ کفار نے راہِ فرار اختیار کی اور مسلمان
کامیاب ہوئے تو مال غنیمت حاصل کرنے کے لئے درہ چھوڑنے پر آمادہ ہو گئے
ہر چند اُن کے سردار عبداللہ بن جُبیر نے منع کیا لیکن اُنھوں نے فتح کی
خوشی میں کوئی پرواہ نہ کی۔

خالد بن ولید نے "جو ابھی تک اسلام نہ لائے تھے اور ان کی

تلوار حمایتِ قریش میں پیش پیش تھی" جب یہ دیکھا کہ تیر اندازوں کی جماعت سے درہ خالی ہے اور درہ سے گذر کر لشکرِ اسلام پر بآسانی حملہ کیا جا سکتا ہے تو فوراً شکست خوردہ جماعت کو اکھٹا کرکے درہ میں داخل ہو گئے اور مسلمانوں پر اچانک ٹوٹ پڑے مسلمان اس اچانک حملہ سے پریشان ہو گئے اور منتشر ہونے لگے مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور جلیل القدر صحابہ مثلاً ابوبکر صدیق، فاروقِ اعظم، حیدرِ کرّار، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت حارث بن صمّہ (رضی اللہ عنہم) وغیرہ اپنی جگہ پر ثابت قدم رہے۔ اِسی معرکہ آرائی میں ایک کافرِ شقی نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے پتھر پھینک مارا جس سے آپ کا ایک دندانِ مبارک شہید ہو گیا، اور خود کے سر میں گھس جانے اور زرہ کی کڑیوں کی زد سے چہرۂ مبارک اور بازوؤں پر بھی زخم آئے۔ اور آپ اس صدمہ سے قریب کے ایک غار میں گر پڑے۔ یہ دیکھ کر کفار نے پکار دیا کہ اِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا) اس سے مسلمانوں میں اور زیادہ انتشار ہو گیا اور بے چینی پیدا ہو گئی۔ لیکن فوراً ہی اُن صحابہؓ نے جو کہ جنگ میں برابر ثابت قدم تھے مسلمانوں کو للکارا اور کہا کہ اگر یہ خبرِ وحشت اثر صحیح ہے تو اب ہم زندہ رہ کر کیا کریں گے، آؤ اور جنگ کا فیصلہ کرکے دم لو۔ یہ سُنکر مسلمان پلٹ پڑے۔ مگر نقشۂ جنگ بدل چکا تھا اور قریش بظاہر کامیاب ہو کر میدان سے الگ ہو چکے تھے۔ صحابہؓ نے میدان کی طرف دوبارہ رُخ کیا تو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی حیات کا مژدۂ جانفزا سُنا

اس وجہ سے اُن کے دل میں بھی سکون پیدا ہوگیا۔ مگر قریش یہ کہتے گئے کہ آئندہ سال بدر میں پھر معرکہ کے لئے طیار رہو۔

حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما نے اس خود کو جو کہ سر مبارک میں گھس گیا تھا نکالا اور زخموں کو دھو یا مگر خون کسی طرح نہ تھمتا تھا۔ تب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بوریا جلاکر زخموں میں بھر دیا جس سے خون رُک گیا۔

اس جنگ میں ستّر صحابہ شہید ہوئے۔ اور بہت سے زخمی، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ جو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے چچا اور اسلام کے مشہور بہادروں میں تھے اسی جنگ میں شہید ہوئے اور سیّد الشہدا کا لقب پایا۔ کفار نے انسانیت سے الگ ہوکر خونخوار درندوں کی طرح مردہ نعشوں کے ناک، کان کاٹ ڈالے، حتیٰ کہ ہند، زوجۂ ابوسفیان نے حضرتِ حمزہ کا جگر نکال کر چبا ڈالا حضرت حمزہ کا قاتل وحشی غلام تھا جو بعد کو اسلام میں داخل ہوگیا۔ اور اس جرم عظیم کے باوجود مسلمانوں کا بھائی بن گیا۔ قریش کے اس جنگ میں کل ۲۳ آدمی کام آئے۔

رسولؐ سے محبت

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غار میں گر جانے سے جو خبر وفات پھیل گئی تھی، وہ شدہ شدہ مدینہ میں پہونچ گئی۔ یہ روح فرسا خبر سنکر حضرت فاطمہ (رضی اللہ عنہا) اور بعض دوسری عورتیں بھی سراسیمہ ہوکر میدان میں آپہونچیں۔

انصار میں سے ایک عورت مدینہ سے میدانِ جہاد میں آ رہی ہے میدان سے بعض مسلمان واپس جاتے ہوئے ملے۔ عورت نے دریافت کیا کہ کیا سانحہ گذرا۔ لوگوں نے تسکین دیتے ہوئے کہا کہ اے عورت صبر کر کہ تیرا شوہر میدانِ جہاد میں شہید ہو گیا۔ اس نے انا للہ پڑھا، اور پھر پوچھا کہ اور حال سناؤ۔ کسی نے کہا کہ افسوس تیرا بھائی کام آیا۔ اس پر عورت کہتی ہے کہ خدا اس کو جنت عطا فرمائے، خدا را یہ بتاؤ کہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کیسے ہیں۔ سب نے کہا کہ خدا کا شکر ہے صحیح وسالم ہیں۔ عورت نے حمدِ خدا کی اور کہنے لگی کہ خدا کا پیغمبر صحیح وسالم ہے تو کل جہان میری نظر میں صحیح وسالم ہے! مرنے والے مرتے ہیں مگر خدا کا پیغمبر رحمۃ للعالمین جیسی نعمت ہمارے پاس موجود ہے تو سب کچھ ہے

غزوۂ بنی المصطلق

شعبان ۵ھ[1] ہجری میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ حارث بن ضرار بنی مُصطلق کا سردار مسلمانوں کے مقابلہ میں جنگ کی تیاریاں کر رہا ہے۔ یہی شخص اس سے قبل قریش کا حلیف بن کر غزوۂ اُحد میں مسلمانوں کے مقابلہ میں آ چکا تھا۔ مسلمانوں کو جب اس کا علم ہوا تو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ کو مدینہ پر والی مقرر کر کے بنی مصطلق کے مقابلہ کا ارادہ فرمایا۔ مسلمانوں کا لشکر تیار ہو کر پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کی سیادت میں روانہ ہوا۔

---

[1] مطابق دسمبر ۶۲۶ء

حضرت صدیقہؓ اور حضرت ام سلمہؓ اس غزوہ میں آپ کے ہمراہ تھیں،
لشکرِ اسلامی جب اس قبیلہ کے پاس پہنچا تو اُنھوں نے دیکھا کہ بنی مصطلق
کا ایک جاسوس، لشکر کی نقل و حرکت کو بغور دیکھ رہا ہے۔ اہلِ لشکر
نے اس کو گرفتار کیا اور بنی مصطلق کے حالات دریافت کیے مگر اُس
نے کچھ پتہ نہ دیا، اور چاہا کہ دھوکہ دیکر نکل جائے مگر فرار نہ ہوسکا اور
مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوا حارث، سردارِ بنی مصطلق نے دیکھا
کہ مسلمان سر پر آپہنچے اور ہمارا منصوبہ خاک میں مل گیا تو بہت گھبرایا
اور قبیلہ کے بعض افراد تو ہیبت کھاکر حارث کے لشکر سے فرار ہو گئے۔
بہرحال جب لشکر خزاعہ کے مشہور چشمہ یریسیع پر پہنچا تو دونوں طرف
سے جنگ چھڑ گئی۔ مسلمانوں کے پہلے ہی حملہ نے دشمن کو تتر بتر کر دیا
اور دشمن کی فوج کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ دس آدمی قتل ہوئے، کچھ
بھاگ گئے، اور باقی اسیر ہوئے۔ اسیرانِ جنگ میں کثرت سے عورتیں
مرد، بچّے، اور دو ہزار اونٹ، پانچ ہزار بکریاں اور دیگر مالِ غنیمت ہاتھ آیا
بنی مصطلق، قبائلِ عرب میں حفاظتِ اہل و عیال، اور شرفِ نسب
میں خصوصًا عورتوں کی عفت کی حفاظت، میں مشہور تھے ان کو اس
طرح عورتوں اور بچّوں کا گرفتار ہونا سخت گراں گذرا اور مشورہ کرکے
خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے۔ اور اپنی عہد شکنی اور قریش کی بیجا
حمایت پر ندامت کا اظہار کرتے ہوئے اسیرانِ جنگ کی رہائی کی درخواست کی۔
آپ نے فرمایا اب معاملہ تنہا میرے ہاتھ میں نہیں ہے مالِ غنیمت تقسیم ہوچکا

تم ظہر کے وقت مسجد میں میری موجودگی میں اپنی درخواست کو دہرانا
تاکہ مسلمانوں پر اس کا اثر پڑے۔ بنی مصطلق نے حسبِ ارشاد ایسا ہی کیا
آپ خاموشی سے حضرات صحابہ کی طرف دیکھنے لگے۔

اس سے قبل یہ واقعہ پیش آچکا تھا کہ سردارِ قبیلہ کی بیٹی بَرّہ جو اسیرانِ
جنگ میں شامل تھیں تقسیم مال غنیمت کے وقت لائی گئیں تو صحابہ نے
عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ اپنی قوم کے سردار کی بیٹی ہے۔ مناسب یہ ہے
کہ اس کو آپ اپنے نکاح میں لائیں، اس کی بھی عزت بڑھے گی اور اہل
قبیلہ پر بھی اچھا اثر پڑے گا۔ آپ نے اس مشورہ کو قبول فرمایا اور برّہ
اس طرح آزاد ہوکر ام المومنین بنگئیں،

بہرحال بنی مصطلق کے معاملہ میں آپ نے اس طرح صحابہ کی طرف
دیکھا گویا کہ آپ اُن کے حق میں سفارش کر رہے ہیں تو تمام صحابہ نے
مشورہ کیا اور کہا کہ آپ کی مرضی یہی معلوم ہوتی ہے کہ ہم تمام اسیرانِ
جنگ کو رہا کر دیں، نیز حقیقت بھی یہی ہے کہ جب بنی مصطلق پیغمبر صلے
اللہ علیہ وسلم کے "برّہ کے رشتہ سے" اقربا میں داخل ہو گئے تو
کسی طرح مناسب نہیں کہ ان کو غلام بنا کر اپنے قبضہ میں رکھا جائے' یہ
مشورہ کرنے کے بعد تمام قیدی رہا کر دیئے گئے، بنی مصطلق نے برّہ کے
رشتہ، اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے خلقِ حسَن اور آپ کے اصحاب
کا یہ باعزت معاملہ، دیکھ کر بیحد مسرت کا اظہار کیا اور فوراً تمام قبیلہ
مسلمان ہو گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت برّہ کا نام جُوَیریہ رکھا۔

غزوۂ خندق یا احزاب

وَلَمَّا رَأَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ
(احزاب)

اور جب دیکھی مسلمانوں نے فوجیں بولے یہ وہی ہے جو وعدہ دیا تھا ہم کو اللہ نے اور اس کے رسول نے اور سچ کہا اللہ نے اور اس کے رسول نے

غزوات میں یہ غزوہ نہایت ہی اہم، اور اپنی نوعیت کا نرالا ہے اس لئے کہ اس غزوہ میں قریشِ مکہ، قبائلِ عرب، اور قبائلِ یہود، سب متفق و متحد ہو کر مسلمانوں کو ہمیشہ کے لئے نابود کر دینے کا ارادہ کر کے ۵ھ[1] ہجری میں ابوسفیان کی قیادت میں دس ہزار کا عظیم الشان لشکر لے کر مدینہ پر آچڑھے۔

نبیؐ کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس معاملہ میں صحابہ سے مشورہ کیا اور مختلف مشوروں کے بعد حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورہ کو آپ نے اور تمام مسلمانوں نے پسند کیا اور اسی پر عمل کیا۔

حضرتِ سلمانؓ نے عرض کیا کہ اہلِ فارس کا دستور ہے کہ وہ باہر نکل کر بہت کم مقابلہ کرتے ہیں بلکہ شہر کے چاروں طرف خندق کھود کر حفاظت کے ساتھ مقابلہ کرتے ہیں۔

حضرت سلمانؓ کے مشورہ کے مطابق چھ روز مسلسل مسلمانوں نے خندق کھود دی۔ خدا کے پیغمبر، اسلام کے داعی، سرورِ کونینؐ بھی بنفسِ نفیس عام مسلمانوں کے ہمراہ ایک مزدور کی طرح خندق کھودنے میں برابر شریک رہے۔

---

[1] مطابق فروری ۶۲۷ء

اتفاقاً ایک جگہ زمین میں ایک بڑا پتھر نکل آیا۔ جو کھدائی میں حارج ہو گیا۔ ہر چند صحابہ نے طاقت آزمائی کی مگر پتھر پر کسی ضرب کا اثر نہ ہوا جب آپ کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو آپ اس جگہ تشریف لے گئے اور کدال کا ایک ہی ہاتھ مارا تھا کہ پتھر مٹی کی طرح پس کر رہ گیا۔

مسلمان، یہود بنی قریظہ کی عہد شکنی اور منافقین کے منافقانہ طرزِ عمل سے بہت متاثر تھے اب مسلسل چھ روز خندق کی پناہ میں رہنے سے اور زیادہ مضطرب و پریشان ہونے لگے کہ خدا کی نصرت نے یاری کی یعنی ایک طرف تو لشکرِ کفار ہی میں ایک شخص نعیم بن سعود الغنی کو کھڑا کر دیا۔ یہ شخص دل میں اسلام کی صداقت قبول کر چکا تھا۔ اس نے قریش اور یہود کے درمیان اپنی تدبیر کار سے بے اعتمادی پیدا کر دی اور دونوں نے ایک دوسرے کے ساتھ مل کر جنگ کرنے سے[1] انکار کر دیا اور دوسری جانب تند ہوا کا ایسا زبردست طوفان اُٹھا کہ جس نے آن کی آن میں دشمنوں کے لشکر کو درہم برہم کر دیا، تمام خیمے اُکھڑ کر گر گئے سارے لشکر میں ابتری ہو گئی۔ غرض ان دونوں واقعات نے کفار کے لشکر کو منتشر کر دیا اور سب محاصرہ چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے اور

---

[1] جب محاصرہ کو زیادہ مدت گذر گئی تو قریش نے اپنے حلیف یہودیوں سے فیصلہ کن جنگ کے لئے اصرار کیا۔ یہود نے جواب دیا کہ ہمیں یہ کیسے اطمینان ہو کہ اگر جنگ کا پلہ مسلمانوں کے حق میں بھاری ہوا تو تم ہم کو چھوڑ کر بھاگ جاؤ گے اس لئے ضمانت کے طور پر اپنے کچھ معزز آدمی ہمارے حوالے کردو۔ یہ قریش کو سخت ناگوار گذرا اور اس طرح خدائے تعالےٰ نے اُن کے آپس میں پھوٹ ڈال دی ۱۲

اس طرح خدا نے مسلمانوں کو ان کے شر سے نجات دی۔

بنی قریظہ

اِس سے فارغ ہوتے ہی لشکرِ اسلام بحکمِ الٰہی بنی قُریظہ کی طرف متوجّہ ہوا۔ تاکہ اب اُن کی خفیہ ریشہ دوانیوں اور پیہم عہد شکنیوں کا خاتمہ کر دیا جائے اور آئندہ یہ مارِ آستین آئے دن اس طرح کے فتنے نہ اُٹھا سکیں، حضرت سعد بن معاذ کے فیصلہ کے مطابق آخرِ کار اُن کے مَردوں کو قتل کی سزا دی گئی۔ اور عورتوں اور بچوں کو قید کا حکم دیدیا گیا۔ اور اس طرح اس فتنہ کا خاتمہ ہو گیا۔

غزوۂ خیبر

خیبر مدینہ سے آٹھ منزل پر واقع ہے۔ یہاں یہود کے مختلف قبائل آباد تھے۔ اور اُنھوں نے اپنی حفاظت کی خاطر بہت سے قلعے بنا رکھے تھے، مثلاً حصنِ نکاۃ، حصنِ صعب، حصنِ ناعِم وغیرہ۔ ان ہی قلعوں کے زعم میں یہود ہمیشہ مسلمانوں کے خلاف ریشہ دوانیوں میں مصروف رہتے اور معاہدۂ صلح کر لینے کے باوجود مسلمانوں کو مٹا دینے کی تمام سازشوں میں قریش اور منافقین کے ساتھ شریک رہتے، بلکہ ان کو اُبھارتے اور آمادہ کرتے رہتے تھے، اور یہی زور اور قوت ان کو معاہدہ سے بے پرواہ بنا کر غزوۂ خندق میں مسلمانوں کے خلاف قریش کی جماعت میں لیکر آیا تھا[1]۔ اس لئے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم

---

[1] گویا یہود کا سب سے بڑا فوجی مستقر تھا۔ ۱۲

نے ۷ ہجری مطابق اگست ۶۲۸ء ڈیڑھ ہزار اسلامی لشکر کے ساتھ خیبر کا محاصرہ کر لیا۔ اور چھ روز کے پیہم محاصرہ کے بعد ساتویں روز خدا نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی۔ اس غزوہ میں حضرت علیؓ کو آشوب چشم کی شکایت تھی نبی کریم کے لعاب دہن لگانے سے آرام ہو گیا اور سردار لشکر کارہا نمایاں انجام دیئے

سریّہ مُوتہ

اگرچہ یہ غزوہ نہیں ہے بلکہ ایک سریّہ ہے لیکن یہاں اس لئے قابلِ ذکر ہے کہ اسلامی لشکر کو میدانِ جنگ کی طرف رخصت کرتے ہوئے اصولِ جنگ کے متعلق جو وصیّت سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے، آج بیسویں صدی کی مہذّب دنیا کے سامنے آجائے تاکہ وہ اس وصیّت کا اُن موجودہ طریقِ جنگ سے مقابلہ کر سکیں، جو ہوسِ ملک گیری کی خاطر تہذیبِ جدید کی روشنی میں برتے جا رہے ہیں۔

مُوتہ ملکِ شام کے حصّۂ بلقار کے ملحقات میں سے ایک جگہ ہے [۱] ۸ھ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں تین ہزار مسلمانوں کا ایک لشکر امیر بُصریٰ کے مقابلہ کے لئے اس لئے بھیجا کہ اُس نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے اُس ایلچی کو جو اُس کے پاس دعوتِ اسلام لے کر گیا تھا، قتل کر ڈالا تھا بُصریٰ بیت المقدس کے قریب شام کا مشہور تجارتی شہر تھا جہاں رومی

---

[۱] مطابق ستمبر ۶۲۵ء

سلطنت کا گورنر رہتا تھا۔ رومیوں کو جب اس کی اطلاع ملی تو انہوں نے بھی مقابلہ کی تیاری کر لی لشکرِ اسلام جب موتہ پہنچا تو دیکھا کہ دو لاکھ سے زاید رومی باضابطہ جنگ کے لئے آمادہ ہیں۔ دونوں لشکر آپس میں مل گئے اور جنگ شروع ہوگئی۔ دورانِ جنگ میں اسلامی سردار زیدؓ بن حارثہ شہید ہوگئے۔ فوراً ہی حضرت جعفر ابن ابی طالب سردار لشکر بنا دیئے گئے اور پرچم اسلامی کو اُنھوں نے سنبھال لیا اس لئے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اگر زیدؓ شہید ہو جائیں تو جعفرؓ کو سردار بنا لینا اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبد اللہ بن رواحہ کو سردار بنانا اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو پھر جس کو مسلمان اس وقت مناسب سمجھیں سردار بنا لیں۔

کچھ عرصہ کے بعد حضرت جعفرؓ پر بھی وار ہوا اور ان کا داہنا ہاتھ کٹ کر الگ ہوگیا۔ حضرت جعفرؓ نے اسلامی پرچم دوسرے ہاتھ میں سنبھالا تو دوسرا ہاتھ بھی جنگ کی نذر ہوگیا۔ حتیٰ کہ خود بھی شہید کر دیئے گئے۔ تب آگے بڑھ کر حضرت عبداللہ ابن رواحہؓ نے اس ذمہ داری کو سنبھالا اور تھوڑی ہی دیر میں یہ بھی شہید ہوگئے۔ تب آگے بڑھ کر ثابت بن اقرمؓ عجلانی نے اسلامی پرچم کو ہاتھ میں لے لیا اور جب وہ بھی شہید ہوگئے تو اب حضرت خالد بن ولیدؓ آگے بڑھے اور انھوں نے اپنے مشہور طریقِ جنگ سے شجاعانہ مقابلہ کیا۔ اور اسلامی لشکر کو حُسنِ تدبیر سے پیچھے ہٹا لیا۔ اور اس کے بعد زبردست حملہ کیا اور دشمن کو

شکستِ فاش دی۔

یہاں یہ معرکہ ہوا اور اُدھر بذریعۂ وحی تمام واقعات کی تفصیل سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر ظاہر کر دی گئی۔ آپ نے نہایت حزن و ملال کے ساتھ شہدائے اسلام کا حال بیان کیا اور فرمایا کہ آخر خدا نے لشکرِ اسلام کو خالد بن ولیدؓ سیف اللہ کے ہاتھ پر فتح دی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس لشکر کو روانہ فرمایا تھا تو ساتھ ہی حسبِ ذیل وصیت فرمائی تھی۔

اُصولِ جنگ کے متعلق سرورِ عالم کی وصیّت

(۱) خدا کے بعض بندے اپنی عبادت گاہوں (گرجا) میں مصروفِ عبادت ہوں گے۔ تم اُن سے کوئی تعرض نہ کرنا۔

(۲) کسی عورت پر ہرگز ہاتھ نہ اُٹھانا۔

(۳) نہ کسی بچّے اور نابالغ لڑکے کو قتل کرنا۔

(۴) نہ کسی بوڑھے شخص کو مارنا۔

(۵) نہ سرسبز و شاداب درختوں کو کاٹنا۔

کیا خونخوار درندوں کی طرح لڑنے والے مدعّیانِ تہذیبِ جدید اس پر ٹھنڈے دل سے غور کریں گے اور کوئی سبق لیں گے۔

خلاصہ

غزوۂ بدر اہم غزوات میں سے ہے اور ۲ھ ہجری میں پیش آیا۔ اس میں مسلمانوں کی تعداد تین سو تیرہ اور کفار کی ایک ہزار تھی۔ خدا نے مسلمانوں

کو بہت بڑی فتح اور مکہ والوں کو شکست فاش دی۔ اس غزوہ میں
اسلامی برکات وحسنات ہیں سے اسیرانِ جنگ کا معاوضہ تعلیم کے
ذریعہ قرار دینا ہے۔ غزوۂ غُطفان میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے خلاقِ
کریمانہ کا یہ نمونہ ظاہر ہوا کہ آپ نے دُعثور سے "جس نے کہ آپ کے قتل
کا ارادہ کیا تھا" باوجود قوت کے بھی انتقام نہ لیا اور اُس کو معاف کردیا
جس سے متأثر ہو کر وہ مشرف باسلام ہو گیا۔ غزوۂ احد میں اول مسلمانوں
کو فتح ہوئی پھر اُن کے تیر اندازوں کی غلطی سے فتح، شکست کے ساتھ
بدل گئی۔ غزوۂ خندق میں خندق کھودنے کا مشورہ حضرت سلمان فارسیؓ
نے دیا اس لئے کہ جنگ کا یہ طریقہ فارس ہی کا ایجاد تھا، قریش، یہود
اور منافقین نے مجتمع ہو کر اسلام کے مقابلہ کی تیاری کی لیکن خندق اور
ہوا کے طوفان نے ان کے ارادوں کو خاک میں ملا دیا۔ غزوۂ خیبر میں
حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آشوب چشم کی شکایت تھی مگر نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم نے معجزانہ شان سے ان کے لعابِ دہن لگا دیا جس سے آنکھیں
پہلے سے زیادہ صاف اور روشن ہو گئیں۔ پھر وہی سردار لشکر بنا دیئے گئے
اور ان ہی کی شجاعانہ ہمت سے انجام کار مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ واقعہ موتہ
میں پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے اسلامی لشکر کو خدا پرست پادریوں، عورتوں
بچوں، بوڑھوں، اور معذوروں کے قتل اور ایذا، پہنچانے سے منع فرما
دیا تھا۔ اور یہ بھی فرما دیا تھا کہ شاداب درختوں کو نہ کاٹا جائے اور
یہ وصیت ہمیشہ کے لئے اسلامی اُصولِ جنگ میں داخل کر دی گئی۔

سوالات

(۱) بدرِ کبریٰ کا واقعہ کب پیش آیا؟ اور لڑنے والی جماعتوں کی تعداد کیا تھی؟

(۲) اس سلسلہ میں اسلامی تمدن کی برکات میں سے کونسی بات خصوصیت سے قابلِ ذکر ہے؟

(۳) غزوۂ غطفان میں کیا پیش آیا؟

(۴) غزوۂ احد میں مسلمانوں سے کیا غلطی ہوئی اور اس کا انجام کیا ہوا؟

(۵) غزوۂ احزاب میں خندق کھودنے کا مشورہ کس نے دیا۔

(۶) مسلمان اس غزوہ میں کتنے روز محصور رہے؟

(۷) غزوۂ خیبر کب پیش آیا۔

(۸) مسلمانوں میں سے کس نے زیادہ برداشت کی؟

(۹) واقعہ مؤتہ میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے کیا وصیتیں فرمائیں؟

(۸)

فتح مکہ اور دوسرے اہم غزوات

صلح حُدَیبیّہ

وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُم بِبَطْنِ مَكَّةَ مِن بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِم

اور وہی ہے جس نے روک رکھا اُن کے ہاتھوں کو تم سے اور تمہارے ہاتھوں کو اُن سے بیچ شہر مکہ کے بعد اس کے کہ تمہارا ہاتھ لگا دیا انکر

حدیبیہ، مکہ معظمہ سے جدہ کی جانب ایک منزل پر واقع ہے جس کو اب شُمَیْسِیَّہ کہتے ہیں۔ حدیبیہ در اصل کنویں کا نام ہے اسی کے نام پر اس جگہ کو حُدَیبیہ کہتے ہیں، حدیبیہ کا واقعہ سنہ ۶ھ ہجری میں پیش آیا۔ واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ ذی قعدہ سنہ ۶ھ[1] میں پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم ایک ہزار چار سو صحابہ کی معیت میں ادائے عمرہ کے ارادہ سے مکہ معظمہ روانہ ہوئے۔

جب آپ مقام حدیبیہ پر پہنچے تو مشرکین نے اجتماع کیا اور مسلمانوں کو مسجدِ حرام میں داخل ہونے سے روکا۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرتِ عثمان رضی اللہ عنہ کو سفیر بنا کر بھیجا کہ قریش کو جا کر کہو کہ ہم جنگ کے ارادہ سے نہیں آئے۔ اسی لئے ہمارے پاس سامانِ جنگ میں سے کوئی چیز نہیں ہے۔ چند تلواریں ہیں جو سامانِ سفر کی ضروریات میں سے ہیں اور وہ بھی نیام میں ہیں ہم تو صرف زیارتِ بیت الحرام کی غرض سے یہاں آئے ہیں۔ حضرت عثمانؓ، مکہ تشریف لے گئے تو قریش نے اُن کو روک لیا۔ مسلمانوں میں شہرت ہوگئی کہ حضرت عثمانؓ قتل کر دیئے گئے۔

---

[1] مطابق فروری ۶۲۸ء

بیعتِ رضوان

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ (فتح)

بالتحقیق اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں سے خوش ہوا جبکہ یہ لوگ آپ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے

یہ سنکر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر مسلمانوں سے بیعت لی کہ وہ مر جائیں گے لیکن میدانِ جنگ سے منہ نہ موڑیں گے۔ قریش نے مسلمانوں کے اس ولولہ اور جوش کو دیکھا تو خوفزدہ ہوگئے اور فوراً حضرتِ عثمانؓ کو واپس جانے کی اجازت دی اور ساتھ ہی اپنا ایک سفیر روانہ کیا کہ وہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم سے صلح کی گفت وشنید کرے۔ اسی بیعت کو اسلام میں بیعتِ رضوان کہتے ہیں اس لئے کہ اس بیعت پر حق تعالیٰ نے قرآنِ عزیز میں اپنی رضامندی کا اظہار فرمایا ہے۔

قریش نے اول عُروہ بن مسعود ثقفی کو اپنا سفیر بناکر بھیجا تھا لیکن جب اُس نے آکر یہ کہا کہ لوگو! میں نے کبھی کسی بادشاہ کی سطوت کا یہ عالم نہیں دیکھا جو اصحابِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ ہے وہ اس کے ایک ایک کلمہ پر جان دیتے، اس کے وضو کے پانی پر بے تحاشا گرتے ہیں تاکہ برکت حاصل کریں، جب وہ بات کرتے ہیں تو سب پست ہو کر اس کے سامنے سر جھکا دیتے ہیں۔ مشرکین کو یہ سنکر سخت ناگوار گذرا اور کہنے لگے کہ یہ شخص اس سے مسحور ہو گیا ہے کسی اور شخص کو بھیجو وہ سفارت کا کام دے۔ اس کے

بعد جب مشرکین نے بیعتِ رضواں کا حال سُنا تو گھبرا گئے اور فوراً سُہیل ابن عمرو عامری اور حُویطب بن عبد العُزیٰ کو سفیر بنا کر معاملہ طے کرنے کو بھیجا تاکہ جنگ کی نوبت نہ آئے۔ بہرحال مختلف گفت وشنید کے بعد حسب ذیل معاہدۂ صلح مرتب ہوا۔

دفعات معاہدۂ صلح

(۱) یہ معاہدۂ صلح دس سال تک نافذ رہے گا۔ اور اس مدت میں کوئی اس کی خلاف ورزی نہ کرے گا۔

(۲) اس سال مسلمان بغیر مکہ میں داخل ہوئے واپس چلے جائیں۔

(۳) آیندہ سال اس شرط پر مسلمانوں کو داخلہ کی اجازت ہوگی کہ وہ معمولی حفاظتی ہتھیاروں کے علاوہ قطعاً مسلح نہ ہوں۔

(۴) آج سے دس سال تک ایک دوسرے کے درمیان امن کے ساتھ آمد ورفت جاری رہے گی۔

(۵) اگر کوئی شخص مسلمان ہو کر بھی مکہ سے مدینہ چلا آئے گا تو مسلمانوں کو اس کو واپس کرنا ہوگا۔ اور اگر مسلمانوں میں سے کوئی شخص بخوشی مکہ آئیگا تو قریش اُس کو واپس نہ دیں گے۔

(۶) تمام قبائل آزاد ہیں کہ پیغمبر اسلام کے حلیف بنیں یا قریش کے، اس بارے میں کسی کو مجبور نہ کیا جائے گا۔

چونکہ یہ معاہدہ مسلمانوں کے حق میں بظاہر مغلوبیت کی علامت تھا اور اس میں قریش کی فتح معلوم ہوتی تھی اس لئے مسلمان خصوصاً

فاروقِ اعظم رض سخت رنجیدہ تھے، اور بار بار دربارِ رسالت میں باصرار عرض کرتے کہ مسلمانوں کی طاقت بحمداللہ کافی ووافی ہے آپ دب کر کیوں صلح کرتے ہیں۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ خدا کی مرضی اسی میں ہے اور عنقریب تم کو معلوم ہو جائے گا کہ نتیجہ کے اعتبار سے یہ صلح ہمارے لئے بہت بڑی کامیابی کا پیش خیمہ ثابت ہوگی۔ اسی کی تائید میں حق تعالیٰ نے جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم واپس مدینہ جارہے تھے۔ سورۂ فتح نازل فرمائی اور اس صلح کو مسلمانوں کی فتح قرار دیا۔ اور انجام کے اعتبار سے ایسا ہی ہوا۔

علماء سیرت لکھتے ہیں کہ صلح کا نتیجہ یہ نکلا کہ کفار اور مسلمانوں کے درمیان سلسلہ آمد و رفت قائم ہو جانے سے اس قدر اسلام کی اشاعت ہوئی کہ تھوڑی ہی مدت میں کفار کی اکثر جماعتیں مشرف باسلام ہوگئیں اور اسلامی اخلاق اور حُسنِ سلوک نے اُن کو بہت جلد مسخر کر لیا۔

تائیدِ ایزدی

معاہدۂ صلح جب مرتب ہو رہا تھا تو سُہیل بن عمرو کا لڑکا جو کہ پہلے سے مشرف باسلام ہو چکا تھا۔ ترتیب معاہدہ سے قبل ہی بھاگ کر آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ معاہدہ ختم ہونے پر معاہدہ کی دفعہ (۵) کے مطابق سہیل نے لڑکے کا مطالبہ کیا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ تو معاہدہ سے قبل آچکا ہے۔ اُس نے واپسی پر اصرار کیا تب آپ نے سہیل کو

اُس کے حوالہ کر دیا۔ اس پر اُس لڑکے نے فریاد کی کہ میں مسلم ہوں آپ مجھے کافر کے حوالے کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا وقت کا انتظار کرو اور جاؤ۔ اس کے بعد جب آپ مدینہ چلے گئے تو ابو بصیر ایک شخص مسلمان ہو کر بھاگ آیا۔ قریش نے دو آدمی بھیجکر اس کا مطالبہ کیا۔ آپ نے اس کو اُن کے حوالہ کر دیا۔ اُس نے راستہ میں ایک کو قتل کر ڈالا اور دوسرا بھاگ کر مسجدِ نبوی میں آیا اور فریادی ہوا۔ پیچھے پیچھے ابو بصیر بھی آپہنچا ابو بصیر نے دیکھا کہ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو اس کافر کے حوالہ کر دیں گے تو وہ بھاگ کر سمندر کے ساحل پر مقیم ہو گیا۔ یہ حال دیکھ کر سہیل کا لڑکا بھی بھاگ کر اسی کے پاس آگیا۔ اور اسی طرح مسلمانوں کی ایک جماعت ساحل پر جمع ہو گئی اور اُنھوں نے مکہ سے شام آنے جانے والے قریش کے قافلوں کی روک ٹوک شروع کر دی۔ اس پر قریش نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو لکھا کہ ہم دفعہ (۵) کو ختم کرتے ہیں۔ آپ ان مسلمانوں کو مدینہ بلا لیجئے۔ آپ نے اُن سب کو مدینہ آجانے کا حکم فرمادیا اور سب مدینہ آگئے۔

خالد بن ولید کا اسلام

اسی صلح کی برکت تھی کہ حضرت خالد بن ولید، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما برضا، ورغبت مکہ سے مدینہ حاضر ہوئے اور حلقہ بگوشانِ اسلام میں داخل ہو کر شوکتِ اسلام کے دست و بازو بنے۔

فتح مبین

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ (فتح)

ہم نے فیصلہ کر دیا تیرے واسطے صریح فیصلہ تاکہ معاف کرے تجھ کو اللہ جو آگے ہو چکے تیرے گناہ اور جو پیچھے رہے

صلح حدیبیہ جس کو صحابہ نے اپنی شکست سمجھا تھا، اور جو دراصل ترقی اسلام کے لئے سب سے بڑی محرک ثابت ہوئی۔ قرآنِ عزیز نے اس کو فتح فرمایا اور حق تعالیٰ نے اسی کے ذکر میں سورۂ فتح نازل فرمائی۔ آخر اس بشارت کی تعبیر کا وقت آپہنچا اور جو کچھ مسلمانوں سے خدا کا وعدہ تھا۔ حرف بحرف اسی طرح پورا ہوا۔ واقعہ کی شرح و تفصیل یوں بیان کی گئی ہے۔

صلح حدیبیہ کے بعد قبائلِ عرب میں بنی بکر قریش کے اور بنی خزاعہ مسلمانوں کے حلیف ہو گئے تھے اور ان دونوں قبائل میں عرصہ سے جنگ چلی آتی تھی، معاہدۂ حدیبیہ کے بعد ایک مرتبہ دونوں میں جنگ ہوئی، بنی بکر نے قریش کو امداد کے لئے اُبھارا۔ اور قریش نے باوجود اس امر کے کہ معاہدہ میں طے ہو چکا تھا کہ قریش یا مسلمان ایک دوسرے کے حلیفوں سے بھی برسرِ پیکار نہ ہوں گے۔ بنی بکر کا ساتھ دیا، اور بنی خُزاعہ کو بے دریغ قتل کر ڈالا۔ بنی خزاعہ کے چند آدمی سراسیمہ مدینہ آئے اور دربارِ رسالت میں اپنی حالتِ زار کی کہانی سُنائی، اور فریادی ہوئے۔ مسلمانوں کو قریش کی اس عہد شکنی کا سخت رنج ہوا اور پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے قریش کی اس عہد شکنی کے خلاف بنو خزاعہ کی امداد کا وعدہ فرمایا اور جہاد کا اذنِ عام کر دیا۔ جہاد کے شوق میں

جوق جوق صحابہ جمع ہوئے۔ اور آپ دس ہزار صحابہ کی جمعیت لیکر مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہوئے۔ قریب پہونچے تو لشکر کی ترتیب اس طرح قرار پائی کہ خالد بن ولید ایک چھوٹا سا لشکر لے کر آگے روانہ ہوں اور مکہ کے بالائی حصہ کی جانب سے داخل ہوں۔ اور دربارِ رسالت سے اُن کو حکم دیا گیا کہ ہرگز کسی کے مقابلہ میں تلوار نہ اُٹھائیں۔ ہاں اگر کوئی قریشی اقدامِ قتل کرے تو صرف اُسی کا مقابلہ کیا جائے اور بس!

اور خود نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم زیرین حصہ کی جانب سے مکہ معظمہ میں داخل ہوئے۔ داخلہ بھی عجیب شان سے تھا۔ آگے آگے منادی پکارتا جاتا ہے کہ ہر شخص مطمئن رہے نہ کسی کو قتل کیا جائے گا۔ نہ کوئی گزند پہنچائی جائیگی سب کو امان دی جاتی ہے۔ مگر اِن چند اشخاص کو مستثنیٰ کر دیا جو کہ اسلام کی دشمنی میں ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے۔ اور مسلمانوں کو اور اُن کے اہل وعیال کو اُن سے سخت ایذائیں پہنچی تھیں اور فتنہ وفساد، سازش وبغاوت کے سرغنہ سمجھے جاتے تھے۔ یہ تقریباً سو آدمی تھے انھوں نے جب یہ سُنا تو اس وقت تو سب چھپ گئے اور اس طرح جان بچائی۔ اس کے بعد ان میں سے اکثر خود مدینہ حاضر ہوئے اور بطیبِ خاطر اسلام قبول کر لیا۔ دوسری جانب سے حضرت خالد بن ولید داخل ہوئے۔ راہ میں بعض قبائل نے مزاحمت کی اور اُن سے معمولی جنگ ہوئی۔ قبائل کے تقریباً اٹھائیس ۲۸ آدمی کام آئے مگر قریش

ملہ۔ رمضان المبارک سنہ ۸ھ مطابق جنوری سنہ ۶۳۰ء

سے براہِ راست کوئی جنگ نہیں ہوئی۔ اور خدا کا پیغامبرؐ اور مسلمان شوکت و عظمت کے ساتھ بغیر کسی خونریزی کے مکہ معظمہ میں داخل ہو گئے اور رحمۃ للعالمین نے امانؐ کا اذن عام دیدیا اور اس طرح خدا کا وعدہ پورا ہوا۔

بُت شکنی

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلا کام مکۂ معظمہ میں داخل ہو کر یہ کیا کہ اس کو شرک کی آلودگیوں سے پاک کیا اور کعبہ میں جو تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے ان سب کو منہدم کر دیا اور خالد بن ولید اور چند صحابہ کو بھیجا کہ وہ جاکر مکہ کے اردگرد کے تمام بتوں کو توڑ ڈالیں، چنانچہ حضرت خالد بن ولید نے عُزّیٰ کو جو وادیٔ نخلہؐ میں نصب تھا اور قریش کا سب سے بڑا بت مانا جاتا تھا اور عمرو بن العاص نے سُوَاع کو توڑ ڈالا۔ یہ بنیٔ ہُذیل کا مشہور بُت تھا اور مکہ سے تین میل پر واقع تھا۔ اور حضرت سعد بن زید نے مَنَاۃ کو گرا دیا۔ جو بنی کلب کا بُت تھا اور جبلِ مُشَلَّل پر نصب تھا۔

لہ عفو عام کا اعلان ان شرائط کے ساتھ کیا گیا (۱) ہتیار رکھدینے والے کو اماں ہے (۲) گھر میں بیٹھ رہنے والے کو (۳) ابو سفیان و حکیم بن حزام کے گھر میں داخل ہو جانے والے کو (۴) کعبہ میں داخل ہو جانے والے کو اماں ہے (۵) بھاگ جانے والے کا تعاقب نہ کیا جاوے گا۔ (۶) زخمی اور اسیر قتل نہ کئے جاویں گے۔

سلہ نخلہ مکۂ معظمہ کے قریب ہی واقع ہے۔

رحمۃ للعالمین کا خُلق کریم

وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ (انبیاء)

ہم نے تم کو تمام عالم کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اوراقِ گذشتہ میں ابوسفیان کا ذکر آچکا ہے کہ قریش کے مشہور سرداروں میں تھا اور اسلام سے دشمنی اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ایذا دہی میں اس کو کمال حاصل تھا۔ آج بھی جبکہ اسلامی لشکر، مکہ میں داخل ہونے سے پہلے مکہ کے قریب پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔ ابوسفیان جاسوس بن کر باہر نکلتا، اور لشکرِ اسلام کا جائزہ لیتا ہے۔ کہ اسلامی لشکر کے پہرہ داروں نے اُس کو دیکھ لیا اور فوراً پہچان لیا اسی وقت اس کو گرفتار کر کے خدمتِ اقدس میں پیش کیا کہ آج مسلمانوں کا ایک بہت بڑا دشمن گرفتار ہو کر حاضر ہے۔ آپ نے ابوسفیان کو دیکھا اور عداوت کے تمام قصّوں کو نظرانداز فرماتے ہوئے زیرِ تبسّم اُس کو معاف کر دیا۔ ابوسفیان! اخلاقِ کریمانہ کی اس بے نظیر مثال کو دیکھ کر تڑپ اُٹھا اور بخوشی اسلام قبول کر لیا۔

الیوم یوم الرحمۃ

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ میں داخلہ کا ارادہ فرمایا تو حضرت عباسؓ سے ارشاد فرمایا کہ ابوسفیان کو روک لو تاکہ وہ مکہ میں داخل ہونے سے قبل اسلامی لشکر کی شان کو ایک نظر دیکھ لے۔

اسلامی قبائل کے جُداجُدا سردار جھنڈے لئے ہوئے اپنے اپنے

قبیلہ کے ساتھ بالترتیب گذر رہے ہیں۔ اور ابوسفیانؓ اسلامی شان کا نظارہ دیکھ رہے ہیں آخر میں انصاری لشکر سامنے آیا جس کا پرچم اُن کے سردار حضرت سعد بن عبادہؓ کے ہاتھ میں ہے۔ حضرت سعدؓ نے ابوسفیان کی طرف دیکھا تو جوش و جذبہ اسلامی نے گدگدایا اور بآواز بلند فرمایا اَلْیَوْمُ یَوْمَ الْمَلْحَمَۃِ، اَلْیَوْمُ تُسْتَحِلُّ الْکَعْبَۃَ (آج جنگ کا روز ہے اور آج کعبہ میں جنگ کی اجازت ہے) ابوسفیان قریشی تھے ایک انصاری کے اِس طعنہ کو سُنکر اُن سے نہ رہا گیا اور فوراً جواب دیا حَبَّذَا الْیَوْمُ الذِّمَارِ (جنگ کا دن مبارک ہو) یعنی اگر جنگ کا ارادہ ہو تو ہم بھی تیار ہیں۔ سعد بن عبادہؓ کے بعد خدا کا پیغمبر صحابہؓ کے جلو میں آرہا ہے۔ جب آپ ابوسفیان کے قریب سے گذرے تو ابوسفیان نے کہا کیا آپ نے اپنی قوم کے قتل کا فیصلہ کر لیا ہے؟ آپ نے فرمایا ہرگز نہیں۔ تب ابوسفیان نے حضرت سعد کا واقعہ سُنایا۔ واقعہ سنکر پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اَلْیَوْمُ یَوْمُ الْمَرْحَمَۃِ، اَلْیَوْمُ تُکْسَی الْکَعْبَۃُ، اَلْیَوْمُ یُعِزُّ اللّٰہُ قُرَیْشًا، یعنی آج کا دن رحم کا دن ہے آج کعبہ پر غلاف چڑھایا جائے گا۔ یعنی اس کی حُرمت کے خلاف ہرگز نہ ہوگا بلکہ اس کی عظمت کا مظاہرہ کیا جائے گا۔ آج اللہ تعالیٰ قریش کو عزت بخشے گا یعنی اسلام کی توفیق عطا فرمائے گا۔" آپ نے یہ کلمات فرمائے اور حضرت سعدؓ کو اُسی وقت معزول کر کے اُن کے صاحبزادے حضرت قیس کے ہاتھ میں جھنڈا دیدیا اور لشکر کو سختی سے منع فرمایا کہ ہرگز

کوئی شخص قتل کا ارادہ نہ کرے، الّا یہ کہ کوئی قریشی اس کے قتل پر اقدام کرے۔

رحمۃ للعالمین کی ایک اور شان

فتح مکہ کے دن نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم جب عزت و احترام کے ساتھ مکہ معظمہ میں داخل ہو گئے تو قریش میں سے ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مگر خوف و دہشت کی وجہ سے کانپ رہا تھا۔ اور منہ سے بات تک نہ نکلتی تھی۔ آپ نے نہایت شفقت و مہربانی سے ارشاد فرمایا "گھبراؤ نہیں اور خوف کو دل سے نکال دیں کوئی بادشاہ نہیں ہوں۔ میں قریش ہی کی ایک خشک گوشت کھانے والی عورت کا بیٹا ہوں۔

ایک صاحب عقل و فہم اس واقعہ سے ہی اندازہ لگا سکتا ہے کہ ایک نبی و پیغمبر اور ملک گیری کے طالب بادشاہ کے درمیان کیا فرق ہے؟ خدا کا پیغمبر فاتح اعظم بن کر بھی ایک معمولی انسان کے سامنے اپنا تزک و احتشام پسند نہیں کرتا اور اپنی تعریف ان لفظوں سے کرتا ہے جس کی مثال آج دورِ تہذیب جدید میں بڑے سے بڑے قائد کے اندر بھی ملنا مشکل ہے۔ اور کیا مسلمان خود بھی اس واقعہ سے کوئی بصیرت حاصل کر سکتے ہیں؟

انصار اور پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کا ایفاء عہد

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو خدائے تعالیٰ نے جب اس فتحِ عظیم سے

فراغت عطا فرمائی تو آپ نے کچھ روز مکہ میں قیام فرمایا۔ بعض نوجوانوں کو یہ بات کھٹکی اور ایک روز اپنی مجلس میں ذکر کرنے لگے" ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے مکہ ہی میں قیام کا ارادہ فرما لیا ہے۔ مراد یہ تھی کہ ہجرت سے قبل تو ہم سے وعدہ تھا کہ مدینہ کے قیام کے بعد پھر مکہ قیام نہ کروں گا۔

پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی اس واقعہ کی اطلاع ہو گئی۔ آپ نے انصار کو جمع کیا اور دریافت فرمایا کہ تم کیا مشورہ کرتے تھے؟ انصار نے چاہا کہ یہ بات آپ پر ظاہر نہ ہو تا کہ طبع مبارک کو گراں نہ گزرے مگر آپ کے اصرار پر اُن کو اس واقعہ کا اظہار کرنا پڑا۔ اور کہا کہ یا رسول اللہ یہ بات انصار کے ذی فہم اور تجربہ کار لوگوں نے نہیں کہی بلکہ چند نوعمر لڑکوں نے جوش میں آکر یہ کلمات کہے ہیں ہم اس کی معافی چاہتے ہیں آپ نے سنکر فرمایا" مَعَاذَ اللهِ اَلْمَحْيَا مَحْيَاكُمْ وَالْمَمَاتُ مَمَاتُكُمْ

" پناہ بخدا! کہیں ایسا ہو سکتا ہے کہ میں تم کو چھوڑ دوں۔ میری زندگی اور موت ہمیشہ کے لئے تمہاری موت اور زندگی کے ساتھ وابستہ ہو چکی ہے۔" اس کے بعد آپ نے مکّہ پر حضرت عتاب بن اُسید رضی اللہ عنہ کو جن کی عمر اس وقت سترہ سال تھی والی بنایا اور آپ مہاجرین و انصار کے ساتھ مدینۂ طیبہ واپس تشریف لے گئے۔

حضرت معاویہؓ کا قبول اسلام

فتح مکہ میں عام قریشیوں کے علاوہ مشاہیرِ قریش میں سے تین نامور

قریشی مشرف باسلام ہوئے۔ ابو سفیان بن حرب۔ معاویہ بن ابی سفیان ابو قحافہ (والد ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہم)

غزوۂ حنین[1]

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ

تم کو خدا تعالیٰ نے بہت موقعوں میں غلبہ دیا اور حنین کے دن بھی جبکہ تم کو اپنے مجمع کی کثرت سے

كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنكُمْ شَيْئًا ۔ (توبہ)

غرہ ہو گیا تھا پھر وہ کثرت تمہارے کچھ کار آمد نہ ہوئی۔

فتح مکہ سے فارغ ہو کر ابھی پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ کو واپس نہوئے تھے کہ یکایک اطلاع ملی کہ مالک بن عوف نضری جو قبائل ثقیف و ہوازن کا سردار ہے مسلمانوں کے خلاف آمادۂ پیکار ہے۔ فتح مکہ کا واقعہ دیکھ کر ان دونوں قبیلوں میں حرکت ہوئی اور اہلِ مکہ کی شکست کو اپنی شکست سمجھکر قبائلِ عرب کو مسلمانوں کے خلاف اُبھارا۔ اور بہت بڑی جمعیت مقابلہ کے لئے تیار کر لی۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو متنبہ کیا اور بعد مشاورت مدافعت کے لئے آمادہ ہوئے۔ لشکرِ اسلام اس وقت بارہ ہزار انسانوں پر مشتمل تھا۔ دس ہزار مدنی لشکر، دو ہزار وہ مسلمان جو فتح مکہ میں مشرف باسلام ہوئے اور اسی مشرکینِ مکہ جو ابھی تک اسلام میں داخل نہوئے تھے مگر اُس کی صداقت سے مرعوب ہو چکے تھے۔

---

[1] ۱۰ شوال ۸ھ مطابق فروری ۶۳۰ء

اسلام کی ترقی کا راز کثرت و بہتات پر نہیں اس لئے اسلام نے دنیوی طاقت و غلبہ پر مغرور ہو جانے کی سخت ممانعت کی ہے۔ اور فقط خدا پر اعتماد و بھروسہ کو ہی بنیادِ کار قرار دیا ہے۔ مگر آج مسلمان اپنی اس ظاہری شوکت کو دیکھ کر خدائے تعالیٰ کے اس حکم سے غافل ہو گئے کہ کَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللهِ "بسا اوقات چھوٹی جماعت بڑی جماعت پر بحکم خدا غالب آجاتی ہے" اور بارہ ہزار کے لشکرِ جرار کو دیکھ کر اپنی قوت پر نازاں ہو بیٹھے۔ خدائے تعالیٰ کو اپنے مخلص بندوں کی یہ حرکت پسند نہ آئی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جب مقابلہ ہوا تو دشمن کی فوج کے اکثر حصے پہاڑیوں میں پوشیدہ رہے اور وہیں سے لشکرِ اسلام پر تیر باری کرتے رہے مسلمان یہ دیکھ کر خوف زدہ ہو گئے اور آخر کار شکست کھا کر بھاگے۔ بجز نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور جلیل القدر صحابہ کے اور کوئی میدان میں باقی نہ رہا۔ حضرت عباس رضؓ نے جب دیکھا تو بآوازِ بلند شکست خوردہ مسلمانوں کو پکارا اور واپسی کے لئے غیرت دلائی مسلمان حضرت عباس رضؓ کی آواز سنکر پلٹے اور جی توڑ کر دشمنوں کا مقابلہ کیا۔ آخر دشمن کو شکست ہوئی۔ اور مسلمان فتحمند ہوئے ثقیف و ہوازن بُری طرح پسپا ہو کر بھاگ گئے اُن کے تقریباً ستر آدمی مارے گئے اور بہت بڑی تعداد قید ہو گئی مسلمانوں میں سے صرف چار شخص شہید ہوئے۔

غزوہ طائف

طائف حجاز کا مشہور شہر ہے یہ غزوہ اسی کے نام سے مشہور ہے اور ۸ھ ہجری میں پیش آیا حنین میں جب قبائلِ عرب کو شکست ہوئی تو قریش کی ایک جماعت بھاگ کر طائف میں آگئی اور اُس نے یہاں کے قلعہ میں پناہ گزیں ہو کر اپنی قوت کو پھر مجتمع کرنا شروع کر دیا۔ مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا اور طائف جا پہنچے۔ قریش قلعہ بند تھے اور مسلمان کھلے میدان میں۔

منجنیق کا استعمال

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے مشورہ کیا اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورہ کے مطابق آلہ قلعہ شکن کہ جس کو عربی میں "منجنیق" اور ہندی میں "گوپھن" کہتے ہیں استعمال کیا گیا۔ مسلمان اٹھارہ روز طائف کا محاصرہ کئے رہے۔ قریش نے قلعہ سے مسلمانوں پر اس قدر سخت تیر باری کی کہ مسلمانوں کو بہت نقصان اٹھانا پڑا۔ بہت سے آدمی زخمی ہوئے اور بارہ آدمی شہید ہو گئے۔ بالآخر مسلمانوں کو محاصرہ چھوڑنا پڑا اور مدینہ کو واپس ہو گئے۔

اہلِ طائف کا قبولِ اسلام

اس واقعہ کو ابھی زیادہ عرصہ نہ گذرا تھا کہ طائف کے قلعہ بند قریش، خود مدینہ دربارِ رسالت میں حاضر ہوئے اور سب نے بطیبِ خاطر اسلام قبول کر لیا۔

۸ھ مطابق فروری ۶۳۰ء

غزوہ تبوک یا غزوہ عسرت

لَقَدْ تَابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ

اللہ مہربان ہوا نبی پر اور مہاجرین اور انصار پر جو ساتھ رہے نبی کے مشکل کی

سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ (توبہ)

گھڑی میں بعد اس کے کہ قریب تھا کہ بعضوں کے دل ان میں سے پھر جائیں

تبوک، شام کے شہروں میں سے ایک شہر کا نام ہے۔ ۹ھ[1] ہجری میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ملی کہ ہرقل قیصرِ روم کی سیادت میں ایک عظیم الشان لشکر اس لئے مرتب ہو رہا ہے کہ مسلمانوں پر چڑھائی کی جائے۔ اور اُن کی شوکت و عظمت کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا جائے

مدینۂ طیبہ بلکہ تمام سرزمین حجاز میں اس وقت قحط سالی تھی۔ زمینیں پیداوار سے خالی تھیں۔ نہریں اور تالاب خشک تھے۔ گرمی نہایت ہی شدت سے پڑ رہی تھی اور تمام آدمی عسرت اور تنگی سے بسر کر رہے تھے۔

تاہم بہار کا موسم تھا، باغوں میں کھجوریں پک رہی تھیں اور اہلِ مدینہ موسم کے لطف سے بہرہ اندوز ہونے کے لئے باغوں میں خیمے نصب کر رہے تھے، کوئی سرد پانی کی فراہمی کر رہا تھا تو کوئی کھجور کے پتوں سے ہی خس کی ٹٹیوں کا کام لینا چاہتا تھا کہ اتفاقاً یہ اطلاع ملی۔

یہ وقت سخت امتحان کا تھا، ایک طرف راحت کے یہ سامان اور دوسری طرف جھلسنے ہوئے پہاڑوں اور تپتے ہوئے ریت میں سیکڑوں

---

[1] مطابق اکتوبر ۶۳۰ء

میل کا سفر، مگر اسلامی مہم اور پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد فداکارانِ اسلام پر اثر کئے بغیر کیسے رہ سکتا تھا؟

منافقین کے علاوہ مدینہ، مکہ اور اطراف واکناف سے اسلام کے شیدائی فداکار ورضاکار بن کر دربارِ رسالت میں حاضر ہوئے۔ اور فداکاری وجان فروشی کے لئے بیتاب نظر آنے لگے۔

مالی اعانت یا چندہ

سفر سخت طویل، اور بوجہ عسرت وتنگدستی سامانِ سفر واسلحہ کی قلت اس پہ مستزاد، یہ دیکھ کر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے مالداروں سے اپیل کی کہ غریب ونادار مجاہدین کی امداد کریں اور اسلام کے اس اہم کام میں ہاتھ بٹائیں۔

اسلام میں چندہ کی یہ پہلی اپیل تھی جس کو سُنکر ہر ذی ثروت نے پیش قدمی کی اور چاہا کہ آج تمام ہمنشینوں میں سبقت لے جائے حتیٰ کہ حضرت عثمانؓ نے دس ہزار دینار (سونے کے سکّے) تین سو اونٹ اور چار ہزار درہم (چاندی کے سکّے) پیش کئے، اور فاروقِ اعظمؓ نے اپنے تمام مال کا "نصف" دربارِ رسالت میں لاکر حاضر کر دیا۔ اور ابو بکر صدیقؓ نے تو گھر میں ایک تنکا بھی نہ چھوڑا اور تمام مال حاضرِ خدمت کر دیا، اسی طرح اور صحابہ نے بھی شرکت کی۔

مسابقت بالخیر

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا (بقرہ) کون ہے جو اللہ کو قرض حسنہ دے،

فاروقِ اعظمؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی تحریک "چندہ" پر میں نے سوچا کہ آج میں سب سے بڑھ جاؤں گا بلکہ صدیقِ اکبرؓ سے بھی سبقت لیجاؤں گا یہ سوچکر میں اپنا نصف مال لیکر حاضر خدمت ہوا آپؐ نے دریافت فرمایا عمرؓ! تم نے اہل وعیال کے لئے کیا چھوڑا؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ نصف مال حاضر خدمت کر دیا، اور نصف گھر چھوڑ آیا۔ پھر یہی سوال آپ نے صدیق اکبرؓ سے کیا۔ ابو بکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ جو کچھ موجود تھا، اللہ کی راہ میں حاضر کر دیا باقی گھر میں خدا اور اُس کے رسول کا نام چھوڑ آیا تب میں سمجھا کہ آئندہ ابو بکرؓ سے بڑھ جانا ناممکن ہے۔

عورتوں کی شرکت

یہی نہیں کہ اس اعانت میں صرف مردوں نے ہی حصّہ لیا ہو بلکہ عورتیں بھی اپنی ہمّت کے موافق پیچھے نہ رہیں اور اُنھوں نے بھی زیورات اُتار اُتار کر مجاہدین کی اس عظیم الشان خدمت کے لئے دربارِ رسالت میں پیش کر دیئے۔

روانگی

بہرحال نبیؐ کریم صلے اللہ علیہ وسلم تیس ہزار صحابہ کے ساتھ تبوک کو روانہ ہوئے، لیکن جب لشکر "تبوک" پہنچا تو رومی منتشر ہو چکے تھے اور میدان خالی تھا، البتہ اطرافِ شام سے یوحنا بن رؤبہ امیر ایلہ حاضر خدمت ہوا اور اُس کے ہمراہ اہلِ جربا، اذرح اور مینا، بھی حاضر ہوئے

اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے مصالحت کر کے جزیہ دینا قبول کر لیا
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو امان دیدیا اور اس امان دہی کے
متعلق عہدنامہ لکھ کر اُن کے حوالہ کر دیا۔

معاشرتی مقاطعہ

وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا حَتّٰٓى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ
اور اُن تین شخصوں پر جن کو پیچھے رکھا تھا یہاں تک کہ جب تنگ ہو گئی اُن پر زمین باوجود کشادہ ہونے کے
وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ؕ
اور تنگ ہو گئیں اُن پر اُن کی جانیں اور سمجھ گئے کہ کہیں پناہ نہیں اللہ سے مگر اسی کی طرف

جب آپ مدینۂ منورہ تشریف لے آئے تو اب وہ لوگ اپنے اپنے عذر پیش کر کے معافی کے خواستگار ہوئے جو غزوۂ تبوک میں شریک نہ ہوئے تھے۔ ان میں ایک گروہ منافقین کا تھا۔ انھوں نے جھوٹے عذر تراش کر معافی چاہی اور آپ نے باوجود اصلِ حقیقت سے آگاہی کے اُن سے کوئی تعرض نہ کیا۔ دوسرا گروہ کعب بن مالک، ہلال ابن اُمیّہ اور مُرارہ بن کعب کا تھا، یہ سچّے اور پکّے مسلمان تھے اور صرف کاہلی کی وجہ سے شرکتِ جہاد سے محروم رہ گئے تھے، اُنھوں نے حاضرِ خدمت ہو کر سچ سچ سب واقعہ کہہ سُنایا اور عذر خواہی کی، آپ نے فرمایا کہ جب تک خدا تعالےٰ تمہارا فیصلہ نہ کر دے تم گھر بیٹھو،

اس کے بعد آپ نے تمام مسلمانوں کو حکم فرمادیا کہ ان تینوں سے معاشرتی مقاطعہ کر لیں، اس لئے کہ اُنھوں نے جماعتِ اسلام کا ساتھ

نہ دیا۔ اور گھر آرام سے بیٹھے رہے۔ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر تمام صحابہ حتیٰ کہ ان کے اہلِ خانہ نے بھی اُن سے مقاطعہ کر دیا۔

قبول توبہ

ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ (توبہ)

پھر اس نے انکی طرف رجوع فرمایا تاکہ وہ توبہ کریں بیشک اللہ ہی توبہ قبول کرنیوالا مہربان ہے

جب ان ہر سہ حضرات پر زمین تنگ ہو گئی تو عفوِ الٰہی وحی بنکر اُترا اور پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو عفو الٰہی کی بشارت سُنائی۔ اور ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ نے تمہارا قصور معاف کر دیا۔ مذکورہ بالا آیت میں اسی کا ذکر ہے

خلاصہ

سنہ ہجری میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم مکہ تشریف لے گئے کفارِ مکہ نے حدیبیہ (شمسیہ) پر روک دیا۔ مشرکین نے حضرت عثمانؓ کو جو مسلمانوں کے سفیر بن کر گئے تھے۔ مکہ میں روک لیا۔ اور مسلمانوں میں اُن کی شہادت کا قصّہ مشہور ہو گیا۔ اس پر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک درخت کے نیچے صحابہ سے اس جہاد میں مرنے پر بیعت لی اس کو بیعتِ رضوان کہتے ہیں۔ قریش نے صلح حدیبیہ کے معاہدہ کی عہد شکنی کی اس لئے فتح مکہ کا غزوہ پیش آیا۔ فتح مکہ میں معمولی سی جنگ ہوئی اور کامیابی کے ساتھ لشکرِ اسلام مکہ میں داخل ہو گیا مکہ کے بالائی حصّہ سے حضرت خالدؓ اور زیریں حصّہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بغیر کسی مزاحمت کے داخل ہو گئے۔ آپ نے تمام اہلِ مکہ کو امان

دیدی اور کسی کو کوئی گزند نہیں پہنچا۔ فتح مکہ میں کعبہ کے تین سو ساٹھ بتوں کے علاوہ عزّیٰ، سُواع، مناث، توڑ دیئے گئے۔ حضرت سعد انصاری کی زبان سے فتح مکہ میں یہ جملہ نکلا اَلْیَوْمُ یَوْمُ الْمَلْحَمَۃِ (آج کا دن جنگ کا دن ہے) ابوسفیان نے اس کی شکایت دربارِ رسالت میں کی اس پر آپ نے فرمایا کہ اَلْیَوْمُ یَوْمُ الْمَرْحَمَۃِ (آج کا دن جنگ کا نہیں بلکہ رحم وکرم کا دن ہے) اور حضرت سعد کو صرف اس جملہ پر معزول کر کے ان کے بیٹے قیس کو سرِ لشکر بنا دیا۔ فتح کے روز ایک خائف شخص سے آپ نے فرمایا کہ پریشان نہ ہو اور مجھ سے نہ ڈر۔ میں بھی قریش کی ایک عورت کا بیٹا ہوں۔ آپ نے انصار کو اطمینان دلایا کہ میں اپنے عہد پر قائم ہوں اور فتح مکہ کے بعد بھی میری موت وحیات تمہارے ہی ساتھ وابستہ ہے یعنی مدینہ ہی قیام کروں گا۔ فتح کے دن مشاہیرِ قریش میں سے حضرت معاویہؓ، ابوقحافہؓ اور ابوسفیان مشرف باسلام ہوئے۔ ان کے علاوہ دو ہزار قریشی بطیبِ خاطر مسلمان ہوئے۔ آپ نے مکہ کا والی حضرت عتاب بن اُمیہ کو بنایا اُن کی عمر اس وقت اٹھارہ سال کی تھی غزوۂ حنین کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ ثقیف و ہوازن نے مسلمانوں کے خلاف جنگ کی طیاری کی۔ اور تمام قبائلِ مکہ میں مسلمانوں کے خلاف آگ لگا دی۔ وادیٔ حنین میں مسلمانوں نے دشمن کے لشکر کا مقابلہ کیا مسلمانوں کے لشکر کی تعداد آج بارہ ہزار سے زائد تھی یہ دیکھ کر ان کے دلوں میں اپنی کثرت پر بڑا گھمنڈ ہوا۔ خدائے تعالےٰ کو یہ غرور پسند نہ آیا اور

مسلمانوں کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ مسلمان اپنی حرکت پر متنبہ ہوئے اور اس سے عبرت حاصل کی۔ انجام کا نتیجہ اُن ہی کے حق میں بہتر ہوا اور کامیاب واپس آئے۔ حُنین کے مفرورین نے طائف میں پناہ لی اور مسلمانوں کے مقابلہ کی تیاری شروع کر دی۔ مسلمانوں نے طائف کا محاصرہ کرلیا۔ حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورہ سے منجنیق کا استعمال کیا گیا۔ مگر محاصرہ ناکام رہا۔ تھوڑے عرصہ کے بعد اہلِ طائف خود مدینہ حاضر ہوکر مشرف باسلام ہو گئے۔ ۹ھ ہجری میں مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ رومی لشکرِ جرار کے ساتھ مدینہ پر حملہ کرنے والے ہیں۔ مسلمان باوجود قحط وخشک سالی اور افلاس کے اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لئے سربکف ہوکر شام کے شہر تبوک میں پہنچے تو دشمن کا لشکر منتشر ہو چکا تھا۔ اس سفر میں شام کی مختلف آبادیوں سے معاہدۂ صلح ہوا۔ اور لشکرِ اسلام بعافیت واپس آگیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ جس میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے تنگ دست ومفلس مجاہدین کے لئے چندہ کی اپیل کی اور ذی ثروت صحابہ نے تعمیلِ حکم اور خدمتِ اسلام کی خاطر مال ودولت کے انبار لگا دیئے

سوالات

(۱) صلح حدیبیہ کب ہوئی اور کیوں ہوئی؟

(۲) بیعت رضوان کس کو کہتے ہیں؟

(۳) فتح مکہ کا سبب بیان کرو؟

(۴) فتح مکہ کا مختصر حال بیان کرو۔

(۵) فتح کے بعد کتنے بت توڑے گئے؟

(۶) نبی کریم نے اَلْیَوْمُ یَوْمُ الْمَرْحَمَۃ کس لئے فرمایا؟

(۷) آپ نے فتح کے روز ایک مرعوب شخص سے کیا فرمایا؟

(۸) انصار سے آپ کی کیا گفتگو ہوئی؟

(۹) فتح کے دن مشاہیر قریش میں سے کون کون مسلمان ہوئے؟

(۱۰) آپ نے مکہ کا والی کس کو بنایا؟

(۱۱) غزوہ حُنَین کیوں پیش آیا؟

(۱۲) حُنَین میں مسلمانوں کی شکست کا کیا سبب تھا؟

(۱۳) واقعۂ طائف کا سبب بیان کرو۔

(۱۴) منجنیق کا استعمال کس کے مشورہ سے ہوا؟

(۱۵) اہل طائف کا کیا انجام ہوا؟

(۱۶) غزوۂ تبوک کے مختصر حالات بیان کرو۔

(۱۷) اسلام میں سب سے پہلے قومی چندہ کی اپیل کب کی گئی؟

(۹)

حجۃ الوداع، وصالِ خاتم النبیین

حج ابوبکر

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْمُشْرِکُوْنَ نَجَسٌ فَلَا یَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ
اے ایمان والو مشرک لوگ پلید ہیں سو نزدیک نہ آجاویں مسجدِ حرام کے
بَعْدَ عَامِھِمْ ھٰذَا (سورہ توبہ)
اس برس کے بعد

مکہ جب کفر و شرک سے پاک ہوگیا تو ۹ھ[1] ہجری میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کو امیرِ حج بنا کر روانہ فرمایا۔ صحابہ کی بہت بڑی تعداد حضرت ابوبکر کے ہمراہ تھی، حضرت ابوبکرؓ کی روانگی کے بعد نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا کہ وہ مکہ معظمہ جا کر حضرت ابوبکرؓ کی سیادت ہی میں اجتماعِ حج کے موقع پر مکہ میں یہ اعلان کردیں:-

(۱) اس سال کے بعد کسی مشرک کو حج کی اجازت نہ ہوگی۔

(۲) مشرکین میں سے جن قبیلوں نے اپنے اپنے معاہدۂ صلح کی خلاف ورزی کی ہے۔ اُن کو صرف چار ماہ کی مہلت دی جاتی ہے اس کے بعد مسلمانوں اور ان کے درمیان کسی قسم کا پیمان نہ ہوگا۔

---

[1] مطابق مارچ ۶۳۱ء

(۳) اس مدت سے وہ قبائل خارج ہیں جن کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی خاص مدت تک کے لئے عہدِ صلح کر لیا ہے۔ ان کے ساتھ معاہدۂ صلح کی مدت کا ایفا کیا جائے گا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس اعلان کا نتیجہ حسبِ مراد نکلا اور آیندہ سال بھر کسی مشرک کو حج کے ارادہ کی جرأت نہ ہوئی۔

اہلِ یمن کو تعلیم اسلام

حجۃ الوداع سے پہلے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت ابو موسیٰ اشعری کو یمن کا معلّم و گورنر بنا کر بھیجا۔ حضرت معاذ یمن کے بالائی حصص پر "جو کہ عدن کے قریب واقع ہیں" مقرر کئے گئے اور حضرت ابو موسیٰ اشعری کو یمن کے زیریں حصہ پر متعین کیا۔ اس جگہ وہ الفاظ قابلِ ذکر ہیں جو ان دونوں کو رخصت کرتے وقت رحمۃ للعالمین نے ارشاد فرمائے جس کے حرف حرف سے دعوت و ارشاد کی "حقیقت" ظاہر ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا یَسِّرَا وَلَا تُعَسِّرَا وَبَشِّرَا وَلَا تُنَفِّرَا دیکھو تم لوگوں کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرنا سخت گیری ہرگز نہ کرنا۔ دعوت و تبلیغ ہو یا سیاسی معاملات ان کے ساتھ اس طرح گفتگو کرنا کہ اُن کے دلوں میں شوق کا جذبہ پیدا ہو نہ کہ نفرت کا، حضرت معاذ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تک یمن کے معلّم و امیر رہے۔ مگر حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ حجۃ الوداع کے زمانہ میں واپس آ کر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ادائے حج میں شریک ہو گئے۔

حجۃ الوداع

جب سے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم مدینۂ طیبہ تشریف لائے ہیں آپ نے متعدد عمرے کئے مگر حج کا ارادہ ملتوی رکھا۔ اب ہجرت کا دسواں سال ہے مکۂ معظمہ فتح ہو چکا ہے۔ حجِ بیت اللہ کے متعلق مشرکین کی خود ساختہ رسومِ شرکیہ کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ قریش و قبائلِ مکہ میں اسلام روزافزوں ترقی پر ہے، خدا کا رسول، عرب و عجم کا ہادی خاتم النبیین، حج بیت اللہ کا قصد کر رہا ہے مدینہ واطرافِ مدینہ میں یہ خبر بجلی کی طرح دوڑ گئی، ملّتِ ابراہیمی کے شیدائی مسلمان، جوق جوق خدا کے گھر کی زیارت کے لئے جمع ہونے لگے۔

روانگی

۱؎ ۱۰ ہجری ۲۵ ذی قعدہ ہفتہ کا روز ہے کہ خدا کا محبوب، مدینہ سے روانہ ہو رہا ہے جلو میں زائرینِ حرم کا اُمنڈتا ہوا سیلاب ہے ایک لاکھ چودہ ہزار صحابہ وہ ہیں جو مدینہ سے ساتھ ہوئے ہیں، راہ میں قبائل پر گذر ہوتا ہے تو شمعِ حرم کے پروانوں میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ اور اس شان کے ساتھ یہ مبارک قافلہ عازمِ بیت اللہ ہے۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ قیامِ مدینہ کی اس تھوڑی سی مدت میں اسلام کی اشاعت کہاں سے کہاں پہنچ گئی تھی۔

۱؎ مطابق مارچ ۶۳۲ء

خطبہ

۴۔ ذی الحجہ یک شنبہ کا روز ہے کہ زائرینِ حرم کا یہ قافلہ مکہ معظمہ میں داخل ہوا۔ اور ہر شخص ارکانِ حج میں مشغول ہو گیا۔

۹۔ ذی الحجہ کا دن بھی عجیب دن تھا کہ عرفات کے میدان میں جبلِ رحمت کے سامنے مسجدِ نمرہ میں پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے اصولِ اسلام پروہ فصیح و بلیغ خطبہ دیا جس میں آپ نے مذہب و سیاست کے اُن بنیادی اُصول کو بیان فرمایا جس کا ایک ایک کلمہ اور ایک ایک حرف آج بھی اسی طرح دنیا کے لئے اسوہ اور نمونہ ہے جس طرح آج سے ساڑھے تیرہ سو سال پہلے تھا۔

حمد و ثنا کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا:۔

لوگو! میری بات کو غور سے سنو۔ میں چاہتا ہوں کہ آج تمہارے سامنے ضروری باتیں بیان کر دوں، نہیں معلوم آیندہ سال اس میدان میں میری تم سے ملاقات ہو سکے یا نہ ہو سکے۔

لوگو! تم پر مسلمانوں کی جان و مال قیامت تک اس طرح حرام ہے جس طرح کہ آج کے دن اس مہینہ میں اور اس شہر میں

کیا میں نے یہ پیغام ابھی تم کو سُنا دیا؟ اے خدا تو شاہد ہے کہ میں نے حقِ تبلیغ ادا کر دیا۔ جس شخص کے پاس کسی کی امانت ہو اس کو چاہیئے کہ صاحبِ امانت کے حوالے کر دے۔ زمانۂ جاہلیت میں جو سود کا رواج تھا، آج اسلام نے اس کو مٹا دیا۔ میں سب سے پہلے اُس سود کو معاف

کرتا ہوں جو کسی کے ذمہ میرے چچا عباس بن عبد المطلب کا واجب تھا۔
اور آج میں سب سے پہلے اس حقِ خون کو معاف کرتا ہوں جو ربیعہ بن حارث بن عبد المطلب کے قاتلین کے ذمہ ہے یعنی آج کے بعد خونبہا کے سلسلہ میں جو قبائل میں خونریزیاں نسلاً بعد نسلٍ چلی آتی تھیں۔ وہ اسلام نے ہمیشہ کے لئے ختم کردیں۔ اور قتلِ عمد کا مجرم قابلِ قصاص ہے۔ زمانۂ جاہلیت کی تمام رسوم ہمیشہ کے لئے ختم ہوچکیں۔ البتہ خدمتِ کعبہ، اور خدمتِ زمزم اسی طرح باقی ہیں۔

لوگو! اگرچہ شیطان اس سرزمین سے اس سے ناامید ہوچکا ہے کہ اب یہاں صنم پرستی اور شرک پھیلے۔ لیکن اس کو یہ تمنا باقی ہے کہ تم شرک کے علاوہ دوسری باتوں میں اس کے جال میں پھنس جاؤ۔ جن کو تم اپنے نزدیک معمولی سمجھتے ہو (یعنی گناہ چھوٹے سے چھوٹا بھی نہ کرو) عورتوں کے معاملہ میں خدا سے ڈرو اس لئے کہ اُن کو تم نے خدا کی امانت بنا کر حاصل کیا ہے۔ میں تمہارے پاس وہ چیز چھوڑتا ہوں کہ اگر تم اس پر مضبوطی سے قائم رہے تو پھر تم سے گمراہی کوسوں دور ہے۔ اور وہ "کتاب اللہ" ہے۔ کیا میں نے تم کو خدا کا حکم پہنچا دیا؟ اے خدا تو شاہد ہے کہ میں حقِ رسالت ادا کرچکا۔

لوگو! تمہارا خدا، ذاتِ واحد ہے اور تم ایک ہی باپ کی اولاد ہو۔ تم سب اولادِ آدم علیہ السلام ہو اور آدم مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں خدا کے نزدیک وہی برگزیدہ ہے جو اس سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔ کسی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں، فضیلت صرف پرہیزگاری سے حاصل ہوتی ہے۔

کیا میں نے خدا کا حکم سُنا دیا۔ اے خدا تو گواہ ہے کہ میں اپنا حقِ رسالت ادا کر چکا
لوگو! تم کو چاہیئے کہ ان باتوں کو ان لوگوں تک بھی پہنچا دو جو اس وقت
یہاں موجود نہیں۔

یہ اُس خطبہ کا خلاصہ ہے جس میں خدا کے پیغمبر نے فداکارانِ اسلام
کو دین و دنیا کے بہترین اُصول سمجھائے اور ایک عظیم الشان مجمع کے سامنے
یہ آخری کلمات تھے جو بطور وصیت آپ نے اُمتِ مرحومہ کو تلقین فرمائے

دوسرا خطبہ جو آپ نے منیٰ میں دیا اس میں دوبارہ آپ نے انہیں
وصایا کو بعض دوسری ضروری نصائح کے ساتھ ملا کر بیان فرمایا۔ دو ضروری
جملے اس معجزانہ خطبہ کے یہاں بھی قابلِ ذکر ہیں۔

میرے بعد کافروں کا شیوہ اختیار نہ کر لینا کہ ایک دوسرے کی گردنیں
مارنے لگو۔ جو موجود ہیں وہ غائب تک ان نصائح کو پہنچا دیں۔ اس لئے کہ
اکثر سننے والوں سے زیادہ کلام کو وہ محفوظ رکھتے ہیں جو سننے والوں
سے سنتے ہیں۔

اتمامِ نعمت

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا

آج میں نے تمہارا دین کامل کر دیا۔ اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لئے دین اسلام پسند کیا (مائدہ)

اسی مبارک اجتماع کے موقعہ پر عرفات کے میدان میں جمعہ کے روز
خدا کا وہ آخری پیغام نازل ہوا۔ جس نے اس دین کے کمال کی بشارت
دی اور اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا

نازل فرما کر ملتِ اسلامیہ کے کامل و مکمل ہونے پر مُہر لگادی۔
بہر حال نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ ارکانِ حج سے فارغ ہو کر ۱۴ ذی الحجہ بروز چہارشنبہ مکۂ معظمہ سے بقصد مدینۂ منورہ روانہ ہوئے۔

تفویضِ امور کا معیار قابلیت ہے نہ کہ عمر

شام کے علاقہ بلقاء میں موتہ کے قریب ایک جگہ ہے جس کو اُبنی کہتے ہیں یہاں رومیوں کے ہاتھ حضرت زید بن حارثہ شہید ہوئے تھے، زید بن حارثہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ترین صحابہ میں سے تھے۔ اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اِن کو بیٹوں کی طرح پرورش کیا تھا۔ آپ کو اِن کے قتل پر بہت حزن و ملال تھا۔

۲۶ صفر ۱۱ھ[1] ہجری میں آپ نے حضرت زیدؓ کے صاحبزادہ حضرت اُسامہؓ کی سیادت میں مسلمانوں کا ایک لشکر ترتیب دیا۔ ابھی روانگی کی نوبت نہ آئی تھی کہ بعض صحابہ میں چہ میگوئیاں ہوئیں کہ اُسامہ نوجوان ہیں کل سترہ سال کی عمر ہے جس لشکر میں صدیقِ اکبرؓ فاروقِ اعظمؓ، ابو عبیدہؓ سعد بن معاذؓ جیسے جلیل القدر و ذی رائے انصار و مہاجرین شریک ہوں اس کا سرِ لشکر ایک نوعمر و ناتجربہ کار لڑکا نہ ہونا چاہئے۔ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہوا تو حجرۂ مبارک سے باہر تشریف لائے اور غصہ سے ارشاد فرمایا یہ کیا بات ہے جو میں سُن رہا ہوں؟ میں جانتا ہوں کہ اس سے پہلے اُسامہ کے باپ زید کے متعلق بھی اسی طرح کہا گیا تھا۔ اور آج اُسامہ کے لئے بھی

---

[1] مطابق مئی ۶۳۲ء

یہی کہا جا رہا ہے وَایْمُ اللہِ اِنْ زَیدًا کَانَ لَخَلِیْقًا بِالْاِمَارَۃِ وَاِنَّ ابْنَہٗ مِنْ بَعْدِہٖ لَخَلِیْقٌ بِھَا خدا کی قسم زید بھی اس سیادت کا مستحق تھا اور آج اُس کا بیٹا بھی اس سیادت کا اہل ہے۔ افسوس کہ اس سریہ کی روانگی سے قبل ہی آفتابِ رسالت کے غروب کا وقت آگیا۔ اور مرضِ وفات نے سر دست اس کی روانگی ملتوی کر دی۔ اور اس کی تکمیل خلافتِ صدیقی میں ہوئی۔

مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم

۲۸ صفر ۱۱ھ روز چہار شنبہ کو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں فروکش تھے۔ کہ یکایک آپ کے سر مبارک میں درد شروع ہوا۔ درد میں ترقی ہوئی تو بخار ہو گیا۔ مرض میں جب شدت ہوئی تو آپ نے ازواجِ مطہرات سے فرمایا کہ اگر تم اجازت دو تو میں ایامِ مرض عائشہ کے گھر میں گذاروں۔ سب نے بخوشی اجازت دیدی اور آپ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے یہاں مرض میں زیادہ ترقی ہو گئی۔ آپ نے فرمایا کہ میرے سر پر ٹھنڈے پانی کی مشکیں چھوڑ دو تاکہ بخار کی تیزی میں کمی ہو۔ بخار کی تیزی کا یہ عالم تھا کہ اگر کپڑے پر بھی کوئی ہاتھ رکھتا تھا تو بخار کی تیزی محسوس ہوتی تھی۔

امامتِ صدیق رضؓ

بخار اور دردِ سر کی شدت کی وجہ سے آپ مسجد میں تشریف نہ لا سکتے تھے حضرت ابو بکرؓ کے متعلق ارشاد فرمایا کہ وہ امامت کریں۔ گویا لطیف پیرایہ میں اشارہ تھا کہ امامت کبرٰے (خلافت) کا حق انہی کو ملنے والا ہے

اور وہی اس کے مستحق ہیں۔

صدیقِ اکبرؓ نے سترہ نمازیں مسجد نبوی میں پڑھائیں اور آپ کی نیابت کا حق ادا کیا۔

انصار کی بے چینی

اسی دوران میں حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عباسؓ کا ایک روز انصار کی ایک مجلس میں گذر ہوا، دیکھا کہ اہلِ مجلس سخت بے چین اور پریشان حال ہیں۔ اور بعض پر گریہ طاری ہے۔ انھوں نے اس آہ و زاری کی وجہ معلوم کی انصار نے کہا نبیٔ کریم محبوبِ رب العالمین کی مبارک مجلسیں یاد آتی ہیں۔ افسوس کہ آج اُن سے محروم ہیں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ یہ سُن کر حجرۂ مبارک میں داخل ہوئے اور انصار کا ماجرا کہہ سُنایا۔

وداعی خطبہ

یہ سُن کر سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم اُٹھے۔ سرِ مبارک پر درد کی وجہ سے پٹی بندھی ہوئی تھی۔ نقاہت بے انتہا تھی۔ اس لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما کے کاندھوں پر سہارا دیتے ہوئے مسجدِ نبوی میں داخل ہوئے، آگے آگے حضرت عباسؓ ہیں، انصار و مہاجرین کی نظر چہرۂ مبارک پر پڑی تو پروانہ وار دوڑے۔ آپ منبر کے نیچے سیڑھی ہی پر بوجہ نقاہت تشریف فرما ہوئے اور اُمّتِ مرحومہ کے سامنے آخری خطبہ دیا۔ جس کا ایک ایک حرف رُشد و ہدایت کا مستقل باب تھا۔

آپ نے ارشاد فرمایا:-

لوگو! میں سنتا ہوں کہ تم اپنے نبیؐ کی وفات سے بیحد خائف ہو رہے ہو۔ کیا مجھ سے پہلے جو خدا کے نبی اور پیغمبر آئے وہ ابدی زندگی لے کر آئے؟ جو میری ابدی زندگی کی تم کو تمنا ہے۔ خوب سمجھ لو کہ میں اپنے خدا کے پاس جانیوالا ہوں۔ اور تم بھی میرے بعد مجھ سے آملو گے۔

اے انصار! میں تم کو مہاجرین اولین کے بارے میں خیر کی وصیت کرتا ہوں۔ اور اے مہاجرین میں تم کو بھی وصیت کرتا ہوں کہ آپس میں محبت اور خیر ہی کا معاملہ رکھنا۔ اور انصار کے احترام کا بھی لحاظ رہے یہی وہ جماعت ہے جس نے تم کو پناہ دی اور باوجود اپنی حاجات کے تمہاری ضروریات کو اپنی ضروریات پر ترجیح دی۔

خوب یاد رکھو جب لوگ نیکو کار ہوتے ہیں تو اُن کے امام و امیر اُن کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آتے ہیں۔ اور جب فسق و فجور میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو خدائے تعالےٰ اُن پر سخت گیر امیر مقرر کر دیتا ہے مجھ سے ملاقات کا موقع حوض پر ہے۔ جو شخص اس بات کا طالب ہے کہ کل بروزِ حشر وہ مجھ سے ملاقات کرے تو اُس کو چاہیئے کہ اپنے ہاتھ اور اپنی زبان کو فضولیات سے محفوظ رکھے۔

یہ ہیں چند اقتباسات اس طویل خطبہ کے جو مسجدِ مبارک میں مہاجرین و انصار نے سُنا۔ اور ان کے صدقے میں آج ہم کو بھی ان بے بہا جواہر سے گود بھرنے کا موقع ملا۔

اس خطبہ کے چند روز بعد پھر ایک مرتبہ آپ مسجد میں تشریف لائے جماعت ہو رہی تھی۔ صدیق اکبرؓ امام تھے۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی آمد محسوس کر کے ابو بکرؓ نے چاہا کہ پیچھے ہٹیں۔ تاکہ آپ امام بنیں۔ آپ نے ہاتھ کے اشارہ سے منع فرمایا۔ اور حضرت ابو بکر کے بائیں جانب بیٹھ گئے۔ اور نماز پڑھائی۔ ختم نماز کے بعد منبر پر بیٹھ کر مختصر خطبہ دیا جس کے جستہ جستہ الفاظ یہ ہیں۔

خدا نے اپنے بندہ کو اختیار دیا ہے کہ وہ دنیا کی بہار کو اپنے لئے پسند کرے یا اس نعمت کو جو خدا کے پاس ہے۔ بندہ نے خدا کی نعمت کو اختیار کیا ہے۔ صدّیق اکبرؓ سمجھ گئے کہ وفات قریب ہے بے ساختہ رونے لگے۔ آپ نے پھر فرمایا کہ ابو بکر میرے سب سے بڑے رفیق ہیں۔ اگر میں کسی کو خلیل بناتا تو ابو بکرؓ کو بناتا لیکن خلیل غیر خدا اور کوئی نہیں۔ اس لئے ابو بکرؓ میرے بھائی ہیں۔ مسجد میں کھلنے والی تمام کھڑکیاں بند کر دی جائیں سوائے ابو بکرؓ کے مکان کی کھڑکی کے"

وفاة النبی صلی اللہ علیہ وسلم

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ

اور محمد نہیں ہیں مگر پیغمبر بیشک ان سے پہلے پیغمبر گذر چکے ہیں

آہ! آخر وہ وقت بھی آہی پہونچا کہ آفتاب نبوت کی عالمتاب روشنی سے اس دنیا کی ظاہری آنکھیں ہمیشہ کے لئے محروم ہو گئیں۔ ۱۲۔ ربیع الاول کو یکشنبہ کے روز مرض بہت زیادہ ترقی کر گیا۔

۱۳[1] کی صبح کو کچھ افاقہ محسوس ہوا تو آپ نے حجرہ کا پردہ اُٹھا کر دیکھا تو ابوبکرؓ مسلمانوں کو نماز پڑھا رہے تھے آپ یہ دیکھ کر بیحد مسرور ہوئے صحابہ کو پردہ کی حرکت محسوس ہوئی تو وفورِ شوق سے صفوں میں سخت بےچینی ہونے لگی آپ نے ہاتھ سے اشارہ فرمایا کہ نماز میں مشغول رہو اور فوراً پردہ ڈال دیا۔

چاشت کا وقت تھا کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا دیکھتی ہیں کہ بار بار آپ کی نظرِ مبارک حجرہ کی چھت کی طرف اُٹھتی ہے اور فرماتے جاتے ہیں اَللّٰھُمَّ بِالرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی۔ سمجھ گئیں کہ خدا کا محبوب رفیقِ اعلیٰ کی محبّت میں غرق ہے اور نبوت و رسالت کا بدرِ منیر عنقریب عالمِ فانی کو ظلمت کدہ بنا کر عالمِ باقی کو منور کرنے والا ہے۔ وقت نہیں گذرا تھا کہ وہی ہوا۔ اور دیکھتے دیکھتے روحِ مقدس رفیقِ اعلیٰ سے جا ملی اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

عمرِ مبارک

مرضِ وفات کی کل مدّت تیرہ دن ہے۔ اور صحیح روایت کے مطابق عمرِ مبارک ۶۳[2] سال کی ہوئی۔ نبوت کے بعد زندگیِ مبارک کے تیرہ سال مکہ معظمہ میں اور دس سال مدینۂ منورہ میں پورے ہوئے۔

---

[1] ۱۳ ربیع الاول ۱۱ھ روز دوشنبہ مطابق ۸ جون ۶۳۲ء ۱۲

[2] یہ قمری مہینہ کے حساب سے ہے اور شمسی مہینہ کے حساب سے ۶۱ سال چوراسی دن ہوتے ہیں ۱۲

صحابہ کی دہشت

وصالِ نبی کی خبر آن کی آن میں پھیل گئی اور تمام صحابہ پر اس خبر وحشت اثر سے سکتہ کا عالم چھا گیا۔ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ تو عالمِ بیتابی میں اس قدر حیران و پریشان ہوئے کہ تلوار سونت کر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے کہ جو شخص یہ کہے گا کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو موت آ گئی تو اُس کی گردن اُڑا دوں گا۔

صدّیقِ اکبر کی استقامت

حضرتِ عباسؓ و صدیقؓ صرف دو ہستیاں تھیں جو اس حیرانی کے عالم میں استقامت کے ساتھ اس مصیبتِ کبرٰے کا مقابلہ کر رہی تھیں حضرتِ صدیق کو جب وفات کی اطلاع ملی تو فوراً حجرہ مبارک میں داخل ہوئے اور عالمِ وجد و گریہ میں پیشانیِ مبارک کو بوسہ دیا اور فراق کے کلمات سے زخمی دل کو تسکین دی۔ لیکن صحابہ کے خوف کا یہ عالم دیکھ کر فوراً باہر نکل آئے۔ اور صحابہ کو مخاطب کر کے فرمایا:۔

اَیُّهَا النَّاسُ، مَنْ كَانَ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ وَمَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ حَیٌّ لَا يَمُوْتُ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ۔

لوگو! جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا ہو تو اس کو معلوم ہونا چاہیے کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم اس دارِ فانی سے رہگزائے عالم باقی ہو گئے اور جو شخص خدا کو پوجتا ہے تو بیشک خدا حیٌّ لا یموت ہے اور پھر آیت تلاوت کی جس کا ترجمہ یہ ہے۔

محمد بھی خدا کے پیغمبر ہی ہیں۔ ان سے پہلے بہت سے پیغمبر گزر گئے اگر وہ مر جائیں یا قتل کر دیئے جائیں تو تم ایڑیوں کے بل اس دین سے پلٹ جاؤ گے؟ اور اگر کوئی شخص اس دین سے پھر جائے تو وہ خدا کا ذرّہ برابر بھی نقصان نہیں کرتا۔ اور اللہ شکر کرنے والوں کو نیک بدلہ دیگا۔

صدیقِ اکبرؓ کے ان مختصر اور جامع الفاظ اور قرآنِ عزیز کی آیت کو سُنکر صحابہ کو تسکین ہو گئی۔ اور ان کے دلوں میں وہ دہشت باقی نہ رہی فاروقِ اعظمؓ فرماتے ہیں کہ ابو بکرؓ کی تقریر اور ان کے برمحل آیتِ قرآنی کے پڑھنے نے مجھ کو ایک دم چونکا دیا۔ اور میں اس وقت یہ محسوس کر رہا تھا کہ گویا اس سے قبل میں نے یہ آیت پڑھی ہی نہ تھی" گویا اپنی حیرانی اور انکارِ وفات پر خود ہی متعجب تھے"

تجہیز و تکفین

صحابۂ کرام نصبِ خلافت سے فارغ ہو کر جس کی تفصیل انشاء اللہ سیرۃ الخلفا میں آنے والی ہے۔ آپ کی تجہیز و تکفین میں مصروف ہوئے غسل و تکفین کے بعد مسلسل مسلمانوں کی جماعتیں آتی رہیں اور حجرۂ مبارک میں نمازِ جنازہ ادا کرتی رہیں۔ اور اس فریضہ سے فارغ ہو کر ۱۴ ربیع الاول روز سہ شنبہ گذر کر شب میں صدیقۂ عائشہؓ کے حجرہ میں جہاں آپ کا وصال ہوا تھا۔ آپ کو دفن کیا گیا[1]۔ اور قبرِ مبارک کو

---

[1] نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو حضرت علیؓ نے غسل دیا۔ اور حضرت عباسؓ اور ان کے دو لڑکے صاحبزادے فضل و قثم نے اور اُسامہ و شقران مولیٰ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کی اعانت کی اور انہیں حضراتِ اہلِ بیت نے آپ کو قبر میں اُتارا اور حضرت بلال نے قبرِ مبارک پر پانی چھڑکا"

سطح زمین سے ایک بالشت اونچا بنا دیا۔

صحابہ میں اختلاف تھا کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو کس جگہ دفن کیا جائے، کسی نے بقیع کی رائے دی اور کسی نے کچھ رائے دی سب باتوں کو سُنکر صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے آپ فرماتے تھے کہ نبی کا جس جگہ انتقال ہوتا ہے وہیں مدفون ہوتا ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ مجھ سے بھی یہی فرمایا تھا تب حجرۂ صدیقۂ عائشہ رضی اللہ عنہا میں دفن کیا گیا۔ یہ بھی اختلاف ہوا کہ آپ کی قبر لحد ہو یا شق آخر فیصلہ یہ ہوا کہ لحد کھودنے والے ابوطلحہ زید بن سہل انصاری اور شق کھودنے والے ابوعبیدہ دونوں کو بلایا جائے جو پہلے آجائے اسی قسم کی قبر بنائی جائے۔ چنانچہ سب سے پہلے ابوطلحہ داخل ہوئے اور قبر مبارک لحد ہی کھودی گئی۔ تین کپڑوں میں آپ کو کفن دیا گیا جس میں عمامہ تھا نہ قمیص۔

خلاصہ

سنہ ۹ھ میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو حج کرائیں اور بعد میں حضرت علی کو بھیجکر اعلان کرادیا کہ آئندہ کوئی مشرک حج کے ارادہ سے نہ آئے۔ اسی سال میں حضرتِ معاذ اور ابوموسیٰ اشعری کو یمن بھیجا کہ وہ اسلام کی دعوت کو عام کریں اور رُشد و ہدایت میں نرمی اور خوش خلقی کو کام میں لائیں۔ سختی، درشتی اور نفرت دلانے والے طرز سے ہمیشہ بچیں، سنہ ۱۰ھ میں آپ نے حجۃ الوداع

کا ارادہ فرمایا۔ اور اسی سفر میں وہ آیت نازل ہوئی جس میں اس دین کی تکمیل کی بشارت دی گئی ہے۔ اور اسی سفر میں عرفات کے میدان میں آپ نے ایک بلیغ خطبہ دیا جس میں اسلامی احکام بیان فرمائے۔ اسی سنہ میں اس لشکر کی ترتیب دی جس کی سرداری حضرت اسامہؓ کے سپرد کی گئی تھی۔ مگر یہ لشکر آپ کے مرضِ وفات کی وجہ سے آپ کی حیاتِ طیبہ میں روانہ نہ ہو سکا۔

آپ کا مرض بخار اور درد سر سے شروع ہوا۔ تیرہ دن بیماری رہی۔ بیماری کے ایام عائشہ صدیقہ رضہ کے حجرہ میں گذارے۔ اپنی جگہ مسجدِ نبوی کا امام حضرتِ ابو بکرؓ کو مقرر فرمایا۔ اس مرض میں دو مرتبہ مسجدِ مبارک میں تشریف لائے اور دونوں مرتبہ بلیغ خطبے دیئے۔ جس میں دین و دنیا کی نصائح فرمائیں اور عالمِ فانی سے اپنی رخصت کی لطیف پیرایہ میں اطلاع دی۔ ۱۳ ربیع الاول دوشنبہ کے دن وصال ہوا۔ اور سہ شنبہ کے دن ختم ہونے کے بعد شب میں اسی حجرہ میں مدفون ہوئے۔ اسی اثنا میں نمازیوں کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ اور حجرہ کے اندر ہی مسلمان جاتے تھے اور فرداً فرداً نماز پڑھ آتے تھے۔ جماعت اس لئے نہ کی گئی کہ آپ کے جنازے کی امامت کرے کس کی طاقت؟ عمر مبارک کل ۶۳ سال کی ہوئی

صحابہ کے دلوں میں اس واقعہ سے بہت دہشت و خوف پیدا ہوا مگر حضرت ابو بکر صدیق رضہ نے اپنی ایک جامع تقریر سے سب کو سنبھالا تجہیز و تکفین میں نصبِ خلافت کی وجہ سے تاخیر ہوئی۔ اس لیے کہ قیام

خلافت ہی پر اسلام کی ہستی کا مدار اور اس کے عروج و بقا کا انحصار ہے

سوالات

(۱) ۹ھ میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے کس کو امیرِ حج بنا کر بھیجا؟

(۲) حضرت علیؓ نے اس حج کے موقع پر مکہ میں کیا منادی کی؟

(۳) حجۃ الوداع کب پیش آیا؟

(۴) حجاج کی تعداد کیا تھی؟

(۵) خطباتِ حجۃ الوداع کے مضمون مختصراً بیان کرو؟

(۶) تکمیلِ دین کے متعلق آیت پڑھو۔

(۷) جس لشکر کے سردار حضرت اسامہؓ تھے اس میں کون کون صحابہ شریک تھے؟

(۸) آپ کو مرض کب سے شروع ہوا؟

(۹) مرض کے زمانہ میں مسجدِ نبوی میں نماز کس نے پڑھائی۔ اس سے کیا اشارہ نکلتا ہے؟ اور کس قدر نمازیں پڑھائیں؟

(۱۰) بیماری کے زمانہ میں آپ مسجدِ نبوی میں کس غرض سے جلوہ افروز ہوئے؟

(۱۱) وداعی خطبہ کا مختصر مضمون بیان کرو۔

(۱۲) آپ کا وصال کب ہوا۔ وصال کے مختصر حالات بیان کرو۔

(۱۳) دفن میں کس سبب سے تاخیر ہوئی؟

تمام سیرت کا خلاصہ

خاتم النبیین سرورِ عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ۹ ربیع الاول روز دوشنبہ بوقت صبح ہوئی۔ یہ سال عرب میں عام الفیل کے نام سے مشہور ہے۔ عمر مبارک ترسیٹھ سال کی ہوئی بعثت و نبوۃ سے قبل کے چالیس سال صداقت، امانت، دیانت اور استقامت کے ساتھ پورے کئے۔ جس کا دشمنوں کو ہمیشہ سے اقرار رہا ہے چالیسویں سال نبی و رسول بنائے گئے۔ اور خدائے قدوس سے خلعتِ رسالت عطا ہوا۔ رسالت کے تیرہ سال مکہ میں اور دس سال ہجرت کے بعد مدینہ میں بسر کئے۔ اور اس تھوڑی سی مدت میں رشد و ہدایت، مکارمِ اخلاق اور دینِ فطرت کی تعلیم و تبلیغ اس معجزانہ طریق پر فرمائی جس کی نظیر پیش کرنے سے دنیا کی تاریخ ماضی و حال عاجز ہے اور ۱۳ ربیع الاول بروز دوشنبہ عالمِ دنیا کو چھوڑ کر رفیقِ اعلےٰ سے جا ملے۔

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی نَبِیِّکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

واقعات بعد ہجرت



گذشتہ اوراق میں سیرت کے متعلق کافی حصّہ گذر چکا ہے مگر ان کو عام سیرت کی کتابوں کی طرح سن وار ترتیب نہیں دیا گیا۔ بلکہ واقعات کے باہمی تعلق اور تسلسل کے اعتبار سے بیان کیا گیا ہے۔

اب مناسب ہے کہ سنہ ہجری کی ترتیب پر بعض اہم حالاتِ سیرت کو روشنی میں لایا جائے تاکہ سیرت کے بعض وہ اہم پہلو جو ابھی تک پوری طرح سامنے نہیں آئے، سامنے آجائیں، اور اسی کے ساتھ دوسرے واقعات بھی بیان کردیئے جائیں۔

ہجرتِ اہلِ بیت

جب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم ہجرت فرماکر مدینہ طیبہ، رونق افروز ہوئے۔ اور ابو ایّوب انصاری کے مکان میں فروکش ہوئے تو حضرت زید بن حارثہ کو مکۂ معظمہ روانہ کیا تاکہ وہ اہلِ بیت کو لے آئیں۔ اور اُن کی رہبری کے لئے عبداللہ بن اُریقط کو مقرر کیا۔

یہ دونوں بزرگ مکّہ پہنچے اور حضرت فاطمہ، حضرت امِّ کلثوم، دونوں صاحبزادیوں اور ازواجِ مطہرات میں سے حضرت "سودہ" کو اور حضرت زید اپنی بیوی حضرت "ام ایمن" اور صاحبزادہ اُسامہ رض کو لیکر روانہ ہونے لگے تو اُن کے ہمراہ عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہما اور ان کی سوتیلی والدہ حضرت ام رُومان رض

اور حضرت عائشہؓ اور حضرت اسمار زوجہ حضرت زبیر بن العوام بھی ہو گئے
مگر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی بڑی صاحبزادی حضرت زینبؓ کو اُن کے
شوہر ابوالعباس بن ربیع نے نہ آنے دیا۔

قریش اور ضعیف مسلمان

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً (نحل)

اور جن لوگوں نے ہجرت کی اللہ کے واسطے بعد اس کے ان پر ظلم کیا گیا البتہ ہم ان کو ٹھکانا دینگے دنیا میں اچھا

ہجرت کے عظیم الشان اور قابل یادگار واقعہ نے قریش مکہ کے غیظ و
غضب کو آگ کے شعلہ کی طرح بھڑکا دیا تھا۔ اس غصہ میں اُنھوں نے
اُن کمزور مسلمانوں کو جو ان کے قبضہ میں تھے ہجرت کرنے سے روکا۔
اور قسم قسم کی اذیت و عذاب دے کر مجبور کیا کہ وہ اسلام سے باز آئیں
لیکن حق و صداقت کا جو نور اُن کے سینوں میں روشن تھا اُس کے
ماند کرنے میں مشرکین کو ذرہ برابر بھی کامیابی نہ ہوئی۔ نبی کریم صلے اللہ
علیہ وسلم نے اکثر نمازوں میں ان کی رہائی کے لئے دُعائیں مانگیں اسی
کو قنوت نازلہ کہتے ہیں جواب بھی اسلامی حوادث کے زمانہ میں فرض
نمازوں میں پڑھی جاتی ہے۔

تپ مدینہ اور دعاء رسول صلی اللہ علیہ وسلم

مکہ کے مقابلہ میں مدینہ کی ہوا مرطوب تھی۔ مہاجرین کو شروع
شروع راست نہ آئی۔ اور بخار کی کثرت نے مہاجرین کو پریشان کر دیا
نبیٔ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں عرض کیا تو آپ نے

بارگاہِ الٰہی میں دعا فرمائی۔

خدایا ہمارے دلوں میں مدینہ کی محبّت مکّہ سے بھی زیادہ ہو جائے تو مدینہ کے مُدّ اور صاع (تولنے کے پیمانے) میں برکت عطا فرما۔ اور اس بیماری کو ہم سے دفع کر دے۔

خدا کے سچّے رسول کی دعا قبول ہوئی، اور مدینہ کی ہوا مہاجرین کے لئے خوشگوار اور سازگار بن گئی۔

مسجد نبوی کی تعمیر

اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰہِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ (توبہ)

مساجد کو وہی لوگ تعمیر کرتے ہیں جو اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان لاتے ہیں

مدینہ اب اسلام کے نام سے روشن ہے۔ بچّہ اور بوڑھا۔ مرد اور عورت ایک خدا کے سوا کسی کے سامنے پیشانی رکھنا اور سر جھکانا سب سے بڑا گناہ سمجھتے ہیں۔ ہر طرف خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کی عبادت ہی کا چرچا ہے۔

نمازیوں کی کثرت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طبع مبارک کو اس طرف متوجہ کیا کہ مسجد کی تعمیر کی جائے تاکہ سب مسلمان ایک خدا کے سامنے ایک ہی امام کی ضمانت میں نماز ادا کریں۔ بنی نجار کے اس محلّہ میں "جہاں آپ کی ناقہ بحکمِ الٰہی بیٹھ گئی تھی" حضرت ابوایوب انصاریؓ کے مکان کے قریب جگہ پسند فرمائی۔ یہ جگہ دو یتیم بچوں کی تھی۔ آپ نے اُن کو بُلایا اور ارشاد فرمایا کہ تم اس کو اگر بیع کر دو تو یہاں مسجد بنانے کا

ارادہ ہے۔ لڑکوں نے عرض کیا کہ اس بہترین مقصد کے لئے ہم زمین فروخت کرنا نہیں چاہتے بلکہ مفت آپ کی نذر ہے۔ آپ نے قبول نہ فرمایا۔ اور قیمت لینے پر مجبور کیا۔ زمین خرید نے کے بعد مسجد کی تعمیر کی، دیواریں، خام اینٹوں سے بنائی گئیں، اور چھت مٹی اور کھجور کے پتّوں سے تیّار کی اور ستون میں کھجور کے تنے کام میں لائے گئے یہ کل کائنات تھی جو مسجدِ نبوی کی تعمیر میں صرف ہوئی۔ مسجد کی تعمیر کے لئے نہ معمار بُلائے گئے نہ انجنیر، خدا کا پیغمبر اور اُس کے اصحاب مزدور بھی تھے اور معمار بھی، انجنیر بھی تھے اور نجّار بھی، آپ بنفسِ نفیس مزدوروں کی طرح کام میں مصروف تھے۔ اور مہاجرین وانصار کا دل بڑھانے کے لئے یہ رجز پڑھتے جاتے تھے۔ لَا خَیْرَ اِلَّا خَیْرُ الْاٰخِرَۃِ اَللّٰھُمَّ فَاغْفِرِ الْاَنْصَارَ وَالْمُھَاجِرَۃَ۔[1]

ازواجِ مطہّرات کے حجرے

مسجد کی تعمیر سے فراغت کے بعد حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لئے پہلوئے مسجد میں چھوٹی دیواروں اور نیچی چھت کے دو حجرے تعمیر کئے گئے۔ جن میں مسجد ہی کی طرح مٹی اور کھجور کے تنوں اور پتوں سے کام لیا گیا تھا۔

---

[1] بہتری آخرت کی بہتری ہی کا نام ہے۔ اے اللہ انصار و مہاجرین کی مغفرت فرما۔

مسجدِ نبوی کی تعمیر ختم کے قریب پہنچی تو دنیائے تاریخ میں وہ عظیم الشان واقعہ پیش آیا جس کی نظیر ماضی و مستقبل دونوں پیش کرنے سے عاجز تھے۔ وہ یہ کہ نبیِّ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے مکان میں ایک روز مہاجرین و انصار کو جمع کرکے ارشاد فرمایا کہ یہ مہاجرین ہیں جو بے گھر ہو کر اور تمام مال و دولت پر لات مار کر میرے ساتھ یہاں آ گئے ہیں مناسب سمجھتا ہوں کہ ان کے اور تمہارے درمیان اخوت کا رشتہ قائم کردوں۔ اور یہ فرما کر ایک مہاجر اور ایک انصار کا ہاتھ میں ہاتھ دیتے جاتے تھے۔ اور دونوں کو بھائی بناتے جاتے تھے آپ فرماتے جاتے تھے اور انصاری و مہاجری پیش قدمی کرتے اور واقعی ایک دوسرے کے بھائی بنجاتے۔ جب اخوت اور بھائی چارہ کا یہ رشتہ آپ نے بینتالیس مہاجرین کا انصار کے ساتھ کر دیا تو اب انصاری بھائی اپنے مہاجری بھائی کو گھر لے جاتا اور اپنے تمام ساز و سامان کو دکھاتا اور دو حصّے کرکے آدھا مہاجر بھائی کے حوالہ کرتا

حیرت ہوتی ہے جب ہم سعد بن الربیع رضی اللہ عنہ انصاری کے اس جذبہ کو دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے مہاجر بھائی عبد الرحمٰن بن عوف سے کہتے ہیں کہ میرے دو بیبیاں ہیں میں ایک کو طلاق دیئے دیتا ہوں تم اُس سے شادی کرلینا۔ مگر حضرت عبد الرحمٰن اُن کو ایسا کرنے سے باز رکھتے ہیں اور منع فرما دیتے ہیں۔ بلکہ یہاں تک کہہ دیتے ہیں جو کچھ تمہارے پاس ہے خدا اُس میں برکت دے۔ مجھے صرف بازار کا راستہ بتا دو۔

حضرت سعد نے بازار کا رستہ بتایا شام تک محنت کر کے کچھ کمایا اور رفتہ رفتہ خدا نے وہ برکت دی کہ شادی بھی کرلی اور بڑے تاجروں میں شمار ہونے لگے۔

مہاجرین کے بے سروسامان ہونے اور وطن سے بے وطن ہوجانے کے باوجود اپنی قوت سے کما کر زندگی بسر کرنے اور انصار پر مفت بوجھ نہ ڈالنے کا جذبہ اور انصار کا اخوۃ کے بعد وہ بے نظیر ایثار کہ حقیقی بھائی کی طرح مہاجری کو وراثت میں شریک کر لینا درحقیقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نہ صرف مصلح اعظم ہونے کی بلکہ خدا کے سچے رسول ہونیکی ایک مستقل دلیل ہے۔ اگرچہ یہ مختصر کتاب مہاجرین و انصار کے مواخات کے مکمل فہرست کی گنجائش نہیں رکھتی تاہم خلفاء اربعہ اور اُن کے انصاری بھائیوں کے نام درجِ ذیل ہیں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ	خارجہ بن زید رضی اللہ عنہ
حضرت عمر رضی اللہ عنہ	عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ	اوس بن ثابت رضی اللہ عنہ

مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر نبی اکرم صلے اللہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہذا اخی یعنی علی اس بھائی چارہ میں میرا بھائی ہے۔

اذان کی ابتدا

مسجد نبوی بھی تیار ہے اور مسلمان کی کثرت سے نمازیوں میں بھی روز بروز اضافہ ہوتا جاتا ہے - اس لئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو فکر ہے

کہ ایسی تدبیر کیجائے کہ پنجوقتہ نماز میں تمام مسلمان ایک ہی ساتھ شریک ہوسکیں صحابہ سے مشورہ ہو رہا ہے اور گفتگو میں کبھی ناقوس بجانے کا ذکر آتا ہے اور کبھی گھنٹے کا، کبھی آگ جلانے کا ذکر آتا ہے اور کبھی قرنار کا، لیکن آپ ان سب مشوروں کو اس لئے رد فرما دیتے ہیں کہ ان میں عبادت کی شان کے خلاف لہو ولعب کی بو آتی ہے۔ نیز شرک وبت پرستی یا تثلیث پرستی کے نشان بن چکے ہیں۔ آخری بات یہ قرار پائی کہ ایک شخص نماز کے وقت مدینہ کی گلیوں میں حانت الصلوٰة[1] کہہ کر منادی کیا کرے۔

عبداللہ بن زید صحابی بھی اس پر مامور تھے کہ اذان کے لئے منادی کیا کریں۔ کہ خواب میں تائیدِ حق نے رہنمائی کی، دیکھا کہ ایک شخص ہے جو ان سے کہتا ہے کہ اے عبداللہ کیا میں تجھ کو ایسے کلمات نہ بتاؤں جن کے ذریعہ تو لوگوں کو نماز کی طرف دعوت دے۔ یہ کہکر اذان کے کلمات ان کو بتائے۔ وہ خواب سے بیدار ہو کر فوراً دربارِ رسالت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ کہہ سنایا۔ آپ نے فرمایا کہ بلالؓ تم سے زیادہ بلند آواز ہیں وہ اذان کہیں اور تم ان کو وہ الفاظ بتاتے جاؤ جو خواب میں دیکھے ہیں۔ اذان شروع ہوئی تو حضرت عمرؓ چادر گھسیٹتے دوڑے ہوئے حاضر ہوئے اور قسم کھا کر عرض کیا کہ یارسول اللہ بعینہ یہی الفاظ خواب میں مجھ کو بتائے گئے ہیں۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم

---

[1] نماز کا وقت آن پہونچا ۱۲

اس تائیدِ الٰہی سے سید مسرور ہوئے اور نماز میں اذان آج سے شعائرِ اسلام میں داخل ہوگئی۔



تحویلِ قبلہ

فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (البقرہ)

پس پھیر دو اپنے چہروں کو طرف مسجدِ حرام (کعبہ) کے

جب سے مدینۂ طیبہ مسلمانوں کا دارالہجرۃ بنا ہے مسلمان اسی طرح بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے ہیں جس طرح کہ کعبہ میں پڑھتے تھے۔ اسی حالت پر تقریباً ۱۶ مہینہ گذر گئے۔ تو خدا کا حکم آیا کہ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (نماز کے وقت اپنے چہروں کو مسجدِ حرام یعنی کعبہ کی طرف پھیرو) اِس دن سے قبلۂ ابراہیمیؑ "کعبہ" ہی مسلمانوں کا اصل قبلہ قرار پایا۔ یہود نے اپنی حماقت سے اس تبدیلی پر نکتہ چینی کی جس کا جواب قرآنِ عزیز نے دوسرے پارے میں دیا ہے۔

فرضیۃ رمضان

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِنَ الْهُدَى وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ

ماہ رمضان جس میں قرآن بھیجا گیا جو لوگوں کیلئے ہدایت ہے اور واضح الدلالۃ ہے منجملہ اُن کتب کے جو ہدایت ہیں اور فیصلہ کرنے والی ہیں جو شخص اس ماہ میں موجود ہو اُس کو ضرور اس میں روزہ رکھنا چاہیے

لہ یہ واقعہ جس مسجد میں پیش آیا عین نماز کی حالت میں پیش آیا تھا اس لئے اس مسجد کا نام آجتک مسجد قبلتین ہے اور یہ یادگار مسلمین رہنے۔"

اسی سال شعبان میں مسلمانوں پر رمضان کے روزے فرض کئے گئے۔ اس سے پہلے دسویں محرم کا روزہ فرض تھا۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر مہینہ کی تیرھویں[1] چودھویں۔ پندرھویں کو روزہ رکھا کرتے تھے۔ روزہ انسان کے اخلاق کو درست کرتا۔ اور غریبوں، مزدوروں اور فاقہ کشوں کی مصیبت کو یاد دلاتا ہے، روزہ سے فقیر و مسکین، اور فاقہ کش مزدور کو تسکین ہوتی ہے۔ اور متمول سرمایہ دار کو عبرت، روزہ غریب کو صبر اور متمول کو غربا پروری پر آمادہ کرتا ہے۔

فرضیتِ زکوٰۃ

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ (البقرہ)

اور قائم رکھو نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ

اسی سال بحکمِ الٰہی زکوٰۃ فرض ہوئی۔ زکوٰۃ کی غرض کیا ہے اور اس کی فرضیت سے کیا فائدہ؟ اس کا جواب خود محبوب خدا علیہ التحیۃ والثنا کی زبانِ وحی ترجمان سے سنئے۔

جب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کا حاکم اور مبلّغ بنا کر بھیجا تو چند نصائح ارشاد فرمائے۔ منجملہ اُن کے ارشاد فرمایا فَاَعْلِمْهُمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ فَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِيَائِهِمْ فَتُرَدُّ عَلٰى فُقَرَائِهِمْ (اہلِ یمن کو سمجھانا کہ اللہ تعالےٰ نے اس لئے اُن پر زکوٰۃ فرض کی ہے کہ اُن کے مالداروں سے لی جائے اور اُن کے

---

[1] ان روزوں کو صوم ایامِ بیض کہتے ہیں۔

فقراء اور غرباء پر تقسیم کیا جائے)

یہی اسلام کا وہ معتدل قانون ہے جس پر عمل کرنے سے سرمایہ دار اور مزدور کی موجودہ کشمکش دنیا سے قطعاً نابود ہو جائے اور افراط و تفریط کے اس نظام کی جو آج سوشلزم، انارکزم، اشتراکیت، نیشلزم کی صورتوں میں نظر آرہا ہے۔ کوئی حاجت ہی باقی نہ رہے۔

عقد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا

اسی سال حضرت فاطمۃ الزہرا کا عقد حضرت علی بن ابی طالب سے ہوا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عمر اکیس سال اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی عمر پندرہ سال تھی، اور اسی سال حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی عمل میں آئی۔



عقد ام کلثوم رضی اللہ عنہا

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت "رقیہ" کا عقد ہوا تھا۔ اُن کا انتقال ہو گیا تو اس کے بعد آپؐ نے دوسری صاحبزادی "ام کلثوم" کا نکاح اُن کے ساتھ کر دیا۔ اور اسی نسبت سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ذی النورین کا لقب عطا ہوا

عقدِ حفصہ رضی اللہ عنہا

فاروقِ اعظم کی صاحبزادی حضرت حفصہ کی پہلی شادی حضرت خُنَیس

ابن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوئی تھی ۔حضرت خُنیش بدر میں زخمی ہوئے اور اسی زخم میں ان کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد فاروق اعظم کی تمنا پر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے ان کا عقد ہو گیا۔

عقدِ زینب بنت خُزیمہ رضی اللہ عنہا

ان کا لقب امّ المساکین ہے ۔ نہایت ہی سخی، بردبار اور غربا پرور تھیں، ان کی پہلی شادی حضرت عبداللہ بن جحش کے ساتھ ہوئی تھی حضرت عبداللہ غزوۂ اُحد میں شہادت پا گئے۔ اس کے بعد ان کی عزت افزائی کی خاطر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے بمشورۂ صحابہ ان کے ساتھ عقد کر لیا۔

ولادتِ حسن علیہ السلام

اسی سال حضرت زہرا کے نورِ نظر پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کے دلارے حضرت امام حسن علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ یہی وہ قدسی صفات آپ کے محبوب نواسے ہیں جن کو معہ اُن کے برادر خورد حضرت امام حسین علیہ السلام کے آپ نے سَیِّدَیْ[1] شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ کا مبارک لقب عطا فرمایا

حُرمت شراب

اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (مائدہ)

بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور پانسے اور بت سب گندے کام ہیں شیطان کے سو ان سے بچتے رہو تاکہ تم نجات پاؤ

شراب جس کو عربی میں "خمر" کہتے ہیں دوسرے ممالک کی طرح عرب

---

[1] جوانانِ اہلِ جنت کے سردار ۱۲

میں بھی کثرت سے پی جاتی تھی۔ اور اس کے استعمال سے اخلاق پر جو بُرا اثر پڑتا تھا اہلِ عرب بھی اس سے محفوظ نہ تھے۔ اسلام نے اپنی اصلاحات میں اس کو بھی شامل کیا اور دینِ فطرت کی تعلیم کے مطابق دفعتہً اس کا سدِّباب کرنے کی بجائے اس کی مضرتیں اور قباحتیں رفتہ رفتہ لوگوں کے دلوں میں بٹھائیں اور جب دیکھا کہ اب قبولِ اثر کا وقت آپہونچا تو وحیِ الٰہی نے یہ پیغام سنا کر یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْہُ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ (مسلمانو! شراب، جوا، بت پانسے یہ کل چیزیں نجس اور کارِ شیطان ہیں تم کو ان سے بچنا چاہیئے۔ تاکہ تم کو فلاح و بہبودی نصیب ہو) اس ام الخبائث کو ہمیشہ کے لئے حرام کر دیا۔



ولادتِ حسین علیہ السّلام

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (بقرہ)

اور نہ کہو ان کو جو مارے گئے خدا کی راہ میں کہ مردے ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم کو خبر نہیں

اس سال حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لختِ جگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قرۃ العین حضرت امام حسین علیہ السلام کی ولادتِ باسعادت ہوئی۔ یہی وہ محبوب خاتم الانبیاء ہیں جن کی صورت دیکھ کر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بے چین ہو جایا کرتے تھے۔ اور یہی وہ سیّد الشہدا ہیں جنکو

کربلا کے میدان میں اشقیار نے شہید کر کے دونوں جہان کی رسوائی کا داغ اپنے ماتھے پر لگایا۔ حضرت حسینؓ اپنے بھائی حضرت حسنؑ سے تقریباً ایک سال چھوٹے ہیں۔

وفاتِ زینبؓ و عقدِ ام سلمہؓ

اسی سال اُمّ المؤمنین حضرتِ زینب بنتِ خزیمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے انتقال کے بعد امّ سلمہؓ کے ساتھ عقد کیا۔ حضرت اُمّ سلمہ کی پہلی شادی حضرت ابو سلمہ سے ہوئی تھی، یہ بزرگ صحابی اسلام کے اولین رفقار اور مہاجرین حبشہ میں سے تھے۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی ہوتے تھے۔ ان کے انتقال کے بعد امّ سلمہ آپ کے عقد میں آئیں۔ حضرت امّ سلمہؓ کا نام ہند رضی اللہ عنہا ہے۔

تعلیم زبانِ یہود

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت زید بن ثابتؓ کاتبِ وحی سے ارشاد فرمایا کہ مجھ کو اکثر یہود کی زبان میں خط و کتابت کی ضرورت پیش آتی ہے میں نہیں چاہتا کہ اس معاملہ میں بھی یہود کا محتاج رہوں نہ معلوم وہ ان تحریروں میں اپنے حسبِ منشا کیا قطع و برید کر دیں تم ان کی زبان سیکھ لو۔ حضرت زید بن ثابت نے اسی سال چند ایّام میں یہودی زبان کو سیکھ لیا۔ اور بے تکلف اس زبان میں خط و کتابت کرنے لگے۔

مفادِ اسلامی کی خاطر دوسری زبانوں کا سیکھنا قانونِ اسلام میں کیا حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے فیصلہ کے لئے یہ واقعہ ایک بہترین دستاویز ہے۔

خلاصہ

سلہھ مدینہ تشریف لاکر نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید و ابورافع کو بھیجکر اپنے اہل وعیال کو بھی بلا لیا۔ آنے والوں میں حضرت سودہ ام المؤمنین اور حضرت فاطمہ و حضرت ام کلثوم اور حضرت ایمن نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی آزاد شدہ کنیز اور حضرت زید کی بی بی اور ان کے بیٹے حضرت اسامہ اور حضرت عبداللہ بن ابی بکر اُن کی والدہ ام رومان اور دونوں ہمشیر حضرت عائشہؓ و حضرت اسمار رضوان اللہ علیہم اجمعین تھے۔ حضرت زینب پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کی بڑی صاحبزادی کو اُن کے شوہر نے نہ بھیجا۔ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین و انصار کے درمیان مواخاۃ" بھائی چارہ" کا اعلان فرمایا قریش نے مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل جانے اور ہجرت کے واقعہ کو دیکھ کر ہجرت سے مجبور مسلمانوں کو سخت اذیتیں دیں۔ اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اُن کی رہائی کے لئے دعائیں مانگیں اور خدا کی جناب میں بہت جلد مقبول ہوئیں۔ اور ان کے بعد اور مسلمانوں کو جلد ہی مشرکین سے نجات مل گئی۔ اسی سال مسجدِ نبوی کی تعمیر ہوئی یہ جگہ یتیموں کی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے قیمت دیکر

مسجد کے لئے خرید لی۔ تعمیر مسجد کے بعد ازواجِ مطہرات کے لئے مسجد کے متصل حجرے تعمیر کئے گئے جن کی دیواریں خام اور چھوٹی تھیں۔ اور کھجور کے پتوں اور مٹی سے بنائی گئی تھیں۔ اوّل مہاجرین کو آب و ہوا موافق نہ آئی اور اکثر بخار میں مبتلا ہو گئے مگر رحمۃ للعلمین کی دعا سے تمام مہاجرین صحتیاب ہو گئے۔ اور آب و ہوا راست آ گئی۔ اسی سال اذان شروع ہوئی جس کے کلمات ایک فرشتہ نے حضرت زید بن عبداللہ اور فاروقِ اعظم کو خواب میں تلقین کئے۔

سنہ ۲ ہجری۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سے مدینہ تشریف لائے برابر بیت المقدس کی جانب نماز پڑھتے تھے۔ مگر آپ اصل قبلۂ ابراہیمی "یعنی کعبہ" کے قبلہ ہونے کے منتظر تھے۔ آخر اسی سال وحی کے ذریعہ بیت المقدس کی جگہ کعبہ قبلہ بنا دیا گیا۔ اسی سال ماہِ رمضان کے روزے فرض کئے گئے۔ روزے کے بیشمار فوائد ہیں۔ فاقہ کشوں کی مصیبت میں کمی ہوتی ہے۔ متمول حضرات کو غرباء کی فاقہ کشی کا احساس ہوتا ہے روزہ سے خواہشاتِ نفس کم ہوتی ہیں اور روح میں تازگی پیدا ہوتی ہے۔ اسی سال زکوٰۃ فرض ہوئی۔ زکوٰۃ سے بہت بڑا فائدہ یہ ہے کہ ایک متمول سرمایہ دار کا مال تنہا اس کی ملکیت نہیں رہتا بلکہ خدا کے حکم سے اس کے مال میں غریب بھی چالیسویں حصہ کا شریک بن جاتا ہے اسی لئے زکوٰۃ سرمایہ داروں سے لیکر غرباء پر تقسیم کیجاتی ہے۔ اسی سال حضرت فاطمہؓ کا عقد حضرت علیؓ سے ہوا۔ حضرت فاطمہؓ کی عمر ۱۵ سال اور حضرت

علیؓ کی اکیس سال کی تھی۔ اسی سال ام المومنین حضرت عائشہؓ کی رخصتی ہوئی
۳ھ اس سال حضرت کلثوم صاحبزادی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کا عقد حضرت عثمان سے ہوا۔ اسی سال حضرت حفصہ صاحبزادی فاروقِ
اعظم کا عقد بعد بیوگی نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے ہوا۔ ان کے پہلے شوہر
کا نام خُنیس تھا۔ یہ بدر میں شہید ہو گئے تھے۔ اسی سال حضرت زینب بنت
خزیمہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آئیں۔ یہ بھی بیوہ تھیں۔ ان
کے پہلے شوہر کا نام عبداللہ بن جحش تھا۔ یہ غزوۂ احد میں شہید ہو گئے تھے
اسی سال حضرت حسن علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ اسی سال شراب
کی حُرمت پر آیاتِ قرآنی نازل ہوئیں۔

۴ھ۔ اس سال حضرت زینب ام المومنین کا انتقال ہوا۔ اسی
سال حضرت ام سلمہ آپ کے عقد میں آئیں یہ بھی بیوہ تھیں اور ان کا پہلا عقد
حضرت ابوسلمہ سے ہوا تھا۔ اسی سال آپ نے حضرت زید کاتبِ وحی
کو یہودی زبان سیکھنے کا حکم فرمایا۔

سوالات

(۱) اہلبیت نبی، مدینہ کب آئے؟
(۲) حضرت زینب کے نہ آنے کی وجہ بیان کرو؟
(۳) ہجرت کے بعد قریش نے بقیہ کمزور مسلمانوں کے ساتھ کیا سلوک کیا؟
(۴) مواخاۃ کسے کہتے ہیں؟
(۵) مسجد نبوی کی تعمیر کب ہوئی مفصل بیان کرو؟

(۶) ازواجِ مطہرات کے حجرے کب اور کس طرح بنے؟
(۷) مدینہ کی آب و ہوا پر آپ کی دعا نے کیا اثر کیا؟
(۸) اذان کی ابتدا کیسے ہوئی؟
(۹) قبلہ کی تبدیلی کب ہوئی اور پہلا قبلہ کس طرف تھا؟
(۱۰) رمضان کے روزے کب فرض ہوئے روزہ کے فوائد بیان کرو؟
(۱۱) زکوٰۃ کب فرض ہوئی؟
(۱۲) زکوٰۃ دینے میں کیا حکمت ہے؟
(۱۳) حضرت فاطمہؓ اور ام کلثومؓ کا عقد کب ہوا؟
(۱۴) حضرت عائشہؓ کی رخصتی کب ہوئی؟
(۱۵) حضرت حفصہ اور حضرت زینب کا عقد کس سال ہوا؟
(۱۶) حضرت حسن کا سال ولادت بتاؤ۔
(۱۷) شراب کب حرام ہوئی؟
(۱۸) ام المؤمنین حضرت زینب کا انتقال کب ہوا؟
(۱۹) ام المؤمنین حضرت ام سلمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں کب آئیں؟
(۲۰) حضرت زید نے یہود کی زبان کس لئے سیکھی؟

---

(۱۱)

سنہ ۵ھ

فتنۂ منافقین

اس سنہ میں غزدۂ بنی المصطلق کا حال پڑھ چکے ہو۔ اس غزوہ میں ایک اہم واقعہ پیش آگیا تھا جو اپنے حالات کے اعتبار سے بہت زیادہ عبرت زا ہے۔ اکثر غزدات میں جہاں کامیابی کی امید قوی اور مال غنیمت کی زیادہ توقع ہوتی تو منافقین بھی مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں شریک ہوجاتے۔ اس غزدہ میں بھی اس قسم کے فتنہ پرداز موجود تھے بلکہ منافقوں کا سردار عبداللہ بن ابیّ بھی موجود تھا اتفاق سے چشمہ سے پانی لینے میں ایک مہاجر اور ایک انصار کے درمیان جھگڑا ہوگیا۔ انصاری نے "یاللانصار"[1] کہہ کر انصاریوں کو پکارا تو مہاجر نے بھی "یا معشرالمہاجرین" کہہ کر مدد طلب کی اور دونوں جانب سے تلواریں نیام سے باہر آگئیں کہ فوراً نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی اور آپ نے آکر جاہلیت کے اس عمل سے باز رکھا اور نصیحت فرمائی

عبداللہ ابن ابیّ کو فتنہ پردازی کا موقعہ مل گیا انصار سے کہنے لگا تم نے خود یہ بلا اپنے سر ڈالی ہے دیکھا کہ آج کس طرح تمہارے مقابلہ پر آ گئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی کسی نے یہ واقعہ

---

[1] انصار دوڑو اور میری مدد کرو۔

جا سنایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو سنکر غصہ سے بیتاب ہوگئے اور عرض کیا اجازت دیجئے کہ اس منافق کی گردن اُڑا دوں؟ آپ نے فرمایا کہ اے عمر تمہیں یہ پسند ہے کہ یہ کہا جائے کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) اپنے رفیقوں کو قتل کر دیتے ہیں۔

جب اس بات کا چرچا ہوا اور عبداللہ بن ابیؓ کے بیٹے کہ اُن کا نام بھی عبداللہ ہی تھا۔ اور مخلص مسلمان اور جاں نثار صحابی تھے۔ کو یہ خبر لگی کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے میرے باپ کے قتل کا معاملہ درپیش ہے۔ تو خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ اگر ایسا ارادہ ہے تو مجھ کو حکم ہو کہ میں خود اپنے باپ کی گردن کاٹ کر پیش کر دوں۔ ایسا نہ ہو کہ یہ کام کوئی دوسرا شخص کرے۔ اور مجھے حمیت و عصبیت قاتل کو قتل کر دینے پر مجبور کر دے۔ اور میں گنہگار بنوں رحمتہ للعلمین نے تبسم فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا نہیں ہمارا ارادہ تمہارے باپ کے قتل کا نہیں ہے بلکہ قتل کی جگہ میں اس پر مہربانی کرونگا

افک

اس غزوہ کی واپسی پر حضرت عائشہ کے ساتھ تہمت کا نہ مفتریانہ واقعہ پیش آیا جس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہل کو سخت روحانی اذیت پہنچی اور جس کا بانی منافقوں کا گروہ اور اُن کا سردار عبداللہ ابن ابی تھا۔ بدقسمتی سے دو مسلمان مرد مسطح حسان بن ثابت اور ایک مسلم عورت حمنہ بنت حجش بھی غلطی سے اسمیں شریک ہوگئے

آخر خدائے قدوس نے حضرت عائشہ کی براءۃ اور اُن کی پاکدامنی کی تصدیق سورۂ نور کی آیات کے ذریعہ سے فرما دی اور تہمت لگانیوالے مسلمانوں کو تہمت کی سزا اسّی دُرّے لگانے کا حکم دیا گیا۔ حضرت عائشہؓ کی بریت کی تصدیق میں قرآن عزیز کی جو آیات نازل ہوئیں اُن کی ابتدا اس آیت سے کی گئی ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ بَلْ هُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ وَالَّذِیْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِیْمٌ لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَیْرًا وَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِیْنٌ ؕ (نور)

اللہ کی اُن مصالح اور حکمتوں اور اُن احکامات شرعی کے علاوہ جو کسی خبر و اطلاع پر یقین و عدم یقین کے اُصول، پاکدامن عورتوں کو تہمت لگانے کا گناہ اور اس مجرمانہ عمل پر شرعی سزا، خاندانِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مجرمانہ گستاخی پر عتاب الٰہی وغیرہا سے متعلق ہیں۔

اس واقعہ سے حضرت صدیقۂ عائشہ رضؓ کی عظمت اور خدا کے نزدیک خاندانِ ابو بکر رضؓ کی فضیلت پر ایسی روشنی پڑتی ہے کہ حق شناس اور منصف نگاہیں کسی طرح اس برتری کا انکار نہیں کر سکتیں اور اسلام کے نام پر اس خاندان پر نکتہ چینی اور عداوت کا قلعہ خود بخود مسمار ہو جاتا ہے۔ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۔

حسنِ سلوک

سوءِ اتفاق کہ تہمت کے شریک مردوں میں مسطح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے قریبی عزیز تھے۔ جب خدا نے بذریعہ وحی حضرت عائشہ کی پاکدامنی کی تصدیق کر دی تو اُنھوں نے عہد کر لیا کہ آئندہ مسطح کی غربت کی وجہ سے جو امداد کیا کرتے تھے بند کر دینگے۔ مگر اسلام کی مقدس تعلیم اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی رحمۃ للعالمینی کا اسوۂ حسنہ کب یہ گوارا کر سکتا تھا کہ غریب قرابت والوں کو اُن کی خطا پر اتنی سخت سزا دی جائے کہ وہ روزی سے بھی محروم ہو جائیں اس لئے نبیِٔ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم پر یہ وحی نازل ہوئی وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنكُمْ وَالسَّعَةِ أَن يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (النور)

حضرت ابوبکرؓ نے جب یہ خدائی حکم سُنا تو فوراً سرِ نیاز جھکا یا اور جو امداد مسطح کی مقرر کر رکھی تھی بدستور جاری رکھی۔

انسدادِ تبنّی

وَمَا جَعَلَ أَدْعِيَاءَكُمْ أَبْنَاءَكُمْ ذَٰلِكُمْ قَوْلُكُم بِأَفْوَاهِكُمْ وَاللَّهُ

اور نہیں کیا لے پالکوں کو تمہارے بیٹے یہ بات ہے تمہارے اپنے منہ کی۔ اور اللہ

يَقُولُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ ۝ ادْعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِندَ اللَّهِ (احزاب)

کہتا ہے ٹھیک بات اور وہی سمجھاتا ہے صحیح رستہ۔ اُن کو پکارو باپ کی طرف نسبت کر کے یہی پورا انصاف ہے اللہ کے یہاں

عرب میں تبنّی (گود لیکر بیٹا بنانے) کا دستور عام تھا اور عقیدۂ جاہلیت

میں اس کے حقوق بیٹے کی طرح سمجھے جاتے تھے۔ ہندوستان کے ہندولار میں بھی آج تک یہی دستور قائم ہے۔

دیکھنے میں اگرچہ یہ رسم قبیح نہیں معلوم ہوتی لیکن اس کے اثرات کا سب سے مکروہ پہلو یہ ہے کہ گود لئے لڑکے کا اصلی خاندان اس کے حق میں اجنبی ہو جاتا ہے اور گود لینے کی تاریخ سے اس کے تمام نسبی حقوق کا تعلق ایک غیر شخص کے ساتھ اس طرح قائم ہو جاتا ہے کہ حقیقی باپ کا نسبی اور قدرتی رشتہ اس سے ہمیشہ کے لئے ختم ہو جاتا ہے۔

اس رسم بد کو بھی اسلام نے مٹانے کی کوشش کی۔

تعلیم و تبلیغ کے علاوہ خود مُصلح کی عملی زندگی کا جو اثر اس کے پیرؤں پر پڑتا ہے اس کے اثبات کے لئے کسی دلیل کی حاجت نہیں بلکہ یہ ایک بدیہی اور واضح بات ہے۔

حُسنِ اتفاق اور قدرتِ الٰہی کی کارسازی دیکھئے کہ زید بن حارثہ نامی ایک لڑکے نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی گود میں پرورش پائی۔ زید آپ کے آزاد شدہ غلام تھے۔ اور آپ زیدؓ کو بیٹے کی طرح چاہتے اور محبت کرتے تھے۔ عرب کے دستور کے مطابق اس پرورش

لہ زید اصل میں ایک معزز گھرانے کے لڑکے تھے۔ عرب کے ایک قافلہ نے انکو گرفتار کر کے غلام بنا لیا اور مکہ آکر قبل از اسلام حضرت خدیجہ کے ماموں کے ہاتھ فروخت کر ڈالا حضرت خدیجہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کے بعد آپ کو ہبہ کر دیا جب زید کے باپ اور بڑے بھائی اُنکی خبر پا کر اُنکو لینے کے لئے آئے تو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے جانے کی اجازت دیدی مگر حضرت زید نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سایۂ عاطفت سے جدا ہونے سے صاف انکار کر دیا۔ زید کے بھائی اُس وقت تو واپس ہو گئے لیکن جب مشرف با سلام ہو کر مدینہ آئے تو زید کے اس انتخاب پر ہمیشہ رشک کیا کرتے تھے ۱۲

اور محبت کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ لوگوں نے ان کو زید بن محمدؐ کہنا شروع کر دیا۔ زید جب جوان ہوئے تو آپ نے اپنی پھوپھی زاد بہن زینبؓ بنت جحش سے اُن کی شادی کر دی۔

زینب ہاشمی اور قریشی تھیں اور زید خاندانِ نبوت کے پروردہ، اس لئے اگرچہ یہ رشتہ بمرضی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم قرار پا گیا لیکن میاں اور بیوی کے درمیان اس فرقِ مراتب نے خوشگواری پیدا نہ ہونے دی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اگرچہ حضرت زید کو بار بار روکا کہ وہ اس ناگواری کے باوجود حضرت زینب کو طلاق نہ دیں۔ لیکن جانبین کی کشیدگی نے بالآخر معاملہ طلاق ہی پر ختم کیا۔

اب وقت تھا کہ تبنّیٰ کی اس رسمِ بد کا نہ صرف علمی و تبلیغی ذریعہ سے خاتمہ کر دیا جائے بلکہ سب سے زیادہ مؤثر تدبیر "یعنی عملی طریق" سے خود پیغمبرؐ اس کا خاتمہ کر دیں۔

مگر برنارِ بشریت پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کا رجحانِ طبیعت اس طرف تھا کہ منہ بولے بیٹے کی اس رسم کا خاتمہ صرف "علمی طریق" سے ہی ہو جائے تو بہتر ہے تاکہ مخالفین مجھ کو یہ کہہ کر نہ مطعون کریں کہ اپنے بیٹے کی بیوی سے شادی کر لی۔ مگر خدا کا حکم پیغمبر کی اس ذاتی مصلحت سے بالاتر تھا اس لئے بحکم الٰہی نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینبؓ سے عقد کر کے ہمیشہ کے لئے اس رسمِ بد کا خاتمہ کر دیا اور کفار کے طعنہ ہائے دلخراش کی کوئی پرواہ نہ کرتے ہوئے وحی الٰہی کے سامنے سرِ تسلیم

ختم کر دیا۔ اسی واقعہ کو معجزانہ اندازِ بیان میں قرآنِ عزیز نے اس طرح ظاہر کیا ہے :۔

وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ ۖ[1] فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاكَهَا لِكَيْ لَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ أَدْعِيَائِهِمْ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ۚ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ اللَّهُ ۵

اور اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ بحمد اللہ آج اسلام میں ہی نہیں بلکہ اسلام کے اس قانون کے اتباع میں اب بہت سی غیر مسلم اقوام نے بھی اس رسمِ بد کے برے نتائج کا تجربہ کر کے اپنے اصلاحی نظام میں اس کے انسداد پر کافی زور دیا ہے۔ اور اس کے خلاف عملی جد جہد بھی شروع کر دی ہے۔

پردہ

اسی سال آیتِ حجاب نازل ہوئی۔ آیتِ حجاب کے دو حصے ہیں ایک حصہ میں خدائے قدوس نے ازواجِ مطہرات اور ازواجِ مومنین دونوں کو اس طرح مخاطب فرمایا ہے۔

وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا

---

[1] تو چھپاتا تھا اپنے دل میں ایک چیز جس کو اللہ کھولنا چاہتا تھا۔ اور ڈرتا تھا لوگوں سے اور اللہ سے تجھ کو زیادہ ڈرنا چاہیے۔ پھر زید اپنا مطلب پورا کر چکا (طلاق دیدی) ہم نے اس کو تیرے نکاح میں دیدیا۔ تاکہ نہ رہے مسلمانوں پر گناہ نکاح کر لینا بیویوں سے اپنے لے پالکوں کی جب وہ تمام کر لیں ان سے اپنی غرض۔ اور ہے اللہ کا حکم بجا لانا نبی پر کچھ مضائقہ نہیں اس بات میں جو اللہ نے مقرر کر دی اس کے واسطے۔

يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ
(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم مسلمان عورتوں سے فرما دیجے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور بجز اس (چہرے اور ہاتھ اور پیر) کے جو کہ بخود ظاہر رہتے ہیں اپنی زینت کو کسی پر ظاہر نہ ہونے دیں اور اُن کو چاہیئے کہ دوپٹوں سے اپنے گریبانوں کو چھپائے رکھیں)

اور دوسری جگہ یہ ارشاد فرمایا ہے :-

يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ (اے نبی، کہدے اپنی عورتوں کو اور اپنی بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں کو نیچے لٹکا دیں اپنے اوپر اپنی چادروں میں سے)

آیتِ حجاب کے دوسرے حصہ میں فقط ازواجِ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے اس طرح ارشاد فرمایا ہے۔

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى (اے پیغمبر کی بیبو! تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ اگر تمہیں خدا کا خوف ہے تو ایسی نرم گفتگو نہ کیا کرو جس سے ایسے شخص کو کوئی طمع ہونے پائے جس کے دل میں چور ہے اور جب بات کہو تو بھلی بات کہو۔ اور اپنے گھروں میں بیٹھی رہو اور

جاہلیت کے زمانہ کی طرح باہر پھرتی نہ پھرو۔)

دوسری جگہ اس طرح ارشاد ہے:۔

وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ ذٰلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ (اور جب مانگنے جاؤ تم اُن سے کچھ کام کی چیز تو مانگ لو پردے کے باہر سے اس میں خوب ستھرائی ہے تمہارے دل کو اور اُنکے دل کو)

ان دونوں حصّوں پر غور کرنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ قرآنِ عزیز نے ازواج مطہرات کے لئے یہ تصریح کر دی کہ وہ گھر میں بیٹھ رہیں ان کے لئے حجاب اِسی میں ہے۔ اور عام عورتوں کو گھر میں بیٹھ رہنے کا حکم نہ دیا بلکہ اگر ضرورت کے لئے گھر سے باہر نکلیں تو اس کے آداب و طریقے بیان فرما دیئے۔ مگر علمائے اسلام نے زمانہ کی تباہ کاریوں اور حجاب کی اصل حقیقت یعنی تحفظِ عصمت و عفت پر نظر کر کے خصوصًا خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان احادیث کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے جن میں عام عورتوں کو بھی گھر میں ہی زندگی گذارنے کی ترغیب دی گئی ہے آیت وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ الآیۃ کے عام مفہوم کے اعتبار سے تمام مسلم عورتوں کو اسی حکم میں شامل کیا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد ہی سے تم اندازہ لگا سکتے ہو کہ عورتوں کے باہر نکلنے یا نہ نکلنے کے متعلق آپ کی مرضی مبارک کیا ہے فرمایا کہ صَلٰوةُ الْمَرْأَةِ فِي بَيْتِهَا أَفْضَلُ مِنْ صَلٰوتِهَا فِي حُجْرَتِهَا وَصَلٰوتُهَا فِي مَخْدَعِهَا أَفْضَلُ مِنْ صَلٰوتِهَا فِي بَيْتِهَا (ابوداؤد) یعنی عورت کی نماز اس کے کمرے میں بمقابلہ صحنِ مکان کے افضل ہے اور کمرہ کے اندرونی حصہ

میں بمقابلہ کمرہ کے افضل ہے۔

جب خدا کے پیغمبر نے نماز جیسی افضل عبادت کے لئے بھی عورت کو یہی ترغیب دی ہے کہ وہ مسجد میں تو کجا گھر میں بھی ایسے حصّہ میں ادا کرے جہاں خواہ مخواہ کسی کی نظر نہ پڑے تو دنیوی امور کی خاطر پردہ کو مستقل خیر باد کہہ کر باہر پھرنے کی عادت کو آپ کس نگاہ سے دیکھتے؟ ایک عاقل خود اپنی عقل سے اس کا فیصلہ کر سکتا ہے۔

ابو داؤد کی مذکورۂ بالا حدیث سے بھی زیادہ صاف ترمذی کی یہ صحیح حدیث ہے اَلْمَرْأَةُ عَوْرَةٌ فَاِذَا خَرَجَتْ اِسْتَشْرَفَهَا الشَّيْطٰنُ (عورت ناموس ہے جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیطان اس پر نظر رکھتا ہے)

صاحبِ شریعت کے اس ارشاد کا حاصل یہی ہے کہ عورتوں کو اہم ضروریات کے لئے باہر نکلنے کی اجازت کے باوجود خدا اور اس کے پیغمبر کے نزدیک محبوب و مرغوب یہی عمل ہے کہ عورت اندرون خانہ ہی زندگی بسر کرے۔

فرضیتِ حج

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا (آل عمران)

اور اللہ کا حق ہے لوگوں پر حج کرنا اس گھر کا جو شخص قدرت رکھتا ہو اس کی طرف راہ چلنے کی۔

اسلام دینِ فطرت ہے اس کی ہر ایک بات عقل کے مطابق اور اس کا ہر ایک حکم فطرتِ انسانی کے موافق ہے۔

مذہبی دنیا میں خدا اور اس کی مخلوق کے تعلق کی صرف دو ہی

صورتیں ممکن ہیں۔ خدا ہمارا حاکم اور بادشاہ ہے اور تمام کائنات اس کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ ہم اُس کے محکوم اور مخلوق اور اُس کی رعایا ہیں (یا) خدا ہمارا مربّی ہے، اُس کے اور ہمارے درمیان محبت وعشق کا وہ رشتہ قائم ہے جس کی ہمسری محبتِ پدری اور عاشق و معشوق کا عشقِ باہمی بھی نہیں کرسکتا۔

اسلام کے علاوہ دوسرے تمام مذاہب نے ہر دو رشتوں میں سے فقط کسی ایک رشتہ کو اختیار کیا ہے لیکن اسلام نے دونوں تعلقات کو پیشِ نظر رکھ کر اصل حقیقت کو آشکارا کر دیا۔ اور دونوں رشتوں کی مناسبت سے خدا کی عبادت کے طریقے مقرر کئے۔

نماز اور زکوٰۃ اُس رشتہ کو ظاہر کرتی ہے جو حاکمیت و محکومیت کی بنیاد پر قائم ہے اور روزہ و حج اس تعلق کا اظہار کرتا ہے کہ جو محبت وعشق پر مبنی ہے۔ اور اسی محبت وحکومت یا عشق و جبروت کے دو مضبوط و محکم رشتوں میں اسلام کی تمام تعلیم کا انحصار ہے۔ اور دینِ فطرت کا کمال انہی دونوں سلسلوں کے ساتھ وابستہ۔

سنہ ۶ھ

بیعتِ رضوان و صلح حدیبیہ

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۝ (انفال)

اور اگر وہ جھکیں صلح کی طرف تو تو بھی جھک اسی طرف اور بھروسہ کر اللہ پر۔

ان دونوں واقعات کا حال سیرت کے گذشتہ صفحات میں مفصل طور سے بیان ہو چکا ہے۔ اس صلح کے واقعات سے ہم کو یہ سبق ملتا ہے کہ اگر مسلم وغیر مسلم اقوام کے درمیان کبھی معاہدہ کی نوبت آئے اور ظاہری حالات میں اس معاہدہ کی دفعات عام مسلمانوں کو اپنے حق میں کمزور نظر آتی ہوں مگر آئندہ شوکتِ اسلامی کے لئے اُن کا مفید ہونا یقینی ہو تو خلیفۂ اسلام یا امیر شریعۃ کو اُن کے قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ ازبس ضروری ہے کہ اُن کو تسلیم کر لیا جائے۔

شاہانِ عرب وعجم کو دعوتِ اسلام[1]

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ۝ (مائدہ)

اے رسول پہونچا دے جو تجھ پر اترا ہے تیرے رب کی طرف سے

جب راستے محفوظ ہو گئے اور صلح حدیبیہ کی وجہ سے ہر طرف امن کے ساتھ آمد و رفت ہونے لگی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ فرمایا کہ اسلام کی دعوت، اور اس کا پیغام امراؤ سلاطین تک بھی پہنچایا جائے۔ تاکہ داعیٔ توحید بشیر و نذیر کی دعوتِ اسلام آیۃ تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَىٰ عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا[2] کے زیرِ اثر غریب و امیر، فقیر و بادشاہ سب

---

[1] جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت و تبلیغ کا یہ ارادہ فرمایا تھا تو ذی الحجہ ۶ھ تھا اور جب قاصد دعوت نامے لیکر روانہ ہوئے ہیں تو شروع محرم ۷ھ تھا درمیان میں ایک ماہ کے قریب اہتمام میں صرف ہوا اس لئے اکثر اصحابِ سیر نے ان واقعات کو ۷ھ ہجری میں بیان کیا ہے ۱۲

[2] برکت والی ہے وہ ذات جس نے قرآن کو اپنے بندے (محمد صلے اللہ علیہ وسلم) پر نازل کیا تاکہ وہ تمام دنیا کے لئے خدا کا نذیر بنے ۱۲

کے لئے عام ہو جائے۔ یہ خیال فرما کر آپ نے حسبِ ذیل بادشاہوں کے نام خطوط۔۔۔۔ روانہ فرمائے۔ جن میں اُن کو اسلام کی دعوت دی گئی تھی۔

بادشاہوں کے نام	قاصدوں کے نام
ہرقل قیصرِ روم	حضرت دِحیہ کلبی رضؓ
جُرَیج بن میناؔ مقوقس شاہ مصر	حاطب بن ابی ملتعہؓ
خسرو پرویز کسرےٰ شاہِ فارس	عبداللہ بن حذافہ سہمی
اصحمہ بن ابجر نجاشی شاہِ حبشہ	عمرو بن اُمیّہ ضُمَری رضؓ
مُنذر بن ساوی شاہِ بحرین	علاء بن حَضرمی رضؓ
ہوذہ بن علی شاہِ یمامہ	سلیط بن عمرو رضؓ
حارث بن شمر غسّانی امیر بلقار دمشق	شجاع بن وہب رضؓ
جعفر و عبداللہ ابنار جلندی شاہان عمان	عمرو بن العاص رضؓ

ان کے علاوہ بھی مختلف دعوت نامے مختلف زبانوں میں آپ نے دعوتِ اسلام کے سلسلہ میں روانہ فرمائے ان میں بحرین اور عمان کے سلاطین نے دعوتِ اسلام قبول کی شاہِ حبشہ، قیصرِ روم اور سلطانِ مصر نے آپ کی نبوت کا اقرار کیا لیکن ہوسِ سلطنت نے اسلام قبول کرنے سے باز رکھا۔ سلطانِ مصر نے بعض تحائف بھی بھیجے۔ ان ہی میں حضرت ماریہ قبطیہ اور ایک گھوڑا دُلدُل نامی تھا۔

اور کسرےٰ شاہِ فارس جس کا نام خسرو پرویز تھا، آپ کے قاصد کے

لے یہ دعوت نامہ ۷ھ ہجری میں روانہ فرمایا تھا۔

ساتھ نہایت درشتی سے پیش آیا۔ اور نامۂ مبارک کو چاک کر ڈالا۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ حال معلوم ہوا تو فرمایا کہ جس طرح اُس نے میرے نامہ کو چاک کیا ہے عنقریب خدا بھی اس کے ملک کو پارہ پارہ کر دے گا۔ اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشگوئی حرف بحرف صحیح ہوئی۔ خسرو پرویز کو اس کے بیٹے شیرویہ نے قتل کر دیا۔ اُس کے بعد شیرویہ بھی بہت جلد زہر کھا کر مر گیا اور اُس کے چند سال بعد ہی فاروق اعظمؓ کے زمانہ میں تمام فارس مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا۔

قیصر روم کو جو والا نامہ آپ نے روانہ فرمایا تھا اس کی عبارت حسب ذیل ہے۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مِنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ اِلٰی هِرَقْلَ عَظِيْمِ الرُّوْمِ سَلَامٌ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّیْ اَدْعُوْكَ بِدِعَايَةِ الْاِسْلَامِ اَسْلِمْ تَسْلَمْ يُؤْتِكَ اللّٰهُ اَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ فَاِنْ تَوَلَّيْتَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ اِثْمُ الْاَرِيْسِيِّيْنَ

لہ یہ خط ہے محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے ہرقل شاہِ روم کے نام۔ اُس پر سلام ہو جو ہدایت کا اتباع کرے بعد حمد باری۔ اے بادشاہ میں تجھ کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اگر تو اسلام لے آیا تو تجھ کو دنیا و آخرت میں سلامتی نصیب ہوگی اور اللہ تعالٰی تجھ کو دوسرا اجر مرحمت فرمائے گا" یعنے پہلا اجر حضرت عیسٰی پر ایمان لانے کا اور دوسرا اجر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا" اگر تو نے اسلام قبول نہ کیا تو تیری ساری قوم کا وبال تیری ہی گردن پر رہے گا۔ اے اہل کتاب اس کلمہ کی طرف جھکو جو تمہارے اور ہمارے درمیان مساوی ہے وہ یہ کہ ہم تم سوائے خدا کے اور کسی کی عبادت نہ کریں۔ اور نہ کسی کو اس کا شریک مقرر کریں۔ اور خدا کے سوا آپس میں بھی کسی کو اپنا رب اور مالک نہ بنا بیٹھیں۔ پس اگر اہل کتاب اس بات کو نہ مانیں تو تم کہدو کہ اے اہل کتاب گواہ رہو کہ ہم صرف خدا ہی کے فرمانبردار ہیں۔

قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَیْنَنَا وَ بَیْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَ لَا نُشْرِكَ بِهٖ شَیْــٴًـا وَّ لَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ۔

ہرقل کے سامنے جب یہ خط پڑھا گیا تو اس نے دریافت کیا کہ عرب کا کوئی شخص آجکل یہاں موجود ہے جس سے اُس نبی کے حالات معلوم ہوسکیں تفتیش کے بعد عرب کے ایک قافلہ کا پتہ لگا جس کے سردار ابوسفیان تھے یہ معہ ساتھیوں کے دربار میں لائے گئے۔ ہرقل اور اُن کے درمیان جو گفتگو ہوئی اس کا خلاصہ یہ ہے۔

ہرقل۔ عرب میں جس شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے تمہارا عزیز ہوتا ہے؟

ابوسفیان۔ جی ہاں۔

ہرقل۔ اس کا نسب کیا ہے؟

ابوسفیان۔ وہ قریشی ہے اور اعلیٰ خاندان سے ہے۔

ہرقل۔ کیا اس سے قبل بھی کسی نے تم میں سے نبوت کا دعویٰ کیا ہے؟

ابوسفیان۔ نہیں۔

ہرقل۔ کیا اُس کے آباؤ اجداد میں کوئی بادشاہ گذرا ہے؟

ابوسفیان۔ نہیں۔

ہرقل۔ اُس کے پیرو معمولی لوگ زیادہ ہیں یا امراء و سردار۔

ابوسفیان۔ کم زور و کم حیثیت زیادہ ہیں۔

ہرقل۔ اُس کے پیروؤں میں اضافہ ہوتا جاتا ہے یا کمی۔

ابوسفیان - روز و شب ترقی ہو رہی ہے۔
ہرقل - کیا کوئی شخص ناراض ہو کر اُس کے دین سے پھرا ہے؟
ابوسفیان - ایک شخص بھی نہیں۔
ہرقل - اُس کے اس دعوے سے پہلے تم اُس کو کیسا جانتے تھے۔
ابوسفیان - ہم متفقہ طور پر اس کو صادق و امین جانتے تھے۔
ہرقل - کبھی اس نے وعدہ خلافی بھی کی؟
ابوسفیان - آج تک وعدہ خلافی نہیں کی[1] البتہ آجکل ہمارے اور اُس کے درمیان نیا معاہدہ (صلح حدیبیہ) ہوا ہے۔ نہیں معلوم میرے بعد اُس نے کیا کیا۔
ہرقل - کیا تم اس سے جنگ بھی کر چکے ہو؟
ابوسفیان - ہاں۔
ہرقل - جنگ کا نتیجہ کس کے حق میں رہتا ہے۔
ابوسفیان - کبھی اُس کے حق میں اور کبھی ہمارے حق میں۔
ہرقل - اس کی تعلیم کا خلاصہ کیا ہے؟
ابوسفیان - اس کی تعلیم کا خلاصہ یہ ہے کہ خدا کو ایک مانو اور اس کا کسی کو شریک نہ بناؤ - بت پرستی کو ترک کر دو - سچائی، عفت، صلہ رحمی اور امانت کو اپنا شعار بناؤ - خدا کی عبادت کرو۔
ہرقل نے کہا میں نے یہ تمام باتیں اس لئے دریافت کیں کہ مجھکو یہ معلوم

---

[1] ابوسفیان کہتے ہیں کہ تمام سوالات میں ایک یہی موقع تھا جس میں مجھے آپ کے خلاف کچھ اشارہ کرنا پڑا ورنہ ساتھیوں کے خوف سے کسی جگہ بھی آپ پر طعن کرنے کا موقع نہیں ملا۔

ہو جائے کہ وہ شخص واقعی نبی ہے یا محض باپ دادا کی کھوئی ہوئی عزت کا طالب، اے ابوسفیان تو نے جو کچھ جوابات دیئے وہ سب وہ ہیں جن سے اُس کا نبی ہونا یقینی ہے۔ انبیاء بنی اسرائیل کی بھی یہی شان تھی نبی کے ماننے والے اول اکثر کمزور ہی ہوتے ہیں۔ اور نبی کے لئے جنگ میں ضروری نہیں کہ وہ ہمیشہ کامیاب ہی ہوا کرے۔ البتہ آخری انجام میں کامیابی اُسی کے حق میں ہوگی۔ اس کی تعلیم خالص نبوت کی تعلیم اور خدا کی بتائی ہوئی سچی تعلیم ہے۔ کاش میں اگر حکومت کا ذمہ دار نہ ہوتا تو اس کے قدم چومتا اور پاؤں دھو کر پیتا۔ مجھے نبی منتظر کی آمد کا انتظار تو تھا۔ مگر یہ معلوم نہ تھا کہ وہ عرب میں پیدا ہوگا۔

ابوسفیان جب وہاں سے نکلے تو اپنے ساتھیوں سے کہنے لگے کہ تعجب ہے کہ روم کا بادشاہ بھی ابنِ ابی کبشہ[1] (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خائف ہے اور اُس کے دعوے سے متاثر۔



عقد حضرت صفیہ

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ خیبر سے فارغ ہوئے اور خدا نے

---

[1] حلیمہ سعدیہ کے خاندان کی طرف اشارہ ہے اس لئے کہ خاندان بنی سعد میں ایک شخص ابوکبشہ گذرا ہے جس نے سب سے پہلے شعری ستارہ کی پرستش ایجاد کی۔ ابوسفیان نے یہ کہکر اس طرف اشارہ کیا کہ ابوکبشہ کی طرح یہ پیغمبر بھی ایک نئے مذہب کا بانی اور موجد ہے اور اس لئے بھی آپ کو ابن ابوکبشہ کہتے تھے کہ آپ کے ننہال خاندان میں ایک غیر معروف شخص اس نام کا گذرا ہے اور اس کی طرف نسبت کرنے سے مشرکین کا مقصد آپ کی توہین ہوتا تھا۔

قدوس نے مسلمانوں کو فتح نصیب کی تو اسیرانِ خیبر میں خیبر کے سردار حُییّ بن اخطب کی بیٹی صفیہ بھی تھیں۔ صحابہ نے آپس میں مشورہ کرکے عرض کیا کہ صفیہ خیبر کے سردار کی بیٹی ہے اس کو عام اسیروں کی طرح مجاہدین کے حوالہ کرنا مناسب نہیں۔ اگر آپ اس کو آزاد کرکے عقد میں لے آئیں تو اس کی شان کے بھی مناسب ہے اور امید ہے کہ اس تعلق سے یہود میں تعلیمِ اسلام کی اشاعت کی راہ بھی نکل آئے گی۔

حضرت صفیہ آزاد کی گئیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے عقد کرلیا

مہاجرینِ حبشہ کی واپسی

وَالَّذِیْنَ ھَاجَرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَیَرْزُقَنَّھُمُ اللّٰہُ رِزْقًا حَسَنًا (حج)

اور جو لوگ گھر چھوڑ کر آئے اللہ کی راہ میں پھر مارے گئے یا مر گئے البتہ انکو دیگا اللہ روزی خاصی

جب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور مسلمان مجاہد فتح خیبر سے واپس ہوکر مدینہ آئے تو اسی زمانے میں وہ مہاجرین بھی مدینہ پہونچے جو مکہ سے ہجرت کرکے حضرت جعفر کی سیادت میں حبشہ چلے گئے تھے۔ حضرت جعفر کے ہمراہ حضرت ابو موسیٰ اشعری اور ان کی قوم بھی تھی۔ اور حضرت ام حبیبہؓ بنت ابو سفیان بھی تھیں۔ حضرت ام حبیبہؓ جب اپنے شوہر[1] کے ساتھ ہجرت کرکے حبشہ پہنچیں تو ان کے شوہر عیسائی ہو گئے۔ اُن کو بیحد رنج وصدمہ ہوا اس لئے کہ ابوسفیان سردارِ قریش کی بیٹی کا سارا خاندان اسلام کا دشمن تھا۔ شوہر مرتد ہو گیا، جائیں تو کہاں جائیں؟

---

[1] یعنی عبیداللہ بن جحش ۱۲

اور رہیں تو کس کے پاس؟ آخر خدائے تعالیٰ نے اُن کی پریشانی کا مداوا کیا اور وہ شوہر عطا فرمایا جس کی کفش برداری میں کونین کی سعادت ودیعت ہے۔

حضرت جعفر کے واسطہ سے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے عقد میں قبول فرمایا اور نجاشی شاہِ حبشہ نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی جانب سے اُن کا مہر ادا کیا۔

حضرت ابو ہُریرہ رضی اللہ عنہ

حسبِ اتفاق اُسی روز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مع اپنی قوم بنی دوس کے خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر سعادتِ اسلام سے بہرہ مند ہوئے

فتح خیبر اور ان ہر دو زمرے کے آنے سے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو بیحد مسرت ہوئی۔ اور مجاہدینِ خیبر کے مالِ غنیمت میں ان دونوں جماعتوں کو بھی شریک کیا گیا۔

عمرۂ قضا

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ (فتح)

اللہ نے سچ دکھلایا اپنے رسول کو خواب یقینی یہ کہ تم داخل ہو رہو گے مسجد حرام میں اگر اللہ نے چاہا آرام سے

حدیبیہ کے واقعہ میں معلوم ہو چکا ہے کہ معاہدۂ صلح میں یہ بھی تھا کہ آئندہ سال مسلمان عمرہ کرنے کے لئے آسکتے ہیں۔

چنانچہ حسبِ معاہدہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ میں اعلان کرایا کہ جو لوگ حدیبیہ کے واقعہ میں شریک تھے۔ سب سال گذشتہ کے

عمرہ کی قضا کے لئے تیار ہو جائیں۔

جو صحابہ خیبر میں شہید ہو گئے یا وفات پا گئے، اُن کے علاوہ تمام نے زیارتِ بیت الحرام کا ارادہ کر لیا۔

مسلمانوں کا یہ عظیم الشان قافلہ جب "مرّ الظہران" پہنچا تو قریش کو اُن کی آمد کا حال معلوم ہو کر بیحد خوف ہوا۔ آپس میں مشورہ کر کے چند نوجوانوں کو خدمت مبارک میں بھیجا۔ وفد نے حاضر ہو کر عرض کیا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ سے کبھی کسی قسم کی بدعہدی کا ثبوت نہیں ملتا آپ کے واقعات چھوٹی اور بڑی ہر قسم کی بدعہدی سے پاک ہیں پھر یہ اس طرح آمد کیسی؟

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو تسکین دی اور فرمایا کہ ہمارا ارادہ جنگ کا نہیں ہے۔ ہم تو صرف بیت الحرام کی زیارت اور سال گذشتہ کے عمرہ کی قضا کرنے حسب وعدہ آئے ہیں۔ مشرکین نے یہ سن کر خاموشی اختیار کی اور جب آپ مکہ معظمہ میں داخل ہوئے تو تمام قریشی پہاڑیوں میں چھپ گئے تاکہ اپنی آنکھوں سے مسلمانوں کا یہ شاندار نظارہ نہ دیکھیں، مسلمان تین روز اقامت کر کے بعد ادائے ارکان مدینہ واپس آ گئے۔

خالد، عثمان، عمرو بن العاص

وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۝ (آل عمران)

اور یہ دن باری باری بدلتے رہتے ہیں ہم ان لوگوں میں

اسی سال حضرت خالد بن الولید، حضرت عثمان بن ابی طلحہ اور حضرت

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم مشرف باسلام ہوئے۔ یہ تینوں بزرگ بدر، اُحد، جیسی عظیم الشان جنگوں میں مسلمانوں کے خلاف حصّہ لے چکے تھے، اور دادِ شجاعت دیکر سرداری کے رتبے حاصل کر چکے تھے۔

خدا کی شان دیکھئے؟ آج وہی قریشیوں کے سردار، مشرک فوجوں کے جرنیل اسلام کے خادم ہو کر حاضر ہوتے ہیں۔ اور اسلام کے سربلند کرنے میں وہ دادِ شجاعت دیتے ہیں کہ جس کی نظیر دنیا میں ملنی محال نہیں تو مشکل ضرور ہے اور خالد بن الولید نے تو اسی صداقت و اسلامی فداکاری کے صدقے میں دربارِ نبوت سے سیف اللہ کا لقب حاصل کیا۔

دراصل خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ہی بہادروں کے لئے ارشاد فرمایا تھا، خِیَارُکُمْ فِی الْجَاھِلِیَّۃِ خِیَارُکُمْ فِی الْاِسْلَامِ[1]۔

عقدِ حضرت میمونہ رضؓ

اسی سال نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ بنت حارثؓ سے عقد کیا، حضرت میمونہ پہلے حضرت حمزہ رضؓ کے عقد میں آئیں اور اُحد کے واقعہ میں جب سید الشہدا نے جامِ شہادت پی لیا تو بیوگی کے بعد آپ کے عقد میں آئیں۔ یہ ازواجِ مطہرات میں سب سے آخری بی بی ہیں[2]۔



اسلام کعب بن زہیر

فتح مکہ کے زمانے میں مکہ سے کچھ لوگ جان چھپا کر اس لئے بھاگ

---

[1] (ترجمہ) تم میں جو زمانہ جاہلیت میں بہتر ثابت ہوئے اسلام میں بھی وہی بہتر ثابت ہوئے ۱۲ [2] یہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی خالہ ہوتی ہیں ۱۲

آئے تھے کہ جب آپ نے مکہ معظمہ کی فتح کے وقت عفو عام کا اعلان فرمایا تو چند اشخاص کو اس سے اس لئے مستثنے کر دیا تھا کہ وہ اسلام کی دشمنی میں نہایت سخت تھے، اور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی ہمہ قسم کی ایذا دہی میں پیش پیش رہتے تھے۔ اسی سلسلہ کے لوگوں میں سے کعب بن زُہیر بھی تھے۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لے آئے تو یہ خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور ایک قصیدہ[1] پڑھ کر سنایا۔ جس کا ایک شعر یہ ہے ؎

اُنْبِئْتُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ اَوْعَدَنِیْ وَالْعَفْوُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ مَأْمُوْلُ

(ترجمہ) مجھے لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے ناراض ہیں ہیں تو خدا کے پیغمبر سے عفو کی تو ہی اُمید رکھتا ہوں۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے خُلقِ عظیم اور عفوِ کریم سے اُن کو نوازا اور اپنی چادرِ مبارک مرحمت فرمائی۔

حضرت کعب مشرف باسلام ہو گئے اور دنیا و آخرت کی دولت حاصل کر کے بامراد وطن واپس ہوئے۔

وحشی قاتل حضرت حمزہ رضؓ کا اسلام

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ

بھلا جس کا سینہ کھول دیا اللہ نے دین اسلام کیواسطے سو وہ روشنی میں ہے اپنے رب کیطرف سے سو خرابی ہے

---

[1] یہ قصیدہ بانت سعاد کا ایک شعر ہے۔ اس کا دوسرا نام قصیدۂ بردہ بھی ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت کعب کے قصیدہ سنانے پر ان کو اپنی چادرِ مبارک مرحمت فرمائی تھی۔

قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ (زمر)

ان کو جن کے دل سخت ہیں اللہ کی یاد سے یہی لوگ ہیں کھلی گمراہی میں

غزوۂ اُحد میں سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کیلئے ہندہ زوجۂ ابوسفیان نے انعام کا وعدہ کیا تھا۔ وحشی نامی ایک غلام نے آپ کو شہید کیا اور اس کے صلہ میں آزادی پائی۔

اسی سال یہ شخص بھی خدمتِ نبیؐ میں حاضر ہوتا ہے اور قبولِ اسلام کا ارادہ ظاہر کر کے اُمیدِ جواب میں خاموش کھڑا ہے۔

چچا کا قاتل اور چچا بھی وہ جنھوں نے بچپن میں ایک ہی دایہ کا دودھ پیا، ایک ہی ساتھ رہے اور محبت کے ساتھ زندگی بسر کی، آپ نے دعوائے نبوت کیا تو آپ کے حامی و ناصر رہے۔ اور قبولِ اسلام کے بعد اعلاءِ کلمۃ اللہ میں پیش پیش رہے۔

وحشی ایسے پیارے چچا کو شہید کر کے اور نہ صرف شہید بلکہ عضو عضو جدا جدا کر کے اور نعش کی پوری توہین کر کے آج گئے ہوئے گناہ پر نادم و شرمسار آغوشِ اسلام کا طلبگار بنکر کھڑا ہے۔

تقاضائے بشریت کب اجازت دیتی کہ اس پر رحم کرنا تو کجا سامنے آنے کی بھی اجازت دی جائے مگر صفتِ رحمۃ للعالمین سامنے آئی اور "خلقِ عظیم" نے عفو و رحم بن کر سفارش کی۔ آپ نے اُس کے اسلام کو قبول فرمالیا اور بحکم اَلْاِسْلَامُ یَهْدِمُ مَا کَانَ قَبْلَهٗ یعنے "اسلام پہلی حالت کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیتا ہے" اس کی تمام خطا کاریاں

معاف ہوئیں اور اس نے صحابہ کی جماعت میں داخل ہو کر آخرت کی کامیابی حاصل کی۔

یہی وہ شخص ہیں کہ جنھوں نے صدیقِ اکبرؓ کے عہدِ خلافت میں نبوت کے جھوٹے مدعی "مسیلمہ" کو قتل کر کے حضرتِ حمزہؓ کے قتل کا داغ اپنے دامن سے مٹایا۔

ابو لہب کے بیٹوں کا قبولِ اسلام

یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِؤُا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ (صف)

چاہتے ہیں کہ بجھا دیں اللہ کی روشنی اپنے منہ سے اور اللہ کو پوری کرنی ہے اپنی روشنی اگرچہ بُرا مانیں مشرک

اسی سال ابو لہب مشہور دشمنِ اسلام کے دو لڑکے عتبہ اور معتب خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے۔ خدا کی قدرت دیکھئے باپ آذر کی پیروی میں مرا، اور اولاد نے ملّتِ ابراہیمیؑ کی غلامی کو فخر سمجھا۔

حضرت سہیل بن عمرو کا قبولِ اسلام

اسی سال حضرت سہیل بھی حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے یہ بھی اسی جماعت میں سے تھے جو فتح مکہ میں بھاگ کر مختلف جگہ روپوش ہو گئی تھی۔ یہ مدینہ حاضر ہوئے تو ان کے صاحبزادہ عبد اللہ نے جو ان سے قبل مسلمان ہو چکے تھے اُن کو پناہ دی۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی امان کو باقی رکھا۔

لہ البتہ آپ نے وحشی سے یہ فرما دیا تھا کہ تو کبھی میرے سامنے ہو کر نہ بیٹھنا اس لئے کہ تجھ کو دیکھ کر مجھ کو اپنے چچا کی مظلومانہ شہادت اور تیری بیرحمانہ سفاکی کا نقشہ سامنے آئے گا۔

آپ نے ایک مجلس میں ارشاد فرمایا کہ سہیل نہایت عقیل و فہیم ہے اس سے یہ اُمید نہیں کہ وہ جاہلیت کے طریقہ پر قائم رہے۔

حضرت سہیل کے کان میں جب یہ بات پڑی تو بیساختہ کہنے لگے خدا کی قسم! یہی احسان کیا کم تھا کہ مجھ کو معافی دی گئی پھر اس پر یہ محبت آمیز کلمات احسان پر احسان ہے فوراً مسجد نبوی میں حاضر ہوئے اور کلمۂ توحید پڑھتے ہوئے دستِ مبارک پر اسلام کی بیعت کی۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کعب بن زہیر، عتیبہ، معتب اور سہیل کے ایمان لانے سے بیحد مسرور ہوئے۔

وفدِ صدا

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا (مریم)

البتہ جو یقین لائے ہیں اور کی ہیں اُنھوں نے نیکیاں اُن کو دیگا رحمان محبت

فتح مکہ کے بعد مدینۂ طیبہ آکر آپ نے حضرت قیس بن سعد کی سیادت میں چارسو مجاہدین کا ایک لشکر اُن کے مشہور قبیلے صداء پر اس لئے روانہ فرمایا تھا کہ اہل صداء کو دعوتِ اسلام دیں۔ اہلِ صدا نے جب یہ دیکھا تو ایک شخص خدمتِ اقدس میں روانہ کیا جس نے حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ آپ اپنے لشکر کو واپس بلا لیجے۔ ہم اُن کے ساتھ معاملہ کرنے پر آمادہ نہیں، ہم خود خدمت میں حاضر ہو کر گفتگو کریں گے۔ آپ نے واپسی لشکر کا حکم صادر فرمایا۔

اس کے بعد وہی شخص قبیلے کے پندرہ آدمیوں کے ساتھ دوبارہ

حاضر خدمت ہوا۔ اور ان سب نے آپ کے ہاتھ پر اسلام کی بیعت کی اور وعدہ کیا کہ واپس جا کر تمام قبیلہ کو اسلام کی دعوت دیں گے۔

وفد مسلمان ہو کر صداء کے پاس گیا اور اُن کے سامنے اسلام کی تعلیم کا خلاصہ پیش کر کے اُن کو اسلام کی دعوت دی۔

تمام اہلِ قبیلہ نے برضا و رغبت دعوتِ اسلام قبول کی اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے لئے روانہ ہوئے تو اس قبیلہ کے بھی سَو آدمی آپ کے ہمراہ تھے۔

وفدِ تمیم

اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَکَ مِنْ وَّرَاءِ الْحُجُرٰتِ اَکْثَرُھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ (حجرات)

جو لوگ پکارتے ہیں تجھ کو دیوار کے پیچھے سے وہ اکثر عقل نہیں رکھتے

اس کے تھوڑے ہی دن بعد قبیلہ تمیم کی ایک جماعت جس میں عطارد ابن حاجب، زبرقان بن بدر اور عمرو بن الاہیم شامل تھے خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور گفت و شنید کے بعد مشرف باسلام ہو گئے۔

اس وفد میں بعض آدمی بدوی (صحرائی) تھے۔ جب یہ وفد مدینہ پہنچا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حجرۂ مبارک میں تھے۔ آپ کے باہر تشریف لانے میں کچھ دیر ہوئی تو دروازے پر چیخنے لگے یَا مُحَمَّدُ اُخْرُجْ اِلَیْنَا نُفَاخِرُکَ فَاِنَّ مَدْحَنَا زَیْنٌ وَاِنَّ ذَمَّنَا شَیْنٌ یعنی اے محمد باہر نکل کر آ۔ ہم تیری تعریف کریں گے اس لئے کہ ہماری مدح موجب زینت ہے اور ہماری مذمت لوگوں کے حق میں باعثِ عار ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن کا یہ طرزِ کلام ناپسند ہوا۔ لیکن زبانِ مبارک سے کوئی ناگواری کا کلمہ نہ فرمایا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔
اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَکَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَکْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰی تَخْرُجَ اِلَیْهِمْ لَکَانَ خَیْرًا لَّهُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ یعنی جو لوگ آپکو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں اُن میں سے اکثر آدمی نبوت کے مراتب سے بے شعور ہیں اور اگر وہ اتنا صبر کرتے کہ آپ خود باہر تشریف لے آئیں تو ان کے حق میں بہتر ہوتا۔ باقی خدا بخشنے والا مہربان ہے۔ یعنی اس قسم کی کوتاہیاں قابلِ عفو ہیں۔

۹ھ

عدی بن حاتم کا قبولِ اسلام

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادُوْا وَالصَّابِئُوْنَ وَالنَّصٰرٰی مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ
بیشک جو لوگ مسلمان ہوئے اور جو لوگ یہودی ہوئے اور نصاریٰ اور صابئین جو ایمان لایا ان میں سے اللہ پر اور دنیا پر قیامت
وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ (مائدہ)
اور کام کئے نیک تو اُن کے لئے اُن کا ثواب ان کے رب کے پاس ہے اور نہیں ان پر کچھ خوف اور نہ وہ غمگین ہونگے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضہ کو قبیلہ (طے) کے مشہور بت "فلس" کو منہدم کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ حضرت علی رضہ نے اُس کو منہدم کر دیا تو قبیلہ کے سردار سے مقابلہ ہو گیا اور اُس کو شکست اُٹھانی پڑی۔ اسیرانِ جنگ میں مشہور سخی حاتم طائی کی بیٹی سفانہ بھی قید ہو کر آئی،

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ علم ہوا کہ یہ لڑکی حاتم کی ہے تو آپ نے اس کے باپ کی سخاوت کی تعریف فرمائی اور اس کو اور اس کے قبیلہ کے تمام دوسرے قیدیوں کو اس بات پر معافی دیدی کہ یہ اس قبیلہ کے زن و مرد ہیں جن میں حاتم جیسا سخی گذرا ہے۔

سفانہ جب یمن واپس آگئی تو اپنے بھائی "عدی" کو ساری کیفیت سنائی۔ عدی کے دل پر اس کا بہت اثر ہوا اور وہ اس جذبہ سے متاثر ہو کر مدینہ حاضر ہوا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی عزت کی اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر حجرۂ مبارک کی طرف روانہ ہوئے۔ درمیان میں ایک بڑھیا نے اپنی کسی حاجت کے بارے میں عرض معروض کی اور آپ اس کے کام میں مشغول ہو گئے۔

جب آپ بڑھیا کے کام سے فارغ ہوئے تو پھر عدی کو لیکر حجرۂ مبارک میں داخل ہوئے اور آپ نے اپنا بستر استراحت جس کا ابرہ چمڑہ کا تھا اور جس کا بھراؤ کھجور کی چھال کا عدی کے لئے بچھایا اور فرمایا کہ اس پر بیٹھو۔

عدی نے اصرار کیا کہ آپ کی موجودگی میں یہ کیونکر ممکن ہے۔ مگر آپ کے ارشاد سے مجبور ہو کر عدی بستر پر بیٹھے اور آپ سامنے زمین پر۔

گفتگو شروع ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ عدی اسلام قبول کرلو۔ اس لئے کہ دین و دنیا کی فلاح کا یہی راستہ ہے۔

عدی نے کہا کہ میں تو خود مستقل دین (عیسائیت) پر ہوں آپ نے فرمایا کہ میں تمہارے دین سے تم سے زیادہ واقف ہوں اور پھر اس کو

بتایا کس طرح دینِ عیسوی میں تحریف کی گئی۔ اور کس طرح مشرکینِ عرب کے بعض خود ساختہ عقائد کو خلط ملط کر کے علمائے نصاریٰ نے اصل حقیقت کو مسخ کر ڈالا۔

عدی نے ان باتوں کو غور سے سُنا۔ آپ نے سلسلۂ گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اے عدی میں سمجھتا ہوں کہ تم اس دین کو کس لئے قبول نہیں کرتے۔ تمہارا خیال ہے کہ مسلمان ایک کمزور، نادار اور مفلس قوم ہے اور اُن کی مقابل "مشرک اور عیسائی قومیں" متمول اور بارسوخ ہیں۔ اگر تمہارا یہی خیال ہے تو اے عدی وہ وقت دور نہیں جب اسی مفلس قوم میں حق تعالیٰ مال کی وہ فراوانی کرے گا کہ ایک متمول کسی سائل کو تلاش کرے گا تو اس کے مال کا قبول کرنے والا اُسے ہاتھ نہ آئے گا۔ نیز تمہارا خیال ہے کہ ان کے دشمنوں کی تعداد بہت ہے۔ اور ان کی تعداد بہت کم، تو اے عدی! کیا تم نے کبھی حیرہ دیکھا ہے؟ عدی نے عرض کیا دیکھا تو نہیں سُنا ضرور ہے۔ آپ نے فرمایا عدی! خدا اس امر (اسلام) کی تکمیل کے لئے مقرر کر چکا ہے کہ وہ وقت قریب ہے جبکہ ایک عورت تنہا حیرہ (شام) سے چل کر مکّہ زیارتِ کعبہ کے لئے آئے گی تو اس کو کوئی خوف نہ ہوگا یعنی ترقیٔ اسلام کی بدولت شام سے عرب تک مسلمان ہی مسلمان نظر آئیں گے۔

اے عدی تم کو یہ بھی خیال ہے کہ مسلمانوں کے پاس ملک اور سلطنت نہیں اور یہ شوکت و سطوت سے محروم ہیں تو اے عدی تو

عنقریب سنیگا کہ بابل کے مشہور قصور[1] ابیض مسلمانوں کے ہاتھ پر فتح ہونگے عدی ان کلماتِ طیّبات کو سُنکر مشرف باسلام ہو گئے۔ اور اپنی زندگی ہی میں وہ سب کچھ دیکھ لیا جس کی بشارت صادق و مصدوق صلے اللہ علیہ وسلم نے دی تھی۔

مسجدِ ضرار

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا

اور جنھوں نے بنائی ہے ایک مسجد ضد پر اور کفر پر اور پھوٹ ڈالنے کو مسلمانوں میں اور گھات

لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ (توبہ)

لگانیکو اس شخص کی جو لڑ رہا ہے اللہ سے اور اس کے رسول سے پہلے سے

مسجدِ قُبا کی تعریف اور اس کی عظمت کا حال اوراقِ سابقہ میں معلوم ہو چکا ہے۔ اس سال منافقین کو "جو کہ ہمیشہ تفریق بین المسلمین میں مصروف رہتے تھے" یہ سوجھی کہ مسجد قُبا کے مقابلہ میں ایک مسجد بنائی اور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ تشریف لیجا کر وہاں تبرّکاً نماز پڑھ دیں۔

آپ نے اس کے بنانے کا سبب دریافت کیا مسلمانوں نے اصل حقیقت کا پول کھولدیا۔ مگر منافقین برابر قسمیں کھاتے رہے کہ ہماری نیت اس کے سوا کچھ نہیں کہ اس میں نماز پڑھیں۔

آپ نے مسلمانوں کے قول کا اعتبار کیا اور حکم دیا کہ اس کو منہدم

---

[1] بابل کے مشہور شاہی محلات خزانوں سے معمور تھے اور مسلمانوں نے ان کو فتح کیا۔

کردو۔ آپ کے ارشاد پر اس کو منہدم کردیا گیا۔ اسی کا ذکر قرآنِ عزیز کی اس آیت میں ہے جو عنوان میں نقل کی گئی۔

وفدِ ثقیف

وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ (آل عمران)

اور اگر تو ہوتا تند خو، سخت دل تو وہ متفرق ہوجاتے تیرے پاس سے

جب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپس تشریف لائے تو ثقیف کے سردار عروہ بن مسعود ثقفی راستے میں حاضرِ خدمت ہوئے اور اسلامی احکام سنکر آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوگئے۔ مدینہ پہونچے تو اجازت چاہی کہ اپنی قوم میں واپس جائیں اور ان کو دعوتِ اسلام دیں، آپ نے فرمایا کہ تمہاری قوم تم کو زندہ نہ چھوڑے گی۔ حضرت عروہ رضؓ نے عرض کیا کہ میری قوم مجھ کو بہت زیادہ محبوب رکھتی ہے مجھے اُن سے یہ اُمید نہیں۔

غرض حضرت عروہ اجازت لیکر روانہ ہوگئے۔ قبیلہ میں پہنچے تو ان کو دعوتِ اسلام دی۔ قوم نے بجائے قبولِ اسلام کے ان کو قتل کردیا مگر قتل کرنے کے بعد بہت پچھتائے اور ساتھ ہی یہ خوف پیدا ہوا کہ مسلمانوں سے مقابلہ مشکل ہے۔ لہٰذا کوئی تدبیر نکالی جائے۔

عبد یالیل ایک شخص ان میں صاحبِ وجاہت تھا۔ اس کو آمادہ کیا کہ مدینہ جاکر معاملہ کو سلجھائے۔ اُس نے اس شرط پر اقرار کیا کہ قبیلہ کے اور چند معزز آدمی بھی میرے ساتھ چلیں۔ قوم اس پر راضی ہوگئی۔

اور پانچ آدمی ثقیف کی طرف سے بصورتِ وفد مدینہ پہونچے۔
آپ نے مسجد کے صحن میں اُن کے خیمے گڑوا دیئے تاکہ نماز اور قرآن عزیز کو دیکھیں اور سُنیں۔ اس وفد میں ایک نوعمر لڑکے تھے جن کا نام عثمان ابن ابی العاص تھا۔ اُن کے دل پر اسلام کا کافی اثر ہوا۔ اور حضرت ابوبکر رضؓ سے خفیہ قرآنِ عزیز کی سورتیں یاد کرنی شروع کر دیں۔
وفد نے کچھ روز قیام کیا اور آخر سب مشرف باسلام ہوگئے اور خدمتِ اقدس میں عرض کیا کہ ہم کو ایک معلّم دیجئے جو نماز اور قرآنِ عزیز پڑھا سکے۔ آپ نے اُس وقت انہی عثمان رضؓ کو پیش کیا اور فرمایا کہ یہی تمہارا معلّم ہے۔

حج صدیق اکبر رضؓ

اسی سال ذی قعدہ میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبر رضؓ کو امیر حج بنا کر روانہ کیا۔ صدیق اکبر رضؓ کے ساتھ تقریباً تین سو مسلمان تھے۔ یہ واقعہ اس سے قبل تفصیل کے ساتھ بیان ہو چکا ہے۔

عبداللہ بن ابی کی موت

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِهٖ (توبہ)
اور تو نماز نہ پڑھ اُن میں سے کسی پر جو مر جائے کبھی اور نہ کھڑا ہو اس کی قبر پہ

ذی قعدہ ہی میں منافقین کے سردار عبداللہ ابن ابی کا انتقال ہو گیا آپ نے اس پر نماز پڑھی، جنازہ کے ساتھ تشریف لے گئے۔ اور دفن سے پہلے اپنا قمیصِ مبارک اُس کو پہنایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے

اگرچہ بار بار عرض کیا یا رسول اللہ یہ منافق تھا آپ اس کی نماز نہ پڑھیے مگر چونکہ ممانعت کے متعلق ابھی تک وحی نازل نہیں ہوئی تھی آپ کی عالمگیر رحمت نے حضرت عمرؓ کے مشورہ کو قبول نہ کیا۔

آپ نے یہ سب کچھ اس لئے کیا کہ اس کے بیٹے عبداللہ بن عبداللہ کی "جو کہ سچے مسلمان تھے" دلجوئی ہو جائے۔ اور قبیلۂ خزرج کی بھی جو کہ ابن ابیؔ کو اپنا سردار سمجھتے تھے "تسلی" ہو جائے۔

علمائے سیر لکھتے ہیں کہ اس واقعہ سے منافقین اور خزرج پر اس قدر اثر پڑا کہ ان میں کا بہت بڑا حصہ یہ دیکھ کر کہ "آپ نے ایسے شخص کے ساتھ یہ حُسنِ سلوک کیا کہ جس نے اپنی تمام زندگی آپ کے خلاف اندرونی سازشوں اور مسلمانوں کی تذلیل کی کاوشوں میں صرف کر دی" سچا مسلمان بن گیا۔ اور ہمیشہ کے لئے منافقت سے توبہ کر لی۔

اور آپ نے اُس کو قمیص اس لئے پہنائی کہ بدر میں جب آپ کے چچا حضرتِ عباس گرفتار ہو کر آئے تو اُن کے بدن پر قمیص نہ تھی۔ اس وقت ابن اُبیؔ نے اپنی قمیص اُن کو پہنا دی تھی۔ آپ نے اس وقت اُس معاملہ کی مکافات کر دی۔

اس واقعہ کے بعد آپ پر سورۂ برأت کی یہ آیت نازل ہوئی۔

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ (ان منافقین میں سے اگر کوئی مر جائے تو اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم کبھی کسی پر نماز نہ پڑھنا اور نہ کبھی اُن کی قبر پہ جانا)

وفاتِ اُمِّ کلثوم

اسی سال حضرت اُم کلثوم (رضی اللہ عنہا) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی لختِ جگر اور حضرت عثمان ذی النورین کی زوجۂ محترمہ کا انتقال ہوا۔
اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

خلاصہ

۵ھ

اس سال غزوۂ بنی المصطلق کے موقعہ پر منافقین نے مسلمانوں کے خلاف فتنہ اُٹھایا۔ اور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے عفو و کرم نے اس کی جڑ کاٹ دی۔ اسی سال افک کا مشہور واقعہ پیش آیا۔ اور اسی سال خدا کے حکم سے گود لینے کی رسمِ جاہلیت کو اس طرح مٹا دیا گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید (جو کہ نبی کے متبنیٰ کہلاتے تھے) کی بی بی حضرت زینب سے زید کے طلاق دیدینے کے بعد نکاح کر لیا۔ اسی سال پردہ کی آیت نازل ہوئی۔ ان آیات میں امہات المومنین کو تو صاف و صریح حکم دیا گیا ہے کہ وہ گھروں میں زندگی گذاریں۔ لیکن عام عورتوں کو نہ منع فرمایا ہے اور نہ یہ ترغیب دی ہے کہ وہ باہر پھرا کریں لیکن باہر نکلنے کے آداب بتائے۔ البتہ علمار اسلام نے پردہ کی علت پر نظر کرتے ہوئے آیت وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ کے مفہوم کو عام رکھ کر بغیر سخت ضرورت باہر نکلنے کو منع کیا ہے۔ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کی احادیث بھی بکثرت یہ ظاہر کرتی ہیں کہ آپ کو عام عورتوں کے لئے بھی یہی مرغوب ہے کہ وہ گھر والی

میں زندگی بسر کریں۔ اور سخت ضرورت کے بغیر باہر نہ نکلیں۔

حضرت عائشہ رضؓ نے تو صاف فرمادیا کہ ہمارے زمانہ میں جو حال عورتوں اور مردوں کا ہے اگر پیغمبرؐ کے زمانہ میں یہ ہوتا تو آپ عورت کو کبھی اس طرح باہر نکلنے نہ دیتے۔

اسی سال حج فرض ہوا۔ حج کے ارکان انبیاء علیہم السلام خصوصاً حضرت ابراہیم و حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کی یادگار ہیں۔ یہ ارکان محبتِ الٰہی اور عشقِ خداوندی کا پتہ دیتے ہیں۔ اس لئے خدا نے اُن کو بطور یادگار کے مذہب کا جزء قرار دیا۔ اسی لئے فرمایا اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ[1]۔ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا[2] وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى[3]۔ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ[4]

۶ھ

اس سال صلح حدیبیہ کا واقعہ پیش آیا۔ اور اسی واقعہ میں بیعتِ رضوان لی گئی۔ اس صلح نے اشاعتِ اسلام اور ترقیٔ مذہب میں بہت مدد دی، اور یہی صلح فتح مکہ کا باعث بنی۔ اسی لئے قرآنِ عزیز نے اس کو فتح مبین کہا

اسی سال آپ نے سلاطینِ عرب و عجم کو دعوتِ اسلام دی اور اس کے لئے خطوط لکھوائے بعض بادشاہوں نے بخوشی اسلام قبول کر لیا۔ بعض نے سفراء کی تعظیم و تکریم کی اور آپ کی نبوت کا اقرار بھی کیا لیکن سلطنت اور

---

[1] بیشک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں [2] اور اللہ کا حق ہے لوگوں پر حج کرنا اس گھر کا جو شخص قدرت رکھتا ہو اُس کی طرف راہ چلنے کی [3] اور بناؤ ابراہیمؑ کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز کے کھڑے ہونے کی جگہ [4] یاد کرو اللہ کو نزدیک مشعر الحرام (مزدلفہ) کے ۱۲

مال کی طمع نے قبولِ اسلام سے باز رکھا۔ کسرے شاہِ فارس نے نامۂ مبارک کی توہین کی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معجزانہ پیشگوئی کے مطابق ذلت سے مارا گیا اور اس کا ملک ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔

۷ھ

اس سال حضرت صفیہ رضؓ سے آپ کا عقد ہوا۔ یہ حُیّی بن اخطب سردار بنو نضیر کی بیٹی اور حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔

اسی سال مہاجرینِ حبشہ مدینہ طیبہ واپس آئے اور انہیں کے ساتھ ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ بنت ابو سفیان تھیں۔

اسی سال حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور اُن کی قوم اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور ان کی قوم حاضرِ خدمت ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے۔

اسی سال آپ ذی قعدہ میں عمرۂ قضا کے لئے مع اُن تمام صحابہ کے تشریف لے گئے جو صلح حدیبیہ کے وقت آپ کے ہمراہ تھے۔

اسی سال حضرت خالد سیف اللہ، حضرت عثمان بن ابی طلحہؓ اور حضرت عمرو بن العاص مسلمان ہوئے۔

اسی سال حضرت میمونہ رضؓ آپ کے عقد میں آئیں۔ یہ بیوہ تھیں ان کا پہلا عقد حضرتِ حمزہ سے ہوا تھا۔

۸ھ

اس سال کعب بن زہیر مسلمان ہوئے اور اسلام قبول کرنے سے قبل

آپ کی نعت میں ایک قصیدہ سُنایا۔

اسی سال وحشی رضؓ قاتلِ حضرت حمزہ رضؓ عتیبہ اور معتّب، ابو لہب کے بیٹے اور حضرت سہیل بن عمرو مشرف باسلام ہوئے۔

اسی سال اہلِ صُداء اور قبیلہ بنو تمیم مشرف باسلام ہوئے۔

۹ھ

اس سال مشہور سخی "حاتم طائی" کے بیٹے عدی نے اسلام قبول کیا۔

اسی سال منافقین کی بناکردہ مسجدِ ضرار بحکم پیغمبر منہدم کر دی گئی۔

اسی سال حضرت عروہ بن مسعود ثقفی اور ان کی قوم نے اسلام قبول کیا۔ اسی سال صدّیقِ اکبرؓ امیرِ حج بناکر بھیجے گئے اور حضرت علیؓ ان کے ہمراہ اس لئے تشریف لے گئے کہ منادی کر دیں کہ آیندہ کوئی مشرک حج کے لئے نہ آئے اور نہ کوئی عریاں طواف کرے۔

اسی سال منافقین کے سردار عبداللہ بن ابیّ کا انتقال ہوا۔

اسی سال حضرت اُمّ کلثوم صاحبزادی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا۔

سوالات

(۱) غزوۂ بنی مطلق میں منافقین کی فتنہ جوئی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عفو وکرم کے واقعہ کی تفصیل بیان کرو۔

(۲) نبی کرم صلی اللہ علیہ وسلم کیا تھ حضرت زینب کے نکاح کی مصلحت بیان کرو اور بتاؤ کہ اس سے امت کو کیا سبق ملا؟

(۳) پردہ کی آیت کب نازل ہوئی اور قرآن و حدیث سے شرعی پردہ کی حقیقت کیا ثابت ہوتی ہے؟

(۴) حج کب فرض ہوا اور اسکی حکمت کیا ہے؟

(۵) سلاطینِ عرب و عجم کو آپ نے کس زمانہ میں دعوتِ اسلام دی اور اس کا نتیجہ کیا نکلا؟

(۶) حضرت صفیہ رض سے آپ نے کب عقد کیا اور حضرت ام حبیبہ رض سے کب؟

(۷) ۵ھ سے ۸ھ تک مشاہیرِ عرب میں سے کون کون مسلمان ہوئے؟

(۸) صدّیقِ اکبر رض کس سال امیرِ حج بنا کر بھیجے گئے۔ اور حضرت علی رض نے مکہ میں کیا اعلان کیا؟

(۹) مسجدِ ضرار کا واقعہ بیان کرو۔

(۱۰) حضرت عروہ بن مسعود ثقفی کب مسلمان ہوئے؟ اس سال منافقین میں سے کس کا انتقال ہوا؟ اس سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کون سی صاحبزادی کا انتقال ہوا؟

(۱۲)

سنہ ۱۰ھ

عام الوفود

اہلِ نجران کا قبولِ اسلام

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا

جب پہنچ چکی مدد اللہ کی اور فیصلہ اور تو دیکھے لوگوں کو کہ داخل ہوتے ہیں غول کے غول دین میں

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَاسْتَغْفِرْہُ اِنَّہٗ کَانَ تَوَّابًا ؕ

تو پاکی بیان کر اپنے رب کی خوبیوں کے ساتھ اور گناہ بخشوا بیشک وہ معاف کرنیوالا ہے

یمن کی مشہور بستی "نجران" میں ایک قبیلہ بنی عبدالمدان آباد تھا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالدؓ کو حکم دیا کہ تم اس قبیلہ میں جاؤ اور ان کو دعوتِ اسلام دو۔ حضرت خالدؓ ایک جماعت لیکر پہنچے اور اس قبیلہ کے تمام گلی کوچوں میں اسلام کی منادی کرادی۔

قبیلے کے آدمیوں نے اسلام کی دعوت پر لبیک کہی اور جوق جوق جماعتیں حضرت خالدؓ کے پاس آئیں اور اسلام پر بیعت کی۔

حضرت خالدؓ نے چند روز یہاں قیام فرمایا اور ان کو نماز و قرآن کی تعلیم دی۔ ساتھ ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سارا واقعہ لکھ بھیجا۔ آپ نے جواب دیا کہ ایک وفد ساتھ لیکر یہاں آؤ۔ یہ جماعت

جب خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئی تو آپ نے اُن سے دریافت فرمایا کہ زمانۂ جاہلیت میں اگر کبھی تم سے کسی کی جنگ پیش آتی تو تم کس طرح غالب آتے تھے؟ انھوں نے جواب دیا کہ باہمی اتفاق سے اور جنگ میں ظلم سے پرہیز کرنے کی وجہ سے آپ نے فرمایا کہ تم نے بالکل سچ کہا اس کے بعد حضرت زید بن حصین کو اُن پر امیر کرکے اُن کو باعزت واپس فرمادیا۔

بنو مذحج کا قبول اسلام

بنو مذحج یمن کے ایک قبیلہ کا نام ہے۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضہ کو حکم دیا کہ وہ اہلِ قبیلہ کو دعوتِ اسلام دیں۔ اور بغیر اُن کے جنگ کئے ہوئے اپنی طرف سے ہرگز جنگ کی ابتدا نہ کریں" حضرت علی رضہ نے اُن کو اسلام کی دعوت دی۔ اول قبیلے کے بعض سرداروں نے مقابلہ کیا مگر مغلوب ہوئے۔ اس کے بعد تمام قبیلہ متفق ہو کر حضرت علی رضہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اُن کے ہاتھ پر اسلام کی بیعت کی۔

(آمدِ وفود)

اگرچہ بعثتِ نبوی سے زمانۂ وفات تک عرب وعجم کے مختلف وفود خدمتِ اقدس میں اس لئے حاضر ہوتے رہے کہ اسلام کے احکام اور اُس کے خصائص معلوم کریں۔ اور آپ کے خُلقِ عظیم اور عفوِ کریم سے متاثر ہو کر بہت سے اشخاص و قبائل مشرف باسلام ہوتے رہے

لیکن اسلام کی شہرت اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے حلم وعفو، صدق و دیانت
کے حالات سُنکر اس سال خصوصیت سے ساتھ مختلف قبائل اور مختلف
شہروں سے اس کثرت کے ساتھ وفود خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے کہ جس
کی وجہ سے اس سال کا نام ہی عام الوفود (وفود کا سال) ہوگیا۔
وفود کی گفتگو، آنے کے وجوہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بات
چیت، قبولِ اسلام یا قبولِ جزیہ کی تحقیق اگرچہ اس رسالہ میں تفصیل سے
ممکن نہیں لیکن ضرورت ہے کہ واقعات کو اجمال کے ساتھ ذکر کر دیا جائے
تاکہ معلوم ہو سکے کہ اسلام کی برکات اور رحمۃ للعالمین کے عفو و کرم کے
واقعات نے تھوڑے سے زمانہ میں کیا حیرت انگیز انقلاب پیدا کر دیا۔

وفد نجران

نجران کے متعلق گذشتہ اوراق میں معلوم ہو چکا ہے کہ یمن کی ایک
بستی کا نام ہے۔ اس بستی میں سے ساٹھ آدمیوں پر مشتمل ایک وفد حاضر
دربارِ نبوی ہوا۔ اس وفد میں پادری بھی تھے۔ اور رؤسا قوم بھی، نہایت
عمدہ اور بیش قیمت لباس پہنے ہوئے جن پر سونے کا کام تھا۔ تزک و احتشام
کے ساتھ آپ کے سامنے مسجدِ نبوی میں پیش ہوئے۔ آپ نے اُن کے
قیام کے لئے مسجد کا میدان ہی تجویز فرمایا اور خیمے گڑوا دیئے۔
سردارِ وفد نے بیش قیمت اونی چادریں اور بچھونے جن پر تصاویر بھی تھیں
خدمتِ اقدس میں بطور تحفہ پیش کیں۔ آپ نے اونی کپڑوں کو قبول فرما لیا
اور تصاویر سے منقش چادروں کو نامنظور کر دیا۔ جب ان کی نماز کا وقت

آیا تو بیت المقدس کی طرف نماز ادا کی۔ فارغ ہوئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو شروع ہوئی۔ آپ نے اُن کو اسلام کی دعوت دی اُنھوں نے کہا کہ ہم تو پہلے سے ایک دین پر ہیں یعنی عیسوی مذہب رکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں خوب جانتا ہوں کہ تمھیں تین چیزیں اسلام سے باز رکھنے والی ہیں۔ صلیب پرستی، خنزیر کا گوشت، حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا سمجھنا۔

نصارائے نجران نے پہلی دو باتوں میں تو خاموشی اختیار کر لی لیکن تیسری بات کے متعلق سوال کیا کہ اگر عیسیٰ خدا کے بیٹے نہ تھے تو بغیر باپ کے اُن کو کس نے پیدا کیا۔

اس پر خدا کی طرف سے یہ جواب ملا اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ، خَلَقَہٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنَ (عیسیٰ علیہ السلام کی مثال خدا کے نزدیک آدم علیہ السلام کی سی ہے۔ خدا نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا اور جب خدا نے حکم دیا کہ آدم عدم سے وجود میں آئیں تو موجود ہو گئے) یعنی جس خدا نے آدمؑ کو بغیر ماں باپ کے پیدا کیا اُسی نے عیسیٰ کو بغیر باپ کے پیدا کیا۔

دعوتِ مباہلہ[1]

تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَکُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَکُمْ ثُمَّ نَبْتَہِلْ (آل عمران)

آؤ بلالیں اپنے بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو اور اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتوں کو اور خود اپنے کو اور خود تم کو پھر خوب دل سے دعا مانگیں

---

[1] حق و باطل کے اظہار کے لئے اس قسم کے مقابلہ کو جو زیرِ عنوان درج ہے عربی میں مباہلہ کہتے ہیں۔

وفد نے جب اس پر بھی شک وشبہات پیش کئے، اور تمام دلائل حقہ کو سننے کے بعد بھی اپنی ہٹ اور ضد پر قائم رہے تو پھر خدا کی طرف سے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا کہ ان کو مباہلہ کی دعوت دو اور حق وباطل کے مناظرہ کو اس طرح ختم کردو کہ تم اور وہ دونوں خدا کے دربار میں دعا کرو کہ جو حق پر ہو وہ سلامت رہے اور جس کا عقیدہ حضرت عیسی علیہ السلام کے بارے میں غلط ہو خدا اس پر اپنا قہر اور اپنا عذاب نازل فرمائے اسی سلسلہ میں یہ آیت نازل ہوئی۔ فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ (یعنی اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم یقین کے بعد بھی اگر کوئی تم سے جھگڑا کرے تو ان سے کہدو کہ میں اپنے اہل وعیال کو بلاتا ہوں اور تم اپنے اہل وعیال کو جمع کرلو پھر ہم اور تم دونوں اس بات پر مباہلہ کرلیں کہ اسپر خدا کی لعنت اور عذاب ہو جو اس بارے میں جھوٹا اور کاذب ہے۔

آپ نے یہ آیت وفد کے سامنے پڑھی اور مباہلہ کی دعوت دی وفد نے آپس میں مشورہ کیا۔ اور ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ یہ خدا کا سچا پیغمبر ہے اگر ہم نے ایسا کیا تو سب ہلاک ہوجائیں گے

یہ مشورہ کرکے آپ سے عرض کیا کہ ہم مناظرہ سے باز آتے ہیں اور جزیہ دینے پر آمادہ ہیں۔

جزیہ کا معاملہ طے ہو گیا اور حضرت عبیدہ رض امین بنا کر ان کیساتھ

بھیجدیئے گئے تاکہ وہ پہلے سال کا جزیہ وصول کرلیں۔
حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ اگر وہ مباہلہ پر آمادہ ہوجاتے تو اُن کے سب اہل وعیال برباد اور کل مال ومنال تباہ ہوجاتا۔

جزیہ کی حقیقت

نصارے نے اسلام کی دشمنی میں اس مسئلہ کو بہت خوفناک بنا کر دُنیا کے سامنے پیش کیا ہے تاکہ دنیا مسلمانوں سے بدظن و نفور ہوجائے اور انہیں کی اندھی تقلید میں بعض دوسرے غیر مسلم بھی بغیر دریافت حقیقت مسئلہ" طرح طرح کی نکتہ چینیاں کرتے ہیں۔

جزیہ کی حقیقت صرف یہ ہے کہ جو قومیں اپنے مستقبل پر نظر کرکے حفاظتِ خود اختیاری کی غرض سے مسلمانوں کی شوکت وحکومت کے ماتحت اپنے آپ کو سپرد کردیتی ہیں مسلم حکومت اُن کی جان و مال اور ان کی آبرو غرض تمام زندگی کی حفاظت کی خاطر صرف ایک ٹیکس لیتی ہے جس کا نام عربی میں "جزیہ" ہے۔ اس ٹیکس کی ادائگی کے بعد یہ محکوم قومیں حکومت کے تمام بار سے آزاد اور معاملات میں مسلمانوں کی برابر کی حقدار بنجاتی ہیں۔ بخلاف مسلمانوں کے کہ اُن کو علاوہ زکوٰۃ کے ہر اسلامی ضرورت، فوجی ضرورت، تعلیمی ضرورت، اور رفاہِ عامہ کی ضرورت کے لئے برابر ٹیکس ادا کرنے پڑتے ہیں۔

جزیہ پر اعتراض کرنے والے خصوصًا یورپ کی مہذب اقوام تھوڑی دیر کے لئے خود بھی انصاف سے دیکھیں کہ آج دنیا میں یہی ادعائے تہذیب

وحفاظتِ حقوقِ اقوام، کوئی ایک حکومت بھی کسی محکوم قوم کی اس قدر معمولی مقدار کے ٹیکس پر اس قدر عظیم الشان ذمّہ داری برداشت کرنے کو آمادہ ہے کہ اس کے بعد پھر حاکم و محکوم قوم کے درمیان حقوقِ دنیوی میں کوئی امتیاز ہی باقی نہ رہے۔

وفدِ ضمام

ضمام بن ثعلبہ! یہ شخص اپنے قبیلہ میں ممتاز تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، صحابہ کا مجمع تھا۔ کہنے لگا کہ تم میں ابن عبدالمطلب کون ہے؟ صحابہ نے آپ کی طرف اشارہ کیا۔

ضمام آپ کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ میں کچھ دریافت کرنا چاہتا ہوں لیکن گاؤں کا باشندہ ہوں، گفتگو میں سختی اور درشتی ہو تو ناراض نہ ہونا۔ آپ نے بخوشی اس کو اجازت دی۔

ضمام نے احکام اسلامی کے متعلق چند سوالات کئے اور مشرف باسلام ہو گیا۔ اور عرض کیا کہ قوم میں جا کر دعوتِ اسلام دونگا جب وہ جانے لگا تو آپ نے مجمع سے مخاطب ہو کر اس کی تعریف کی ضمام اپنی قوم میں پہنچا اور اُن کو دعوتِ اسلام دی جس کو انھوں نے بخوشی منظور کیا اور تمام قبیلہ مسلمان ہو گیا۔

وفدِ عبدالقیس

یہ قبیلہ بھی عرب کے مشہور قبائل میں تھا۔ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کے آنے سے قبل صحابہ کو بشارت دی تھی کہ عنقریب تمہارے پاس

ایسی جماعت آنیوالی ہے جو ہر طرح قابلِ عزت ہے

عبدالقیس کا وفد مدینہ پہنچا اور عجلت کے ساتھ خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا۔ آپ نے اُس کی آمد پر مرحبا کہا اور عزت و توقیر سے بٹھایا وفد نے اسلام کی حقیقت پر گفتگو کی اور بخوشی دعوتِ اسلام قبول کی۔ اور پھر چند مسائل دریافت کئے اور باعزت و احترام واپس ہو گئے۔ ان کے پہنچنے پر تمام قبیلہ نے بھی بخوشی اسلام قبول کر لیا۔

وفدِ طئ

اسی طرح قبیلہ طئ کا وفد حاضر ہوا۔ اس وفد کے سردار زید الخیل نامی ایک شخص تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مسلمان ہونیکے بعد اُن کا نام زید الخیر[1] رکھا۔

وفدِ کندہ

کندہ بھی ایک قبیلہ کا نام ہے اس قبیلہ سے بھی ایک وفد خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا۔ ان میں سے ممتاز شخص اشعث بن قیس تھے انھوں نے اپنے ہاتھ میں کوئی چیز چھپا کر آپ سے دریافت کیا کہ میرے ہاتھ میں کیا ہے۔ آپ نے فرمایا سبحان اللہ! میں کاہن نہیں ہوں۔ یہ کام کاہنوں کا ہے مجھ کو خدا نے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے اور پھر سورۂ والصّافات کی چند آیتیں پڑھ کر سنائیں جن کو سنکر سامعین پر بیحد اثر ہوا۔ اور پھر وفد کو

---

[1] خیل عربی میں گھوڑے کو کہتے ہیں اور خیر کے معنے بہتر کے ہیں اس تبدیلی سے اس طرف اشارہ تھا کہ نام کی طرح نسبتیں بھی عمدہ ہونی چاہئیں نہ کہ ذلیل و توہین آمیز ۱۲

دعوتِ اسلام دی جس کو اشعث نے بخوشی قبول کیا۔

وفدِ اَزدُشنُوء

ازدشنوء، عرب کے مشاہیر قبائل میں سے ایک قبیلہ کا نام ہے اس قبیلہ کا سردار "صُرد بنِ عبداللہ" خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور بعد گفتگو کے دعوتِ اسلام کو قبول کرلیا۔ آپ نے اُس کو اُس کی قوم کا سردار بنادیا۔ اور قوم نے بخوشی اس کو منظور کرلیا۔

وفدِ بنی حَنیفہ اور مسیلمۂ کذّاب

بنی حنیفہ، یمن کے قبائل میں ایک بہت بڑا قبیلہ تھا۔ اس زمانہ میں جبکہ اس قبیلہ کا وفد خدمتِ نبی میں حاضر ہوا ہے۔ سردارِ قبیلہ "مسیلمہ" تھا اس لئے وہ بھی وفد کے ہمراہ تھا۔ وفد جب مسجدِ نبوی میں داخل ہوا تو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اُن کا حال سُنکر تشریف لائے۔ ساتھ میں حضرت عبداللہ قیس بن شماس تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبولِ اسلام پر اُن سے گفتگو کی مسیلمہ کہنے لگا کہ میں اس شرط پر ایمان لاسکتا ہوں کہ آپ وعدہ کریں کہ آپ کے بعد آپ کی نیابت وخلافت مجھ کو ملے گی اور مجھے بھی آپ اپنے اس معاملہ میں شریک کرینگے۔

آپ کے ہاتھ میں ایک شاخ تھی آپ نے مسیلمہ کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا کہ اگر قبولِ اسلام بھی اس قسم کی حرص آمیز شرط پر موقوف ہو تو واضح رہے کہ میرے ہاتھ میں جو یہ شاخ ہے اگر تو ایک ٹکڑا اس کا بھی مانگے تو نہ ملے گا۔ مجھ کو خدا کی طرف سے دکھایا گیا ہو کہ تیری نیت

کیا ہے؟ اور اس کی بدولت تیرا حشر کیا ہوگا؟ یہ فرما کر آپ مجلس سے اُٹھ گئے۔ اور فرمایا کہ بقیہ گفتگو قیس بن شماس کریں گے۔

مُسَیلمہ کو جواب دیتے ہوئے آپ نے فرمایا تھا "کہ مجھ کو خدا کی طرف سے دکھایا گیا ہے" اس سے اُس خواب کی طرف اشارہ تھا جو کتبِ احادیث میں مذکور ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک مرتبہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے ہاتھ پر دو سونے کے کنگن رکھے ہیں۔ مجھ کو یہ دیکھ کر ناگوار گذرا۔ خدا کی طرف سے وحی آئی کہ اُن کو پھونک سے اُڑا دو۔ میں نے فوراً اُن کو پھونک سے اُڑا دیا۔ صبح کو میں نے اس خواب کی تعبیر یہ لی کہ میرے زمانہ میں دو کذّاب نبوت کا جھوٹا دعوی کریں گے۔ اور انجام کار ذلیل ہونگے صادق و مصدوق کی پیشگوئی حرف بحرف صحیح نکلی اور مُسیلمہ نے یمامہ میں اور اسود عنسی نے صنعاء میں نبوت کا دعویٰ کیا اور دونوں خوار ہو کر مارے گئے۔ یہی وہ مسیلمہ ہے جو خلافتِ صدیقی میں وحشی کے ہاتھوں مارا گیا۔ بہر حال مسیلمہ تو ذلت و رسوائی سے مارا گیا۔ مگر اس کی قوم بنی حنیفہ نے بخوشی اسلام پر بیعت کی اور اس طرح دونوں جہان کی سُرخروئی اور کامیابی حاصل کی۔

وفدِ شاہان

حِمیَر یمن کا مشہور قبیلہ ہے جس نے عرصہ دراز تک یمن اور اس کے نواح پر نہایت تزک و احتشام کے ساتھ حکومت کی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ

علیہ وسلم کے زمانہ میں اس حکومت کے مختلف حصّے ہوگئے تھے۔ اور ہر ایک حصّہ کا مالک "شاہ حمیری" کہلاتا تھا۔ اس زمانہ میں حارث بن عبد کلال، نعمان، ہمدان، معافر، برسرِ حکومت تھے۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ اسلام پر سب نے اسلام قبول کر لیا۔ اور ایک وفد خدمت مبارک میں روانہ کیا۔ وفد جب حاضرِ خدمت ہوا تو شاہانِ حمیر کے اسلام کا حال سنایا اور اُن کا وہ خط پیش کیا جس میں ملوکِ حمیر نے یمن کے لئے مبلّغِ اسلام اور عاملِ زکوۃ و صدقات کے لئے آدمی طلب کئے تھے۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے خط کا جواب دیا جس میں اُن کو قبولِ دعوت پر مبارکباد دی اور نماز، ادائے زکوۃ، غلاموں کے ساتھ حسنِ سلوک کی تلقین فرمائی اور تحریر فرمایا کہ زکوۃ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اس کے خاندان کے لئے درست نہیں ہے۔ زکوۃ کا مصرف صرف فقرا، و مساکین ہیں اور یہ کہ معاذ بن جبل، عبداللہ بن زید، مالک بن عُبادہ اور اُن کے ساتھیوں کو بھیجا جاتا ہے ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا اور زکوۃ و صدقات کی فراہمی میں ان کی امداد کرنا،

وفدِ ہمدان

جب آپ تبوک سے واپس ہو رہے تھے تو اس قبیلہ کا وفد حاضرِ خدمت ہوا۔ وفد کے ارکان میں مالک بن نمط بھی تھے۔ جو اپنی قوم میں مشہور شاعر اور ذی وجاہت تسلیم کئے جاتے تھے۔ وفد نے دعوتِ اسلام کو قبول کیا اور قبیلۂ ہمدان نے بھی وفد کا اتباع کیا۔ اور سب مسلمان ہو گئے

آپ نے مالک بن نمط ہی کو اُن پر امیر بنا دیا اور ان کی تعریف کی اور فرمایا کہ اس قبیلہ میں خدا کے خاص بندے پیدا ہوتے رہیں گے۔

وفد تجیب

یہ کندہ کے قبیلہ کی ایک شاخ ہے۔ ان میں سے تقریباً تیرہ معزز آدمیوں کا ایک وفد حاضرِ خدمت ہوا۔ اور اپنے مسلمان ہونیکی بشارت دی اور مالِ زکوۃ پیش کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اپنی بستی اور قبیلہ کے فقرار پر تقسیم کر دینا۔ اُنھوں نے عرض کیا کہ یہ مال اُن کی حاجت سے فاضل ہے آپ بیت المال کے لئے قبول فرمائیے۔ حضرت صدّیق اکبرؓ نے اس وفد کے حوصلہ منداصحاب کی تعریف کی۔ وفد نے واپسی کی اجازت چاہی تو آپ نے عجلت کا سبب دریافت کیا۔ عرض کیا ہم چاہتے ہیں کہ اپنی قوم کو جلد جاکر اسلام کی بشارت، اور آپ کے شرفِ صحبت کا حال سنائیں۔ آپ نے اُن کو نہایت ہی عزت کے ساتھ واپس فرمایا۔

وفدِ ثعلبہ

اس قبیلہ کے چار اشخاص حاضرِ خدمت ہوئے اور اپنی اور اپنی قوم کی طرف سے قبولِ اسلام کی بشارت دی۔ اور عرض کیا کہ ہم نے سُنا ہے آپ کا ارشاد ہے کہ لَا اِسْلَامَ لِمَنْ لَا هِجْرَةَ لَهٗ (جس نے ہجرتِ مدینہ نہ کی وہ مسلمان نہیں) آپ نے ارشاد فرمایا حَیْثُ مَا کُنْتُمْ وَاتَّقَیْتُمُ اللّٰهَ فَلَا یَضُرُّکُمْ (جس جگہ بھی رہو بشرطیکہ خوفِ خدا دل میں ہو تو تمہارے اسلام میں کوئی کمی نہیں آئیگی)، وفد یہ سُنکر مسرور ہوا اور خدا کا شکر

ادا کیا۔ وفد چند روز آپ کا مہمان رہا اور واپسی پر آپ نے ہر شخص کو کئی کئی سیر چاندی مرحمت فرمائی۔

وفدِ بنی سعد

اس قبیلہ کے بھی چند اشخاص حاضرِ خدمت ہوئے۔ جس میں نعمان نامی ایک شخص بھی تھے۔ نعمان کہتے ہیں کہ جب ہم مسجدِ نبوی کے قریب پہنچے تو آپ جنازہ کی نماز میں مشغول تھے۔ فارغ ہوئے تو مجھے بلایا اور پوچھا کہ تم کس قبیلہ سے ہو؟ میں نے جواب دیا، بنی سعد بن ہدیم سے آپ نے دریافت فرمایا مسلمان ہو؟ میں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ، آپ نے فرمایا پھر اپنے بھائی پر نماز کیوں نہیں پڑھی۔ میں نے عرض کیا، ہم یہ سمجھتے رہے کہ جب تک آپ کے ہاتھ پر بیعت نہ کریں مسلمان نہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا اسلام جہاں بھی قبول کر لیا جائے مقبول ہے اور اس کا ماننے والا مسلمان۔ اس کے بعد ہم نے آپ کے ہاتھ پر اسلام کی بیعت کی۔ میں نے عرض کیا کہ ہم میں سے ایک نوعمر لڑکا باقی ہے ہم اس کو قیامگاہ پر چھوڑ آئے ہیں، لڑکا بلوایا گیا۔ میں نے اس کو پیش کرتے ہوئے عرض کیا یا رسول اللہ یہ ہمارا خادم اور ہم سب میں چھوٹا ہے آپ نے فرمایا سَيِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُهُمْ بَارَكَ اللهُ (قوم کا سردار خادمِ قوم ہوتا ہے اللہ تعالیٰ برکت عطا فرمائے)

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی دعا کا اثر یہ ہوا کہ وہ ہم سب سے زیادہ قرآن کا حافظ، اور عالم اور ہم سب کا سردار بنا۔

وفدِ بنی فزارہ

اس قبیلہ کے اکثر افراد حاضرِ خدمت ہوئے اور عرض کیا کہ ہم اپنے مقام ہی پر مشرف باسلام ہو چکے ہیں۔ لیکن آج کل قحط سالی نے تمام بستی کو ویران کر دیا۔ حیوان و انسان سب پریشان حال ہیں۔ آپ خداوندِ قدوس کے دربار میں دُعا فرمایئے کہ بارش ہو اور یہ مصیبت ہم پر سے ٹلے۔ آپ نے منبر پر چڑھ کر دعا مانگی۔ خدا کے دربار میں پیغمبر کی دعا مقبول ہوئی اور بنی فزارہ کی بستی میں خوب بارش ہوئی اور اس سال کی زراعت نے اُن کو مالا مال کر دیا۔

وفدِ بنی اَسَد اور اسود عنسی

اس قبیلہ سے بھی ایک وفد حاضرِ خدمت ہوا۔ شرکاءِ وفد میں حضرت ضرار بن الازور اور مشہور کذاب اسود عنسی (جس کا نام طلیحہ) بھی تھا۔ وفد نے قبولِ اسلام کے وقت کچھ اس طرح اداءِ مطلب کیا جس سے صاف یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا یہ خدا اور اُس کے رسول پر بہت بڑا احسان کر رہے ہیں کہ دعوتِ اسلام قبول کرتے ہیں۔ اسلام ایسی تعلّی اور تکبر کو کب پسند کر سکتا تھا۔ فوراً نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی یَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَیَّ اِسْلَامَكُمْ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ یعنی وہ یہ احسان جتاتے ہیں کہ ہم مسلمان ہو گئے ہیں۔ آپ اُن سے فرما دیجے کہ اگر تم اس قبولِ اسلام میں صادق ہو تو مجھ پر اپنے مسلمان ہونے کا احسان نہ رکھو۔ بلکہ تم پر

خدا کا احسان ہے کہ اُس نے تم کو ایمان کی راہ دکھائی اور قبولِ اسلام کی توفیق بخشی۔

وفودِ یمن

بنی عذرہ، بنی بلّی، بنی مُرّہ اور بنی خولان یمن کے قبائل ہیں ان کے وفود بھی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور آپ کے دستِ مبارک پر اسلام کی بعیت کی۔ آپ نے اُن کو رخصت کرتے ہوئے یہ نصائح فرمائے وعدہ خلافی نہ کرنا، امانت میں کبھی خیانت نہ کرنا، ہمیشہ پڑوسیوں کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آنا۔ ہرگز کسی پر ظلم نہ کرنا۔ اس لئے کہ ظلم قیامت میں تاریکی کا باعث ہے۔ اس سے اشارہ تھا قرآنِ عزیز کی ان آیات کی طرف مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَا يُبْصِرُونَ ۝ منافقین کی مثال اُن لوگوں کی سی ہے جنہوں نے آگ روشن کی ہو اور جب آگ روشن ہو گئی تو اللہ نے اُن کی روشنی کو سلب کر لیا اور اُن کو ایسی تاریکیوں میں چھوڑ دیا کہ ان کو کچھ نظر نہ آسکے۔

وفدِ بنی مُحارب

یہ وہ قبیلہ ہے جس نے اسلام کی دشمنی میں کافی شہرت حاصل کی تھی عُکّاظ کے بازار میں جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دعوتِ اسلام پر تقریر فرمایا کرتے تھے یہی سب سے زیادہ آپ کو ایذا پہنچانے والا تھا۔ طرح طرح سے تقریروں میں رُکاوٹیں پیدا کرنے والا، اور نہ آپ کے خلاف زہر چکانی

کرنے والا یہی قبیلہ تھا۔ خدا کی قدرت کی بوالعجبی دیکھئے کہ آج وہی قبیلہ باصد عجز و نیاز خدمت اقدس میں حاضر ہے۔ اور خادمِ اسلام بننے کے لئے مضطرب و بیقرار، نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے مسرت کے ساتھ ان کا خیر مقدم کیا اور اُن سے اسلام کی بیعت لی۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی اِحْسَانِہٖ

بدوی قبائل

بدوی قبائل میں سے غسّان، بنی عبس، نخع اور دیگر قبائل نے حاضر ہو کر دستِ مبارک پر اسلام قبول کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان قبائل کو بہت عزت واحترام کے ساتھ مہمان بنایا۔ اور خُلقِ کریم کے ساتھ پیش آئے۔ یہ قبائل بھی دینی خصائل میں بدوی ہونے کے باوجود نرم خو، حلیم، اور سنجیدہ سمجھے جاتے تھے۔ اور قبولِ اسلام میں بھی اُنھوں نے بہت زیادہ حوصلہ مندی اور وسعتِ قلبی کا ثبوت دیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اسلامی احکام سمجھائے، حسنِ سلوک اور باہمی اخوت کی تعلیم فرمائی اور بہت اعزاز کے ساتھ اُن کو رخصت کیا۔

حضرت ابراہیمؑ کی وفات

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ فرزند حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن سے

---

۵۱ ذی الحجہ ۸ھ مطابق اپریل ۶۳۰ء میں پیدا ہوئے اور ربیع الاول ۱۰ھ مطابق جون ۶۳۲ء میں انتقال ہوا۔ جب یہ پیدا ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتویں روز عقیقہ کیا اور سر کے بال اُترنا کر ان کے برابر چاندی مساکین پر خیرات کی اور بالوں کو زمین میں دفن کر دیا حضرت ابو رافع کی بی بی سلمی نے دایہ کی خدمت انجام دی اور حضرت ابراہیم جب پیدا ہوئے تو اپنے شوہر کو اطلاع دی۔ ابو رافع نے یہ پیغام بشارت خدمتِ اقدس میں پہنچایا۔ اور اس مسرت میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اُن کو ایک غلام ہبہ کیا اور ام بردہ بنت منذر بن زید زوجہ براء بن اوس بن خالد انصاریہ نے دودھ پلایا۔

پیدا ہوئے تھے سولہ ماہ زندہ رہکر دنیا کو خیر باد کہا۔ سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو ان کے انتقال کا بے حد صدمہ ہوا۔ جس وقت حضرت ابراہیم کا دمِ واپسیں تھا تو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے سہارے حجرۂ مبارک میں تشریف لائے اور فرمایا اِنَّ الْعَیْنَ تَدْمَعُ وَالْقَلْبُ یَحْزَنُ وَلَا نَقُوْلُ اِلَّا بِمَا یَرْضٰی رَبُّنَا وَاِنَّا بِفِرَاقِكَ یَا اِبْرَاهِیْمُ لَمَحْزُوْنُوْنَ۔ (آنکھ آنسو بہاتی ہے، دل غمگین ہے اور ہم خدا کی مشیت پر ہر طرح راضی ہیں۔ ہاں اے ابراہیم تیری جدائی سے ہمارا دل غمگین ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف چونکہ زبانِ مبارک سے میت پر نوحہ کرنے کی سخت ممانعت سُن چکے تھے تو اُن کو آپ کے آنسو بھی تعجب معلوم ہوئے پوچھا یا رسول اللہ آپ بھی؟

فرمایا اے عبدالرحمٰن یہ رحمت ہے جس شخص کے دل میں دردِ رحم نہیں وہ بھی خدا کی رحمت سے دور ہے۔ ممانعت نوحہ کی ہے نہ کہ اظہار دردِ غم کی۔

سورج گرہن اور خطبۂ نبیؐ

قدرتِ الٰہی کہ جس روز حضرت ابراہیم کا انتقال ہوا اسی روز سورج گرہن ہوا۔ آپ نے صحابہ سے دریافت کیا کہ زمانۂ جاہلیت میں اس کے متعلق تمہارا کیا خیال تھا اُنھوں نے عرض کیا کہ ہمارا عقیدہ تھا کہ سورج گرہن کسی بڑے آدمی کی موت یا کسی حکومت کی تباہی یا کسی بڑے آدمی کی پیدائش پر ہوا کرتا ہے۔ اسی وجہ سے ہمارا خیال ہے کہ ابراہیمؑ

کی وفات کی وجہ سے یہ صورت پیش آئی۔ آپ مسجدِ نبوی میں تشریف لائے اور مدینہ کے گلی کوچوں میں منادی کرادی۔ اَلصَّلٰوۃُ جَامِعَۃٌ (نماز کے لئے چلو تیار ہے) تمام صحابہ مسجدِ نبوی میں جمع ہوگئے۔ آپ نے اول دو رکعت نماز ادا کی اور جب سورج روشن ہوگیا تو منبر پر خطبہ دیا۔ ارشاد فرمایا کہ سورج گرہن خدا کی قدرتِ کاملہ کا ایک نمونہ ہے یہ نہ کسی کی موت پر گرہن ہوتا ہے اور نہ کسی کی پیدائش پر، یہ خیال محض غلط ہے۔ جب سورج گرہن ہو تو اسی طرح عبادت کیا کرو اور خیرات و صدقات بھی دیا کرو۔

۱۱ھ

مصیبتِ کُبرٰے

اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّیِّتُوْنَ (زمر)

آپ کو بھی مرنا ہے اور انکو بھی مرنا ہے

یہی وہ سال ہے جس میں تاریخِ اسلام میں وہ انقلابِ عظیم آیا اور مسلمانوں کو اُس مصیبتِ کُبرٰے سے واسطہ پڑا کہ اگر پہاڑ اور زمین و آسمان پر اُس کا ہزارواں حصّہ بھی پڑ جائے تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہوجائیں آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہو کر ہوا کے ذرات میں فنا ہو جائے اور زمین کا ذرّہ ذرّہ فضا میں اُڑ کر لاشئی بن جائے۔ وفاتِ خاتم النبیین کا صدمہ ایسا نہ تھا کہ صرف انسانی دنیا ہی اس سے متاثر ہوتی یہ وہ صدمہ تھا

جس کو شجر و حجر نے زمین و آسمان نے جن و انس نے اور فرشتوں اور عرش رحمٰن نے سب ہی نے محسوس کیا۔ لیکن اس مصیبتِ کبرےٰ میں مسلمانوں کے لئے بہت بڑی عبرت بھی تھی اور عظیم الشان تسکین و تسلّی بھی۔ ایک طرف اگر ان کی نگاہ میں یہ تھا کہ کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَۃُ الْمَوْتِ کے حکم سے نبی اور پیغمبر بھی نہیں بچ سکتے تو دوسری طرف صدیقِ اکبرؓ کے وہ دل ہلا دینے والی پکار، اور ایمان پرور آواز بھی تھی کہ لوگو جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پوجا کرتے تھے وہ سمجھ لیں کہ اِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ[1] اور جو خدا کے پرستار ہیں اور نبی کو صرف نبی جانتے ہیں وہ بیدار ہوں کہ اِنَّ اللّٰہَ حَیٌّ لَا یَمُوْتُ[2]

غرض مسلمان اس دہشتِ عظمیٰ میں سنبھلے اور خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دین پر مضبوطی سے قائم ہو گئے جس کو قرآن عزیز نے وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا[3] کہہ کر سمجھایا تھا اور اسی طرح خود بھی سنبھلے اور کروڑوں ڈوبتے ہوؤں کو بھی سنبھالا اور اپنے پیغمبر کے غیر فانی معجزہ "کلامِ الٰہی" کی روشنی میں محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کو مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک پھیلا دیا اور پھیلا رہے ہیں۔

خلاصہ

سنہ ہجری۔ اس سال نجران کے ایک قبیلہ بنی عبدالمدان نے حاضر خدمت ہو کر اسلام قبول کیا۔ اسی سال نجران کے عیسائیوں کا دوسرا وفد آیا۔

---

[1] بیشک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی ۱۲ [2] یقیناً اللہ تعالیٰ حی قیوم ہو موت سے پاک ہے
[3] سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑو ۱۲

اس وفد نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عیسٰی علیہ السلام کے متعلق مناظرہ کیا۔ وفد کا دعویٰ تھا کہ عیسٰی خدا کے بیٹے ہیں۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اول دلائل سے اس کی تردید کی اس کے بعد ان کی کج بحثی کو دیکھ کر بحکمِ خدا مباہلہ کی دعوت دی۔ مباہلہ کے معنے خدا کے سامنے عاجزی کے ساتھ دعا مانگنے کے ہیں اس دعا کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ فریقین میں سے جو کاذب ہو اس پر خدا کی لعنت اور اس کا عذاب نازل ہو

نصارے نجران آپ کی صداقت سے مرعوب ہوگئے۔ اور مباہلہ سے انکار کرتے ہوئے جزیہ دینا قبول کر لیا۔ یہ سال عام الوفود کہلاتا ہے اس لئے کہ ہجرت کے بعد سب سے زیادہ اسی سال میں مختلف قبائل کے وفود حاضرِ خدمت ہوکر مشرف باسلام ہوئے۔ اس سلسلہ میں حسب ذیل وفود خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔

وفدِ ضمام۔ وفدِ عبد القیس۔ وفدِ طیٔ۔ وفدِ کندہ۔ وفدِ بنی حنیفہ وفدِ حمیر۔ وفدِ ہمدان۔ وفدِ تجیب۔ وفدِ ثعلبہ۔ وفدِ بنی سعد۔ وفدِ بنی فزارہ۔ وفدِ بنی اسد۔ وفدِ بنی عذرہ۔ وفدِ بلیّ۔ وفدِ بنی مُرّہ۔ وفدِ بنی خلان، وفدِ بنی محارب۔ وفدِ غسّان۔ وفدِ بنی عبس وفدِ نخع۔

ان وفود میں مُسیلمہ اور طلیحہ (اسود عنسی صاحبِ صنعار) دو مشہور جھوٹے مدعیانِ نبوت بھی حاضر ہوئے ہیں۔ اور آپ نے ان کے متعلق پیش گوئی کی کہ وہ دونوں ذلیل و خوار ہوکر مارے جائیں گے۔ خلافتِ صدیقِ اکبرؓ میں یہ پیشگوئی حرف بحرف صحیح ثابت ہوئی۔

اسی سال حضرت ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا اور اسی روز سورج گرہن ہوا۔ آپ نے خطبہ دیا اور دو رکعت نماز پڑھی خطبہ میں مسلمانوں کو تعلیم دی کہ گرہن کسی کی موت و پیدائش سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ یہ خدا کی قدرتِ کاملہ کا ایک نمونہ ہے۔ سنہ ۱۱ھ سال وفات اس لئے کہلاتا ہے کہ اسی سال ۹ ربیع الاول کو آفتاب رسالت نے دنیا کو اپنی ظاہری روشنی سے محروم کر دیا۔

سوالات

(۱) عبد المدان کب مسلمان ہوئے؟

(۲) نجران کے نصاریٰ کا وفد مدینہ کب پہنچا۔ اور اُن کے ساتھ کیا معاملہ پیش آیا

(۳) یہ سال عام الوفود کس لئے کہلاتا ہے؟

(۴) مسیلمہ اور اسود عنسی کے ساتھ آپ نے کیا گفتگو فرمائی؟

(۵) حضرت ابراہیم کا انتقال کس سال ہوا؟ اور حضرت ابراہیم کس کے بطن سے پیدا ہوئے؟ اُن کی عمر کس قدر ہوئی؟

(۶) سورج گرہن میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے کیا خطبہ دیا؟

(۷) سنہ ۱۱ھ میں تاریخ اسلامی میں کیا انقلاب ہوا؟

(۱۳۰)

خاندانِ نبوّت

اولادِ طیّبات

اِنِّیْ تَارِکٌ فِیْکُمُ الثَّقَلَیْنِ کِتَابُ اللّٰہِ (الی قولہ) وَاَھْلُ بَیْتِیْ

میں تم میں دو بڑی چیزیں چھوڑتا ہوں اللہ کی کتاب اور اہل بیت

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے تین صاحبزادے پیدا ہوئے اور چار صاحبزادیاں۔ حضرت ابراہیمؑ کے علاوہ تمام اولاد حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے بطن سے پیدا ہوئی۔

آپ کی اولادِ طیّبات میں سب سے بڑے حضرتِ قاسمؓ تھے اُن سے چھوٹی حضرت زینبؓ[1] اُن سے چھوٹی حضرتِ رقیہؓ[2] اُن سے چھوٹی حضرتِ فاطمہؓ اور اُن سے چھوٹی حضرتِ امّ کلثومؓ[3] تھیں۔ آپ کی

---

[1] بعض کہتے ہیں کہ حضرت زینبؓ سب سے بڑی تھیں۔ حضرت فاطمہ کے سوا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی صاحبزادی سے اولاد کا سلسلہ جاری نہیں رہا۔ اس لئے کہ حضرت زینب کے ایک لڑکا پیدا ہوا عبداللہ بچپن ہی میں اس کا انتقال ہوگیا ایک لڑکی امامہ پیدا ہوئیں جن کا حضرت فاطمہؓ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نکاح ہوا اور حضرت علیؓ کے بعد مغیرہ بن نوفل کے نکاح میں آئیں مگر دونوں سے اولاد نہ ہوئی۔ حضرت امّ کلثوم کے بھی کوئی اولاد نہوئی حضرت رقیہ کے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا بچپن ہی میں انتقال ہوگیا۔

[2] غزوۂ بدر ۲ھ کے زمانہ میں انتقال ہوا۔ [3] ۹ھ میں انتقال ہوا۔

تمام اولاد نبوۃ سے قبل پیدا ہوئی۔ اور نبوت کے بعد مکۂ معظمہ میں حضرت عبد اللہؓ پیدا ہوئے۔ ان کے دو لقب تھے، طیّب، اور طاہر، اور سب سے آخر اور سب سے چھوٹے حضرت ابراہیم تھے۔ جو ہجرتِ مدینہ کے بعد حضرت ماریہؓ کے بطن سے پیدا ہوئے۔ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کا حال پہلے بیان ہو چکا ہے۔

حضرتِ قاسم اور حضرتِ عبد اللہ کا صغر سنی ہی میں مکۂ معظمہ میں انتقال ہو گیا۔ حضرت قاسم نے صرف دو سال کی عمر پائی۔ اور حضرت عبد اللہ نے اس سے بھی کم۔

جب آپ کے دونوں صاحبزادوں کا انتقال ہو گیا تو زعمائے قریش میں سے عاص بن دائل سہمی نے آپ کو طعنہ دیا کہ محمدؐ ابتر ہو گیا (العیاذ باللہ) عرب میں ابتر اس شخص کو کہتے تھے جس کی پسری اولاد باقی نہ رہے کہ جس سے سلسلۂ نسب چل سکے۔ اس طعنہ سے مقصود آپ کی ہجو کرنا اور آپ کو عار دلانا تھا۔ خدائے تعالےٰ نے ایسے بدگو اور موذی رسول کے رد میں سورۂ کوثر نازل فرمائی جس میں پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کی جلالتِ قدر اور علوِ مرتبت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ یعنے آپ کا عیب لگانے والا ہی ابتر (منقطع النسل) ہے۔ اور انجامِ کار یہی ہوا کہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کی روحانی اولاد آج تک ذرّاتِ زمین کی طرح بے شمار باقی ہے اور قیامت تک باقی رہے گی۔ اور حضرات حسنینؓ کے صلب سے جسمانی اولاد کا سلسلہ بھی قیامت تک باقی ہے

لیکن عاص[1] بن وائل دنیا سے ابتر ہی ہو کر گیا جس کی حرمان نصیبی اور بدبختی پر آنسو بہانے والا ایک متنفس بھی نہ نکلا۔

گذشتہ اوراق میں معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت زینبؓ کی شادی ابو العاص بن الربیع قرشی سے ہوئی تھی اور حضرت رقیہ اور ام کلثوم حضرت عثمان ذی النورین کے عقد میں یکے بعد دیگرے آئیں۔ اور حضرت فاطمہ کا عقد حضرت علیؓ بن ابی طالب سے ہوا۔ ان چاروں صاحبزادیوں میں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت صرف حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حیات تھیں۔ حضرت ابراہیم کا حال بھی گذشتہ اوراق میں گذر چکا ہے۔ حضرت ام کلثوم کا پہلا عقد "ابو لہب" مشہور دشمن اسلام کے بیٹے عُتیبہ سے ہوا۔ اور حضرت رقیہ کا عقد عُتبہ سے ہوا۔ جب خدا نے آپ کو شرف نبوت بخشا تو ابولہب نے حسد کی وجہ سے اپنے دونوں بیٹوں کو مجبور کیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں کو طلاق دیدیں۔ عتیبہ[2] و عتبہ[3] نے بعد

---

[1] عاص کے بیٹے حضرت عمرو باپ کے دین پر لعنت بھیجکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی اولاد میں شامل ہو گئے۔ اور کفر و شرک کی برادری کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہدیا ۱۲

[2] عتیبہ نے رخصتی سے قبل ہی حضرت ام کلثوم کو طلاق دیدی تھی ۱۲

[3] عتبہ نے جب حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت رقیہ کو طلاق دیدی تو آپ نے اس کیلئے بددعا فرمائی "اے خدا تو اپنے کتوں میں سے کوئی کتا اس پر مقرر فرما دے" عتبہ ایک مرتبہ سفر میں گیا ہوا تھا راستہ میں ایک شیر نے آ دبوچا اور ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔

طلاق دیدی تو اُس کے بعد اوّل حضرت رقیہ اور ان کے انتقال کے بعد
حضرت ام کلثوم کا خلیفہ ثالث کے ساتھ عقد ہوا۔

آپ کے چچا

فَاِنَّمَا عَمُّ الرَّجُلِ صِنْوُ اَبِیْہِ (الحدیث)

بیشک چچا باپ کے برابر ہے مرتبہ میں

امام نووی نے اپنی کتاب تہذیب الاسماء میں آپ کے چچا کے نام ۱۲
بیان کئے ہیں۔ حارث۔ قثم۔ زبیر۔ حمزہ۔ عباس۔ ابوطالب۔ ابولہب
عبد الکعبہ۔ حجل۔ ضرار۔ غنداق۔ ان گیارہ میں سے صرف دو چچا حضرت
حمزہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما مشرف باسلام ہوئے۔

پھوپھیاں

عاتکہ۔ امیمہ۔ بیضاء برّہ۔ اروی۔ صفیہ۔ صرف حضرت زبیر بن
العوام کی والدہ حضرت صفیہؓ نے اسلام قبول کیا۔

دودھ پلائی

حلیمہ سعدیہ۔ ثوبیہ۔ یہ ابولہب کی باندی تھی۔ ثوبیہ نے ابولہب کو
جب اُس کے بھتیجا ہونے کی بشارت دی تو ابولہب نے اُس کو آزاد
کرکے آپ کے دودھ پلانے کے لئے مقرر کردیا۔ یہ دونوں مشرف باسلام
ہوئیں اور ام ایمن حبشیہ جو حضرت زبیر کی بی بی تھیں آپکی دایہ تھیں۔

رضاعی بھائی بہن

حضرت حمزہ آپ کے چچا۔ ابوسلمہ بسر برّہ۔ بنت عبد المطلب اور

حضرت حلیمہ سعدیہ کی اولاد۔ آپ کے رضاعی بھائی بہن ہیں۔

موالی

اِنَّ مَوَالِیَ الْقَوْمِ مِنْ اَنْفُسِہِمْ (الحدیث) ترمذی

کسی قوم کے آزاد کردہ غلام اُنہی میں سے ہیں

وہ غلام جن کو آقا آزاد کر دے اُس کے موالی کہلاتے ہیں، آپ کے موالی کے اسمار گرامی یہ ہیں۔

زید بن حارثہؓ۔ یہ حضرت خدیجہؓ کے غلام تھے۔ حضرت خدیجہؓ نے آپ کو ہدیہ کر دیا تھا۔ اور آپ نے اُن کو آزاد کر کے بیٹے کی طرح پرورش کیا۔

اسامہ بن زید۔ ابوکبشہ۔ شقرانِ حبشی۔ رباح حبشی۔ یسار یہ اونٹ چرایا کرتے تھے۔ قبیلہ عرینہ کے آدمیوں نے ان کو مار ڈالا۔

مدعم حبشی۔ ابورافع قبطی۔ ان کو حضرت عباسؓ نے آپ کو ہدیہ کر دیا تھا۔

رفاعہ بن زید۔ سفینہ۔ بابور۔ ان کو مقوقس بادشاہ نے حضرت ماریہ قبطیہ کے ساتھ بطور ہدیہ آپ کی خدمت میں بھیجا تھا۔ یہ خواجہ سرا تھے۔

واقد۔ انجشہ یہ خوش آواز اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حُدی خوان تھے۔

حضرت سلمان فارسی یہ فارس کے شاہی خاندان یا دہاں کے مغ (سردارِ آتشکدہ) کے صاحبزادے تھے۔ دینِ حق کی تلاش میں گھر سے نکلے۔ اور عیسائیوں اور پادریوں سے نبی آخر الزماں کی بشارت سن کر

مدینہ کا قصد کیا راستہ میں گرفتار ہو کر یہود کے ہاتھ فروخت ہوئے اور جب آپ ہجرت کر کے مدینہ میں رونق افروز ہوئے تو سلمان نے حاضر ہو کر اپنی تمام داستان سنائی۔ آپ نے یہود سے خرید کر ان کو آزاد کر دیا۔ اور خوبی قسمت سے اس طرح جلیل القدر صحابہ کی فہرست میں شامل ہوئے۔ شمعون۔ ابو بکرہ یہ سب حضرات صحابہ ہیں اور مسلمانوں کے سرتاج۔ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

اسلام ہی وہ پہلا مذہب ہے جس نے غلامی کی تباہ کاریوں کا انسداد اور اس کے مظالم کا خاتمہ کیا۔ اور خود غلاموں کے آزاد کرنے کی بہترین رسم قائم کر کے اس کی اصلاح میں اُس وقت پہلا قدم اُٹھایا جب روم۔ چین۔ ہند غرض مشرق و مغرب میں غلامی کی رسم زوروں پر تھی اور غلام کی حیثیت ایک حیوان جیسی بھی نہ سمجھی جاتی تھی۔ یورپ تو اُس وقت تہذیب کے نام سے بھی آشنا نہ تھا۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ معمولی سے معمولی خطا پر بھی مسلمانوں کو ترغیب دی جا رہی ہے۔ کہ وہ اپنے کفارہ میں غلام اور باندی آزاد کریں۔ یہ اسلام ہی کی خصوصیت ہے کہ غلاموں نے آقاؤں کی جگہ لی اور اپنے اپنے زمانوں میں تمام دنیائے اسلام کے پیشوا کہلائے

مؤذن

اَلْاِمَامُ ضَامِنٌ وَالْمُؤَذِّنُ مُؤْتَمَنٌ (الحدیث)

امام ذمہ دار ہے اور مؤذن امانت دار ہے

زمانۂ نبوت میں جن کو اذان کی خدمت سپرد تھی اور جن کو مؤذنِ رسول اللہ کہلانے کا شرف حاصل ہوا۔ اُن کے نام یہ ہیں۔

بلال بن رباح۔ مدینہ میں اذان دیا کرتے تھے حبشہ کے باشندہ تھے اور ایک مشرک کے غلام بحالت غلامی خدائے واحد کے پرستار رہے اور مشقتیں جھیلیں، حضرت صدیقِ اکبرؓ نے یہ حال دیکھ کر ان کو خرید اور آزاد کر دیا۔ یہی وہ بلال ہیں جن کو حضرت عمرؓ نے اُمّت کا سردار کہہ کر پکارا۔ دمشق میں ۱۸ھ میں وفات پائی۔

ابنِ امّ مکتوم۔ یہ نابینا اور قدیم الاسلام صحابی تھے۔ انہی کے متعلق سورۂ عَبَس و تولّیٰ نازل ہوئی۔ یہ بھی مسجدِ نبوی میں اذان دیا کرتے تھے

ابو محذورہ مکہ معظمہ کے مؤذن تھے۔ جب یہ بچّے تھے تو ایک مرتبہ مؤذن اسلام کی آواز سن کر انہوں نے بھی نقل اُتارنی شروع کر دی۔ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کو ان کی یہ ادا پسند آئی۔ اور پاس بلا کر محبّت بھرے الفاظ میں ان کو اذان کے کلمات تلقین فرمائے۔ اور پھر مکہ معظمہ میں مسجدِ حرام کے مؤذن مقرر ہوئے۔

سعدِ قرظی مسجدِ قبا کے مؤذن تھے لیکن بعد وفات سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم جب حضرت بلالؓ نے اذان کہنا بند کر دی تو مسجدِ نبوی کے مؤذن مقرر کئے گئے۔

شعراء

جن بزرگوں نے اسلام اور پیغمبر اسلام کی حمایت میں مشرکین کا مقابلہ

اشعار سے کیا یا اُن کے مقررین کے جواب میں مقابلے کی تقریریں کیں، اُن کے اسمارِ گرامی یہ ہیں۔

حسّان بن ثابت رض۔ ان کے لئے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے منبر رکھوایا ہے۔ جس پر بیٹھ کر اُنھوں نے اسلام اور پیغمبر اسلام کی طرف سے کفار کی ہجو کے جوابات اشعار میں دیئے اور آپ نے اُن کے لئے یہ دعا فرمائی اَللّٰھُمَّ اَیِّدْہُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ[1]۔

کعب بن مالک انصاری۔ یہ وہی صحابی ہیں جو غزوۂ تبوک سے رہ گئے تھے اور معذرت کرنے پر چالیس دن کے بعد ان کی توبہ بحکم الٰہی مقبول ہوئی

عبداللہ بن رواحہ۔ یہ مشرکین کی اصنام پرستی اور عقیدۂ شرکیہ کی مذمّت میں اشعار کہا کرتے تھے۔

ثابت بن قیس بن شمّاس انصاری۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطیب تھے۔ نہایت فصیح و بلیغ تقریر کرتے تھے اور اسلام کی طرف سے کبھی کبھی مقابلین کا جواب دیتے (رضی اللہ عنہم)

کاتبین وحی

پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم پر جب قرآن نازل ہوتا تو آپ نے صحابہ کی جماعت میں سے ایک جماعت کو اس پر مامور کر دیا تھا کہ وہ آپ سے نقل کر لیا کریں۔ نیز وحی کے علاوہ اگر آپ کو خط و کتابت کی ضرورت پیش آتی تو انہیں صحابہ کو یہ خدمت بھی سپرد تھی کہ وہ آپ کی طرف سے

---

[1] اے اللہ جبریل امین کے ذریعہ اس کی تائید کر۱۲

خطوط لکھیں یا خطوط کا جواب دیں۔ اس جماعت میں بڑے بڑے صحابہ داخل تھے۔ جن کے اسمار گرامی کی فہرست ہی دیجا سکتی ہے یہ مفصل حالات کا یہ موقع نہیں۔

ابو بکر صدیق رضؓ۔ عمر بن الخطاب رضؓ۔ عثمان بن عفان رضؓ۔ علی بن ابی طالب رضؓ طلحہ بن عبید اللہ رضؓ۔ زبیر بن العوام۔ سعد بن ابی وقاص۔ عامر بن فہیرہ۔ ثابت بن قیس۔ خالد بن سعید بن العاص۔ ابان بن سعید بن العاص حنظلہ ابن الربیع۔ زید بن ثابت۔ علار بن الحضرمی۔ خالد بن الولید۔ محمد بن مسلمہ عبد اللہ بن رواحہ۔ مُغیرہ بن شعبہ۔ عمرو بن العاص۔ ابو سفیان۔ معاویہ ابن ابی سفیان۔ حُذیفہ بن الیمان۔ مُعیقب دوسی۔ حُویطب بن عبد العزیٰ ابیّ بن کعب۔ عبد اللہ بن ابی السرح (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین)

سُفرا،

پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہانِ عرب وعجم کے نام دعوتِ اسلام کے لئے نامجات روانہ فرمائے۔ اسی طرح آپ اکثر تبلیغ اسلام اور دیگر ضروریاتِ مذہب کے لئے مختلف ممالک و مختلف قبائل میں سفرار روانہ فرمایا کرتے تھے۔ جن حضرات صحابہ نے اس خدمت کو انجام دیا اُن کے اسمار گرامی یہ ہیں۔

عمرو بن امیہ ضمری۔ دِحیہ بن خلیفہ کلبی۔ عبد اللہ بن حُذافہ سہمی، حاطب بن ابی بلتعہ۔ شجاع بن وہب۔ سلیط بن عمرو عامری۔ علار بن الحضرمی جریر بن عبد اللہ بجلی۔ مہاجر بن اُمیّہ برادر حضرت ام سلمہ۔ عمرو بن العاص فاتح مصر

عروہ ابن مسعود ثقفی - ابو موسیٰ اشعری - معاذ بن جبل انصاری - عُیَینَہ بن حصن فزاری - بُریدہ - عبادبن بشر - رافع بن مکیث - ضحاک بن سفیان - بشر بن سفیان - عبداللہ بن نتبیہ - (رضوان اللہ علیہم اجمعین)

خُدّام

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ (احزاب)

نبی سے لگاؤ ہے ایمان والوں کو زیادہ اپنی جان سے

پیغمبر اسلامؐ (فداہ ابی وامی) نے کبھی خود کسی سے اپنا کام نہیں کرایا ہمیشہ آپ کی خواہش یہی رہی کہ آپ اپنا تمام کام اپنے ہاتھ سے انجام دیں اور اکثر یہی کیا بھی - تاہم بعض صحابہؓ اور اُن کی اولاد نے اپنی سعادت میں اضافہ کرنے کے لئے بطور خود آپ کی خدمت کا شرف حاصل کیا - اُن کے اسمار گرامی یہ ہیں -

انس بن مالک انصاری - دس سال کی عمر میں ان کی والدہ ماجدہ نے آپ کی خدمت میں بھیجا - حضرت انس فرماتے ہیں کہ مجھے کبھی یاد نہیں کہ آپ نے کسی کام کے کرنے کا حکم دیا ہو یا کسی کام کے نہ کرنے پر اظہار ناراضی فرمایا ہو -

عبداللہ بن مسعود صاحب نعلین - وعصٰا و مسواک و متکاؔ جلیل القدر صحابی ہیں - مجلس میں آپ کے نعلین اور عصا وغیرہ کی حفاظت کیا کرتے اور سفر میں اکثر وضو کرانے میں مدد دیتے -

---

لہ لاٹھی ۱۲ ؎ سہارا لگانے کی لکڑی ۱۲

ربیعہ بن کعب اسلمی۔ ایمن بن ام ایمن۔ عقبہ بن عامر۔ اسلع بن شریک سعد مولی حضرت صدیق۔ ابو ذر غفاری۔ مہاجر مولی ام سلمہ حبشی۔ نعیم بن ربیعہ۔ ابو الحمیراء ہلال بن الحارث۔ ابو السمح (رضی اللہ عنہم)

سواریاں

سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِيْنَ (زخرف)

پاک ہے وہ ذات جس نے مسخر کیا ہمارے لئے ان کو اور ہم ایسے نہ تھے کہ انکو بالتو کر لیتے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑے پر بھی سواری کی ہے خچر اور اونٹ پر بھی، گاہے گاہے خچر اور خر پر بھی اس لئے سوار ہوتے کہ قلب میں کبر کا کوئی شائبہ بھی نہ آنے پائے اور ایک بادشاہِ دنیا اور رسولِ خدا کے اخلاق واعمال میں ظاہری طور پر بھی کسی قسم کا شبہ باقی نہ رہے۔ نیز اُمّت کو یہ بتانا تھا کہ جاہ طلبی اور خود پسندی کے اسباب سے حتی الامکان اپنے آپ کو بچانا چاہئے جن گھوڑوں اور اونٹوں پر آپ نے سواری کی ہے اُن کی تعداد بہت ہے۔ مگر گھوڑوں میں سکب۔ اعز مجل۔ لزاز اور بحر بہت مشہور ہیں۔ بحر نے اکثر گھوڑ دوڑ میں بارہا مسابقت[1] کی، اور اونٹوں میں قصنہ۔ یعفور اور قصوار مشہور ہیں۔ قصوار کو عضبار اور جدیمار بھی کہتے ہیں۔ آپ کی مشہور تلوار کا نام ذوالفقار تھا جس کو آپ نے حضرت علی کو ہدیہ کر دیا تھا۔

---

[1] مسابقت گھوڑ دوڑ میں آگے ہو جانا۔

خلاصہ

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے تین صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں تھیں۔ حضرت ابراھیم ماریہ قبطیہ کے بطن سے اور باقی تمام اولاد حضرت خدیجہ رضؓ کے بطن سے تولد ہوئی۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے حقیقی و سوتیلے گیارہ چچا تھے جن میں سے صرف حضرت عباسؓ اور حضرت حمزہؓ مشرف باسلام ہوئے حضورؐ کی چھ پھوپھیاں تھیں جن میں سے صرف حضرت صفیہ مسلمان ہوئیں

آپ کی دایہ کا نام امّ امین تھا۔ اور آپ کی دودھ پلانے والی حضرت حلیمہ اور ثوئبیہ تھیں۔ آپ کے آزاد شدہ غلام بہت تھے جن میں سے حضرت سلمانؓ فارسی، حضرت زیدؓ۔ اور اُن کے بیٹے اُسامہ، شقران یسار۔ بہت مشہور رہیں۔

آپؐ کے مؤذنوں کے نام بلالؓ۔ ابن ام مکتوم۔ ابو محذورہ اور سعد تھے آپؐ کے شعرا میں سے حضرت حسّان بن ثابت بہت مشہور رہیں۔

کاتبینِ وحی میں سے خلفاء اربعہ، حضرت زید بن ثابت۔ زبیر بن العوام، سعد بن ابی وقاص، عمرو بن العاص۔ امیر معاویہ۔ خالد بن ولید مغیرہ بن شعبہ، علاء بن الحضرمی۔ حُذیفہ بن الیمان بہت مشہور رہیں۔

آپ کے سفراء میں سے حضرت دِحیہ کلبی۔ حاطِب بن ابی بلتعہ عمرو ابن اُمیہ ضمری۔ معاذ بن جبل۔ عمرو بن العاص۔ جریر بن عبداللہ۔ ابوموسیٰ اشعری بہت مشہور رہیں۔

خدّام میں سے حضرت انسؓ۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بہت زیادہ مشہور ہیں۔ (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین)

سواریوں میں سے آپ کو دُلدُل گھوڑا۔ اور قصواء اونٹنی بہت پسند تھے۔

سوالات

(۱) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادوں اور صاحبزادیوں کا مختصر حال بیان کرو

(۲) آپ کے چچا میں سے چند مشاہیر کے نام لو اور بتاؤ کہ ان میں کون کون مسلمان تھے۔

(۳) آپ کی پھوپھیوں میں سے کس نے اسلام قبول کیا؟

(۴) آپ کی رضاعی والدہ کا نام بتاؤ؟

(۵) آپ کے موالی میں سے مشہور کے نام گناؤ۔

(۶) آپ کے مؤذنوں کا نام بتاؤ؟

(۷) شعراء و سفراء میں سے بعض کے نام بتاؤ۔

(۸) آپ کے خدام میں سے بعض کا نام لو؛

(۹) آپ کو اپنی سواریوں میں سے جو پسند تھیں اُن کا نام بتاؤ۔

(۱۴)

ازواج مطہرات

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا (احزاب)

اے نبی کے گھر والو اللہ یہی چاہتا ہے کہ دور کرے تم سے گندی باتیں اور ستھرا کر دے تمکو ایک ستھرائی سے

گذشتہ اوراق میں مختلف طریقہ سے ازواجِ مطہرات کا ذکر آچکا ہے۔ مناسب ہے کہ یہاں یہ بھی بیان کر دیا جائے کہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کو تعدد ازدواج کی ضرورت کس لئے پیش آئی اس وقت ہم کو نفسِ مسئلہ کے جواز وعدم جواز سے بحث نہیں اگرچہ ہم جانتے ہیں کہ دنیا کا کوئی مذہب ایسا نہیں کہ جس نے تعدادِ ازدواج کی اجازت نہ دی ہو یا کوئی ملک اور کوئی قوم اس پر عمل کرنے سے خالی رہی ہو۔

سرِ دست ہم اس سے قطع نظر کر کے صرف ازواجِ نبی کے متعلق بہت مختصر مگر شافی لکھنا چاہتے ہیں (کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارک سے اس مسئلہ کا کیا تعلق ہے آیا آپ کا یہ عمل (نعوذ باللہ) عیش پرستی پر مبنی تھا یا خالص اصلاحی ضروریات پر) تاکہ جو شکوک قصداً یا بلا قصد اس مسئلہ کے متعلق پیدا کئے گئے ہیں اور غلط طریقے سے اُن کی اشاعت کی گئی ہے اُن کی اصلِ حقیقت سامنے آجائے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کے اسمار گرامی یہ ہیں۔ خدیجہ بنتِ خویلد۔ سودہ بنتِ زمعہ۔ عائشہ بنتِ ابی بکر۔ حفصہ بنتِ عمر بن

الخطاب۔ زینبؓ بنتِ خزیمہ۔ امّ سلمہ۔ زینبؓ بنتِ جحش۔ جویریہؓ۔ ام حبیبہؓ
صفیہؓ بنتِ حیی بن اخطب۔ میمونہؓ بنت الحارث۔

ان میں سے حضرت خدیجہ اور حضرت زینب بنت خزیمہ کا آپ کے زمانۂ حیات میں انتقال ہوگیا۔ اور باقی امہات المؤمنین آپ کی وفات کے وقت حیات تھیں۔

تعددِ ازدواجِ نبیؐ

اس بات میں تمام عقلائے زمانہ متفق ہیں کہ اگر کسی ذات یا کسی ہستی پر کوئی شبہ کیا جائے تو ضروری ہے کہ پہلے یہ غور کرلیا جائے کہ ہم جس شخص کی زندگی پر کوئی شبہ کر رہے ہیں کیا اس کی زندگی و حیات کا کوئی لمحہ بھی ان اعتراضات و شبہات کی گنجائش رکھتا ہے؟ اگر انصاف اس کی اجازت دے تو پھر شک و شبہ کرنا کوئی عیب نہیں اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر متعصب بنکر اعتراض کرنا نہ صرف انصاف کشی ہے بلکہ انسانیت کے بھی خلاف ہے۔

اس حقیقت پر نظر رکھ کر ہم کو دیکھنا چاہئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارک سے اس مسئلہ کا کیا تعلق ہے۔

بیشک اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اس کا ثبوت بہم پہنچائے کہ آپ کا یہ عمل (العیاذ باللہ) محض عیش پرستی کی خاطر تھا، یا آپ کی مقدس سیرۃ کا کوئی جزء بھی ہمارے سامنے موجود نہ ہو اور آپ کی تمام زندگی پردۂ تاریکی ہی میں رہی ہو تو یہ اعتراض حق بجانب ہو سکتا ہے لیکن خدا کا شکر ہے کہ ایسا نہیں ہے بلکہ اسی ایک پیغمبر کی یہ خصوصیت ہے کہ اس کی خلوت

وجلوت کی تمام زندگی کا ایک ایک حرف دنیا کے سامنے خود مسلمانوں نے جانکاہی کر کے اس طرح اصُولِ تاریخ کے ساتھ پیش کر دیا ہے جس کی نظیر دنیا میں ملنا مشکل نہیں بلکہ محال ہے۔[1]

پس آؤ ہم اس کی حیات پر غور کریں، اس کی سیرت کا مطالعہ کریں اور دیکھیں کہ اس کی زندگی کیا تھی اور کیسی تھی۔

جس ذاتِ اقدس کی معیشت کا یہ حال ہو کہ اُس نے اپنی ساری زندگی میں جَو کی روٹی پیٹ بھر کر نہ کھائی ہو[2] اور بعض اوقات اس کو بھوک کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھنے کی نوبت آئی ہو[3]۔ جس ہستی کی آسایشِ لیل و نہار کا یہ عالم ہو کہ اکثر اوقات ایک قمیص، ایک تہبند اور ایک عمامہ سے زیادہ اُس کے پاس کوئی کپڑا نہ ہو[4]۔ اور جس کے بستر راحت کی کل کائنات چمڑے کا ایک گدّہ ہو اور ایک تکیہ جس کے اندر کھجور کی چھال کوٹ کر بھر دی گئی ہو[5] اور جس ذات نے ایسے حجرے میں زندگی بسر کی ہو جس میں اکثر اوقات چراغ تک بھی میسّر نہ آتا ہو اور اُس کے طول و عرض کا یہ عالم ہو کہ انسانی قد سے بھی جس کی چھت بلند نہ ہو۔ جسپر کھجور کے پتے ڈھانک دیئے گئے ہوں اور جس کا صحن ایک فقیر کی جھونپڑی کے صحن سے زیادہ نہ ہو[6]۔ اور یہ سب کچھ اُس وقت ہو جبکہ وہ چاہے تو اپنے لئے سونے اور چاندی کے محل تیار کرا سکتا اور خدم و حشم کے جلو میں زندگی بسر کر سکتا ہے مگر وہ یہ ٹھکرا ن

---

[1] نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اقوال و افعال کو صحیح طور پر مرتب کرنے کیلئے "علمُ اسماء الرجال" کے موجد مسلمان ہی ہیں۔ اور اس علم کے ذریعہ آج محققین کھرے کھوٹے کی پہچان کرتے ہیں۔

[2] بخاری، ترمذی۔ ابوداؤد [3] ترمذی [4] ترمذی بخاری [5] بخاری [6] ترمذی، بخاری، مسلم ۱۲

سب پر لات مار دیتا ہے کہ میں اس کو پسند کرتا ہوں کہ ایک وقت بھوکا رہوں اور صبر کی حقیقت معلوم کروں۔ اور دوسرے وقت کچھ کھانے کو ملجائے تو شکر کی دولت سے بہرہ یاب ہوں" اور جس کے دن کے مشاغل کا یہ حال ہو کہ اکثر وقت تبلیغ اسلام، انسدادِ رسوم جاہلیہ۔ اُمت کی اصلاح قضایا کے فیصلے۔ میدانِ جہاد کی تیاری، اور پنجگانہ نماز میں گذرتا ہو۔ اور جس کی رات کا مستقل مشغلہ شب بیداری ہو کہ کبھی ساری ساری رات خدا کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑا ہے کہ جس کی بدولت قدمِ مبارک تک ورم کر آئے ہیں۔ اور کبھی ایک گھنٹہ سوتا ہے تو دوسرے گھنٹہ خدا کی درگاہ میں سربسجود رہتا ہے اور ساری رات اسی طرح پوری کر دیتا ہو[1] تو ایسی ہستی کی زندگی کو "عیش پسند زندگی" کہنا چاند پر خاک ڈالنا اور انصاف کا خون کرنا نہیں تو اور کیا ہے؟

کیا جس نے اپنی جوانی اور شباب کا بہترین حصہ یعنی پچیس سالہ زندگی کو محض تجرّد میں بسر کیا اور اس کے بعد اس کی سب سے اول شریک زندگی وہ عورت ہو جس کی عمر ۴۰ سال سے متجاوز ہو چکی، اور جو زمانہ شباب کو ختم کر چکی ہے۔ اور دو مرتبہ بیوگی کی زندگی کاٹ چکی ہے، تو کیا ایسی مقدس ہستی پر بھی کوئی حرف گیری کیجا سکتی ہے۔

پھر ذرا اس پر بھی کچھ غور کرو کہ جن عورتوں سے اُس نے نکاح کئے اُنکی خود اپنی حالت کیا ہے؟ نکاح کے وقت حضرت عائشہ صدیقہ کے

---

[1] بخاری، مسلم، ترمذی ۱۲

علاوہ تمام بیبیاں بیوہ، عمر کے اعتبار سے کوئی جوانی کو خیر باد کہہ رہی ہے اور کوئی بڑھاپے کی زندگی بسر کر رہی ہے۔ نہ صورت کا لحاظ نہ عمر کا اعتنا، اور یہ سب کچھ اس حالت میں ہے کہ اگر ایک وہ اشارہ کر دے تو بہتر سے بہتر حسین و جمیل کنواری لڑکیاں اس کے عقد میں آنا اپنے لئے فخر سمجھتیں اور اُن کے اہل خاندان اس کی تمنائیں کرتے ہیں۔

کیا تم اس واقعہ کو بھول گئے جبکہ مکّہ کے سرداروں نے ابوطالب کے واسطہ سے اس مقدس وجود سے کہا تھا کہ تیری خواہش اگر مال وزر کی ہو تو ہم لاکھوں درہم و دینار اسی وقت جمع کر دینے پر آمادہ ہیں اور اگر سرداری کی طلب ہے تو آج سارا قریش تجھے سردار مان لینے کو تیار ہے اور اگر عورت کی خواہش ہو تو ہاشمی و قریشی ہے جس قدر ہاشمی اور قریشی یا غیر قریشی خوبصورت اور حسین سے حسین لڑکیاں اپنے عقد میں لانا چاہے ہم سب پر آمادہ ہیں کہ اسی وقت تیری نظر انتخاب پر تیرے ساتھ ان کا عقد کر دیں لیکن تم نے سُنا کہ اُس نے کیا جواب دیا؟ اُس نے کہا کہ اے چچا اگر میرے ایک ہاتھ پر چاند اور دوسرے پر سورج بھی رکھ دیا جائے تو خدائے واحد کا جو پیغام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سپرد ہوا ہے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کو ترک نہیں کر سکتا۔ اور دنیا کی تمام آرائش وزیب و زینت کو حق کی اس پکار کے سامنے ہیچ سمجھتا ہے۔

تم نے دیکھا کہ اُس نے دنیا کی زیب وزینت اور اس کے طمطراق کو

کس طرح ایک جملہ لکھکر ٹھکرا دی اور ان کی درخواست کو درخورِ اعتنا بھی نہ سمجھا" تو کیا ایسے مقدس وجود کے متعلق بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ اُس نے ان بیوہ اور بوڑھی عورتوں سے اس لئے عقد کیا تھا کہ وہ دنیا کی عیش پرستیوں میں مشغول رہے؟ (العیاذ باللہ)

نہیں نہیں، اُس کی تاریخ و سیرت کا ایک ایک حرف اور ایک ایک نقطہ اس بات کا انکار کرتا ہے اور اُس کی معیشت اس کو جھٹلاتی ہے اور اس کا ہر ایک عمل اس کو رد کرتا ہے۔ پس اگر تیرہ روشنیٔ آفتاب پر خشک کرے تو آفتاب کا اس میں کیا قصور، جہالت کی تاریکی اگر ہزار بار بھی علم کی روشنی کو ماند کرنا چاہے تو نہیں کر سکتی۔ اور تعصب و ضلالت کی گھٹائیں اگر لاکھ مرتبہ بھی صداقت کے آفتاب پر پردہ ڈالیں تو نہیں ڈال سکتیں۔ یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِؤُا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاھِھِمْ وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْکَافِرُوْنَ [1]

اور اگر ہم اس مسئلہ کے اُن دقیق اسرار و حکمتوں سے بھی قطع نظر کرلیں جنکی رفعت و بلندی تک ہمارے عنقائے خیال کی پرواز ناممکن اور محال ہے تب بھی آپکی مقدس سیرت کے زرّیں اوراق ظاہر بیں نظر کے سامنے بھی اس حقیقت کو واضح اور ظاہر کر دیتے ہیں کہ تعددِ ازدواج نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) خالص مذہبی اور اصلاحی ضروریات پر مبنی تھا نہ کہ عیشِ دنیوی پر (العیاذ باللہ)

---

[1] وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں اور اللہ تعالیٰ اپنے نور (اسلام) کو کامل کرنے والا ہے اگرچہ کافروں کو کتنا ہی ناگوار گذرے ۱۲

اس لئے کہ ہر شخص جانتا ہے کہ پیغمبر کی رسالت مردوں اور عورتوں کے حق میں مساوی ہوتی ہے جس طرح ایک نبی اور رسول کی ہدایت کی ایک مرد کو ضرورت ہے اسی طرح ایک عورت کو بھی۔ لیکن جس طرح بعض مذہبی احکام میں مرد اور عورت یکساں ہیں۔ اسی طرح بعض مذہبی احکام وہ بھی ہیں جو خاص مردوں سے یا خاص عورتوں سے ہی متعلق ہیں اور ایک اجنبی مرد کا کسی عورت پر ان احکام کی صاف و صریح حقیقت کا اظہار کرنا حیاء و شرم کے خلاف ہوتا ہے مثلاً حیض و نفاس کے مسئلے، شوہر و بیوی کے باہمی زندگی سے متعلق احکام، کسی طرح بھی ایک مرد ایک عورت کے سامنے صراحت سے نہیں بیان کر سکتا۔

پس اگر آپ مختلف قبائل کی عورتوں سے تعلق ازدواج کی اس صورت کو اختیار نہ فرماتے تو عورتوں سے متعلق احکام کی تبلیغ کا بیشتر حصہ تشنہ رہجاتا اور ان مسائل کی عملی تفصیل و تشکیل کا پورا نقشہ کسی طرح ہمارے سامنے نہ آسکتا۔ اور ایسا نبی کسی طرح بھی اپنے دین کو دین کامل کہلانے کا حقدار نہیں ہو سکتا۔ اس کے علاوہ ازواج مطہرات سے عموماً اور حضرت عائشہ صدیقہ سے خصوصاً ازدواجی اور دوسرے مذہبی احکام جس میں کثرت سے آپ کی جلوت یعنی گھریلو زندگی کے ذریعہ امت تک پہنچے اور جن کو دیکھ کر ایک شخص مصلح[1] (ریفارمر) اور پیغمبر کی پیغمبرانہ

[1] عیسائیوں کی تبلیغ اور اسلامی تعلیم سے ناواقفیت کی بنا پر عام طریقہ سے وہ طبقہ جو اپنے زعم میں "روشن خیال" کہلاتا ہے۔ نبی کو صرف ایک مصلح یعنی ریفارمر سمجھتا ہے اور اس سے آگے نہیں کے طائر خیال کی پرواز نہیں ہے۔ اور یہ بہت بڑی غلطی بلکہ گمراہی ہے۔ (بقیہ ۲۸۰ پر دیکھو)

زندگی کے درمیان بخوبی امتیاز کرسکتا ہے یہ تعدد ازدواج کے بغیر اس جامعیت کے ساتھ حاصل نہ ہوسکتے۔

حضرت عائشہؓ کے بھائی عبدالرحمٰن اور بھانجے عبداللہ بن زبیر اور دوسرے جلیل القدر صحابہ نے اسی بنا پر امہات المومنین بالخصوص حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے زانوئے ادب طے کرکے ان انمول موتیوں کو چنا اور امتِ مرحومہ تک پہنچایا۔

پھر رسالت و نبوت کی تبلیغ کی بنیاد جس طرح روحانی اور ربانی تائید پر موقوف ہے اسی طرح اسکی تقویت کے لئے دنیوی اسباب و وسائل کی بھی حاجت پیش آتی ہے۔ خصوصاً جس پیغمبر کی بعثت کی بنیاد ہی خالص محبت و رحمت پر قائم ہو۔ تو ضروری تھا کہ اس کی تکمیل کے لئے ایسے وسائل اختیار کئے جائیں جن کی بدولت اس منشا میں روز افزوں اضافہ ہو اور یہ ظاہر ہے کہ ان اسباب میں سے زیادہ مفید اور قوی وہی تعلق ہے جو ددا جنبی

(بقیہ صفحہ گذشتہ) درحقیقت نبی کی شان ریفارمر سے بہت زیادہ بلند اور ارفع ہے۔ ایک ریفارمر خواہ اپنی شخصی زندگی میں کتنی ہی کمزوریاں رکھتا ہو اگر قوم کی کسی خاص یا عام خرابی کی اصلاح کر دیتا ہے تو وہ مصلح ریفارمر کہلانے کا مستحق ہے۔ اور اُس کا فریضہ یہیں ختم ہوجاتا ہے۔ لیکن نبی اُس ہستی کو کہتے ہیں جو انسان کی معاش و معاد یعنی دنیوی و دینی دونوں قسم کی زندگی کو بہتر بنانے کے لئے براہِ راست خدا سے احکام حاصل کرتی اور مخلوق و خالق کے درمیان واسطہ بنکر نیابتِ الٰہی کا فرض انجام دیتی ہے اس لئے ضروری ہے کہ اس کی خلوت و جلوت دونوں طرح کی زندگی ہر قسم کے نقص اور عیب سے پاک ہو اور اُس کی زندگی کا ایک شعبہ بھی جائے گرفت میں نہ آسکے۔ شریعت کی اصطلاح میں اسی کو عصمت کہا جاتا ہے اور اس لئے نبی کے لئے معصوم ہونا ضروری ہے ۱۲

خاندانوں میں ازدواجی تعلق کی بنیاد پر قائم ہوتا ہے۔ حمایت و نصرتِ حق کا جذبہ، محبت والفت کا جوش خود بخود اس سے پیدا ہو جاتا ہے۔ اور اشاعتِ دین و تبلیغِ مذہب کے لئے بغیر کسی جبر و اکراہ کے صرف اس ایک باہمی رشتہ سے وہ سب کچھ ممکن ہے جو بادشاہوں کی تلواروں کے سایہ میں بھی ممکن نہیں۔

کیا تم صرف اسی ایک واقعہ سے اس کا اندازہ نہیں کر سکتے؟ کہ جب غزوۂ بنی المصطلق پیش آیا اور مسلمانوں کی کامیابی کے بعد اسیرانِ جنگ میں حارث بن ضرار سردار بنی مصطلق کی بیٹی اسیر ہو کر آئیں تو صحابہؓ نے آپ کو مشورہ دیا کہ یہ ایک سردار کی بیٹی ہیں مناسب یہ ہے کہ انکو آزاد کر کے آپ عقد کر لیں ان کے ساتھ عام قیدیوں کی طرح برتاؤ کرنا مناسب نہیں آپ نے اس مشورہ پر عمل کیا۔[۱] مالِ غنیمت تقسیم ہو جانے کے بعد بنی مصطلق کا وفد حاضرِ خدمت ہوا اور اپنی عہد شکنی سے اظہارِ ندامت کرتے ہوئے

---

[۱] بعض روایات میں اس واقعہ کی تفصیل اس طرح بیان کی گئی ہے کہ جب حضرت "جویریہ" عام قیدیوں کی تقسیم کے وقت حضرت ثابت بن حفص کے حصہ میں آئیں تو سردار بنی مصطلق نے آکر عرض کیا یا رسول اللہ میری بیٹی باندی نہیں بن سکتی آپ اس کے بدلہ مال لیکر اُس کو آزاد کر دیں۔ آپ نے اُس کو اجازت دی کہ وہ اپنی بیٹی سے اس معاملہ میں دریافت کرلے۔ جو وہ پسند کرے وہ ہمیں بھی منظور ہے۔ باپ نے آکر بیٹی سے سارا واقعہ کہا اور کہنے لگا دیکھنا مجھے رسوا نہ کرنا حضرت جویریہ نے کہا کہ باندی بننا مجھے بھی منظور نہیں لیکن اگر یہ پیغمبر مجھسے شادی کر لیں تو مجھکو تمہارے ساتھ جانا منظور نہیں پیغمبر کے ساتھ رہنا منظور ہے۔ جب آپ کو یہ معلوم ہوا تو آپ نے حضرت ثابت کو مالی معاوضہ دیکر اُنہیں آزاد کر دیا اور پھر نکاح کر لیا۔
ابن سعد۔ اصابہ

اسیرانِ قوم کی رہائی کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا کہ اب میرا کوئی بس نہیں، مالِ غنیمت تقسیم ہو چکا، البتہ تم مسجد میں مجھ سے سوال کرنا۔ انہوں نے مسجد میں نمازِ ظہر کے بعد اپنی درخواست پیش کی۔ تمام صحابہ نے یہ سُن کر آپس میں مشورہ کیا اور فیصلہ ہوا کہ بنی مصطلق "برّہ" کے نکاح کے بعد پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کے رشتہ دار بن گئے۔ اب اُن کو اسیر رکھنا نامناسب ہے۔ سب نے تمام اسیروں کو رہا کر دیا۔ بنی مصطلق آپ کے اس رشتہ سے بیحد مسرور ہوئے اور تمام کی تمام قوم نے خوشی خوشی اسلام قبول کر لیا۔

نیز قریش اور غیر قریش کا ہر ایک خاندان اس کا متمنی تھا کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہمارا خاندانی تعلق پیدا ہو جائے اسی تمنا میں صدیق اکبرؓ اور فاروقِ اعظمؓ نے اپنی صاحبزادیوں کا عقد حضرت کیا تھا ضرورت تھی کہ اسی طرح اور خاندانوں کو بھی پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کیا تھا شرفِ قرابت حاصل ہو جن کو بحیثیت خاندان آپ سے کوئی تعلق نہ تھا۔

اس کے علاوہ عرب میں اور دنیا کی دوسری قوموں میں اسلام سے قبل عورت نہایت ذلیل شئے[1] سمجھی جاتی تھی۔ اسلام نے آکر عورت کا رتبہ بلند کیا اور پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے آخر وقت میں بھی عورت کے

---

[1] روم اور فرانس میں عورت کو مثل مال و متاع کے سمجھا جاتا تھا جس کو بیچا اور خریدا جا سکتا ہے ہندوستان میں عورت شوہر کی باندی سمجھی جاتی تھی جس کو شوہر کے انتقال کے بعد زندہ رہنے کا بھی حق نہ تھا۔ ایران میں عورت مالِ مشترک کی حیثیت رکھتی تھی اور یہی حال دوسرے ممالک کا بھی تھا ۱۲
(دائرۃ المعارف فرید وجدی۔ المثل الکامل)

ساتھ حسنِ سلوک کی وصیت فرمائی۔ ایسی حالت میں ضروری تھا کہ خود پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم جن کا ہر قول و فعل بمصداق لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ قابلِ عمل و لائقِ تسلیم ہے"۔ اس اہم اصلاح کے لئے نمونہ بنکر دکھلاتے اور اس کی تکمیل جب ہی ممکن تھی کہ آپ مختلف قبائل کے ساتھ اس ازدواجی رشتہ کو قائم کریں تاکہ ہر ایک قبیلہ اور ہر ایک خاندان آپ کے حُسنِ سلوک کا صحیح اندازہ کر سکے۔ اسی لئے خدا کے اس برگزیدہ انسان نے آنیوالی دنیا کے اس طعن و تشنیع سے بے نیاز ہوکر اس شعبہ کو بھی کامل و مکمل کر کے ہمیشہ کے لئے آفتابِ ہدایت کی روشنی قائم کر دی۔

تم کو معلوم ہے کہ مشرکین، یہود اور نصاریٰ نے آپ کے دعوئ نبوت و رسالت کو سحر و جادو کہتے اور تمام قبائل میں اس کی شہرت کرتے تھے۔ اس افترائے ابتدا کرنیوالوں نے خواہ قصداً عناداور دشمنی ہی کے ارادہ سے اس افترا پردازی کی شہرت دی ہو لیکن بات کے مشہور ہو جانے پر بہت سے وہ قلوب جن میں خود پوری طرح کسی فیصلہ کرنے کی قوت نہیں ہوتی واقعی طور پر اس معاملہ کی حقیقت سمجھنے سے معذور ہو جاتے ہیں اور تذبذب میں گرفتار رہتے ہیں تا آنکہ اس کے خلاف اُن کے سامنے بدیہی اور محسوس واقعات نہ آجائیں۔ ایسے قلوب میں یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ اگرچہ اس شخص کے ظاہری اعمالِ زندگی ساحر اور کاہن کے اعمالِ زندگی سے قطعاً جُدا نظر آتے ہیں تاہم کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ شخص اندرونِ خانہ وہی حالات رکھتا ہو جو ایک ساحر و کاہن رکھتا ہے لیکن جب مختلف قبائل کے ساتھ

آپ کا رشتۂ ازدواجی قائم ہوا اور مختلف قبائل کی عورتیں آپ کے عقد میں آئیں تو ان لوگوں کو ان رشتوں کی بدولت خود ہی یہ موقع ملا کہ جس طرح وہ آپ کی بیرونِ خانہ زندگی کو دیکھتے تھے اندرونِ خانہ زندگی کو بھی خود غور سے دیکھیں اور اپنی بیٹیوں، بہنوں اور ان رشتہ دار عورتوں سے بھی حقیقتِ حال معلوم کریں جو پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کی خلوت کی زندگی کی ہمہ وقت ہمراز تھیں اور جن کو ازواجِ مطہرات ہونے کا شرف حاصل تھا۔

اسی کے ساتھ اگر اس کو بھی پیشِ نظر رکھو تو مسئلہ کی حقیقت خوب واضح ہو جاتی ہے کہ بعثتِ محمدی کی بنا محاسنِ اخلاق پر قائم ہے۔ اسی لئے ارشاد ہوا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ[1] ضرورت ہے کہ جس طرح مردوں میں آپ کے اخلاقِ کریمانہ کا برتاؤ باحسن وجوہ معلوم ہوتا ہے، اُس زندگی میں بھی اسی طرح نظر آئے جس کو خلوت کی زندگی کہا جاتا ہے اور جس میں اکثر دنیا کے بڑے سے بڑے ریفارمر اور مصلحین بھی کمزور نظر آتے ہیں اس کثرتِ ازدواج نے جس کا تعلق مختلف قبائل اور مختلف خاندانوں سے وابستہ تھا آپ کے مکارمِ اخلاق کی جلوت اور خلوت دونوں قسم کی زندگی سے پردہ اُٹھا دیا۔ اور دنیا نے دیکھ لیا کہ اس نبی کی جلوت و خلوت سب یکساں ہے۔

کیا تم کو معلوم نہیں کہ اُمِّ حبیبہؓ آپ کے عقد میں اس وقت آئیں جبکہ اُن کے باپ ابوسفیان اور اُن کا تمام خاندان اس نبی امّی کی جان، آبرو اور

---

[1] میں اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ مکارمِ اخلاق کی تکمیل کردوں ۱۲

خون کا پیاسا تھا۔ پھر تم غور کرو اس واقعہ پر جبکہ ابوسفیان ایک معاملہ کے متعلق مدینہ آتا ہے اور قیام کی خاطر اپنی بیٹی ام حبیبہ کے یہاں جاتا ہے تو ارادہ کرتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرش پر بلا تکلف بیٹھ جائے آپ گھر میں تشریف فرما نہیں ہیں مگر ام حبیبہ عجلت سے آگے بڑھتی ہیں اور فرش لپیٹتے ہوئے کہتی ہیں کہ اے باپ تو مشرک ہے تجھکو پیغمبر کے فرش پر بیٹھنے کا حوصلہ نہ کرنا چاہئے۔

ابوسفیان بیٹی کی بات کو سخت تعجب سے سنتا ہے اور محسوس کرتا ہے کہ آخر وہ کون سا جذبہ ہے جس نے اُس کے دل میں اس رشتہ کی اتنی بڑی وقعت پیدا کردی۔ اسے معلوم نہ تھا کہ ام حبیبہ پیغمبر کی خلوت کی زندگی سے خوب واقف ہے۔ اس کو معلوم ہے کہ اُس کا شوہر دنیا کے اور شوہروں کی طرح نہیں ہے بلکہ وہ خدا کا پیغمبر ہے۔ جو کہ مردوں اور عورتوں کا خاص رشتہ خدا سے ملانے آیا ہے۔ یہی اخلاقِ نبوی تھے جس نے ام حبیبہ سے باپ کے سامنے یہ الفاظ کہلوائے اور ابوسفیان کے ایمان کا باعث ہوئے۔

اسی طرح غور کرو حضرت صفیہ رضہ کے واقعہ پر جن کا شوہر، چچا، باپ سب مسلمانوں کے مقابلہ میں جنگ میں کام آئے لیکن اُن کی زندگی کا ہر لمحہ اس کا پتہ دیتا ہے کہ وہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے اس تعلق کو دنیا و مافیہا کی نعمتوں سے بہتر جانتی اور یقین کرتی ہیں۔

اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ زندگی جو خلوت کی زندگی کہلائی جاتی ہے۔ اخلاقِ کریمانہ اور شانِ پیغمبرانہ سے متصف نہ ہوتی تو آج صفیہ رضہ

اور ام حبیبہ رضؓ کا یہ رشتہ حقارت و نفرت کے انتہائی جذبات پیدا کر دیتا۔ اور پیغمبر کی اندرونِ خانہ زندگی کی رُسوائی کے لئے (العیاذ باللہ) ان دونوں کا وجود ہی کافی ہوتا۔ مگر ایسا نہ ہوا بلکہ برخلاف اس کے دنیا نے دیکھ لیا۔ کہ جب ایک مرتبہ پیغمبر کی ان بیبیوں نے بتقاضائے بشریت آپ سے سال بھر کے نفقہ کا مطالبہ کیا اور پیغمبر کی پیغمبرانہ زندگی اس دنیا طلبی کے مظاہرہ کو برداشت نہ کر سکی تو بحکمِ الٰہی آپ نے ہر ایک بی بی کو اختیار دیدیا کہ اگر اُن کو پیغمبر کے ساتھ اپنی حیات وابستہ رکھنا ہے تو پیغمبر اور اُس کے خاندان کے لئے دنیا کی زیب و زینت کچھ نہیں ہے۔ غربت و فقر کی زندگی اگر بسر کرنا ہے تو نبھاؤ ورنہ تم کو اختیار دیا جاتا ہے کہ جو پیغمبر کی زندگی سے جدا ہو کر دنیا طلبی چاہے وہ آزاد ہے۔ پھر تم نے دیکھا کہ ہر ایک بی بی نے حاضر ہو کر معذرت کی اور گڑگڑاتے ہوئے درخواست کی کہ اُن کو دنیا نہیں چاہیئے ہم دنیا پر لعنت بھیجتے ہیں لیکن خدا کے پیغمبر کے رشتہ کو نہیں چھوڑ سکتے جو ہم کو دنیا اور آخرت سب سے زیادہ محبوب ہے۔

یہی وہ حالات و واقعات ہیں جن کی وجہ سے بہت سے خاندانوں اور قبائل کے دلوں میں اس تذبذب کی زندگی کا خاتمہ ہو گیا۔ اور ان کو یقین ہو گیا کہ ایسا شخص کبھی ساحر و کاہن یا کاذب و مجنون نہیں ہو سکتا۔

اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ[1]۔

پھر کیا تم نے کبھی اس پر بھی غور کیا کہ مشرکین عرب، منافقینِ مدینہ،

[1] اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ شرفِ رسالت سے کس کو نوازا جائے ۱۲

یہود، نصاریٰ جو آپ کے حرف حرف اور نقطہ نقطہ پر نکتہ چینی کے لئے آمادہ رہتے تھے ان کے کسی ایک قول سے بھی اس کا پتہ چلتا ہے؟ کہ انھوں نے آپ کے اس طرز عمل پر کبھی بھی لب کشائی کی ہو؟ حالانکہ تاریخ ماضی آجتک اُن کی اور تمام نکتہ چینیوں اور اُن کے جوابات کو اپنے اوراق میں محفوظ رکھے ہوئے ہے جن کا تعلق اسلام اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے ہے۔

پھر کیا یہ قابل غور بات نہیں ہے کہ اسلام سے پہلے جاہلیت کے دور میں عرب اور عجم دونوں میں تعدادِ ازدواج کی رسم اس برے طریقہ سے قائم تھی کہ جس کو سُن کر مہذب دماغ مختل ہو جاتا ہے۔

اسلام نے جب اس کی مکمل اصلاح کی اور فطری اصول پر اُس کو مخصوص اور سخت سے سخت شرائط کے ساتھ محدود کر دیا اور عملی طور پر قرآن عزیز نے متعدد بیویوں کے درمیان طریق رہائش کو جس کا نام "عدل" رکھا گیا بتایا تو ضرور تھا کہ وہ مذہب جو دوسرے مذاہب کی طرح "تخیلی" اور "نمائشی" نہیں ہے اور جس کی تعلیم عملی ہے وہ عملی ہو کر بھی اس کے تمام گوشوں کو اس طرح واضح کر دے کہ جس کی بدولت تعدد کا یہ محدود و مشروط قانون دنیا کے انسانوں کو پاک زندگی پر قائم رکھ سکے اور یورپ کی طرح "وحدت" کی آڑ میں دعوتِ فسق و فجور نہ دے۔

پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس عملی زندگی نے نہ صرف مسلمانوں، بلکہ دنیا کے سامنے رشد و ہدایات کا وہ سبق پیش کیا ہے کہ

اجتماعی وقومی معاشرت کی زندگی میں اس قانون کے بغیر پاکبازی اور حسن معاشرت حاصل ہونی ناممکن ہے۔

جن اقوام میں تعددِ ازدواج کی رسم قانوناً ممنوع ہے اور جس قوم میں خاص حالات و خاص شرائط کے ساتھ اس کی اجازت ہے ان دونوں کی تجربیاتی اور عملی زندگی میں کس کی معاشرت میں پاکبازی اور زن و شوہر کے تعلقات میں باہمی اعتماد اور خوشگواری پائی جاتی ہے اور کس میں نہیں یہ فیصلہ دلائل و براہین کا محتاج نہیں چشم عبرت کیلئے ہر وقت دعوتِ تماشہ ہے۔

یہ ہے وہ مختصر گفتگو جو اس مسئلہ کے اجتماعی اور عمومی پہلو کے اعتبار سے تھی۔ رہا اس مسئلہ کا انفرادی پہلو سو مختصر مختصر ہر زوجۂ مطہرہ کے حالات میں واضح ہو چکا ہے۔

خلاصہ

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات گیارہ تھیں جن میں دو کا آپ کی حیات میں انتقال ہو گیا اور نو بیبیاں بوقتِ وفات حیات تھیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام زندگی تعیّش سے خالی ہے بلکہ اس کے برعکس فقر و غربت، زہد و عبادت، تقوی و طہارت اور خلق اللہ کی اصلاح و ہدایت میں گذاری۔ اس لئے آپ کا متعدد شادیاں کرنا بر بنائے تعیش دنیوی نہ تھا بلکہ خالص اصلاح اور تبلیغ مذہب کی

خاطر تھا۔ جس کو مختصر الفاظ میں اس طرح ادا کیا جا سکتا ہے۔

(۱) اگر آپ متعدد شادیاں مختلف قبائل میں نہ کرتے تو گھریلو زندگی سے متعلق بہت سے تبلیغی و شرعی احکام پردۂ خفا میں رہجاتے اور آپ کی تبلیغِ عام اور رسالتِ عامّہ کی تکمیل نہ ہوتی۔

(۲) نصرتِ نبوت ورسالت کے لئے دنیوی اسباب کی بھی ضرورت ہے اور ان اسباب میں سے قبائل واقوام کے ساتھ محبت واخوۃ کے رشتہ کا استحکام سب سے زیادہ ازدواجی تعلق ورشتہ سے پیدا ہوتا ہے۔ جس کا کھلا ثبوت حضرت جویریہ (برّہ) اور حضرت ام حبیبہ کے واقعات سے ملتا ہے۔

(۳) عورت کی پست حالت کی اصلاح کا سب سے بہتر طریقہ یہی عملی نمونہ تھا جس نے مختلف اقوام، وقبائل کے سامنے ان کی بیٹیوں کے ذریعہ سے اصل حقیقت کو منکشف کر دیا۔

(۴) قریشی اس رشتہ کو اپنا سب سے بڑا فخر سمجھتے تھے اور اُن کی اس تمنا کے ذریعہ سے حمایتِ حق کو عظیم الشان فائدہ پہنچا۔

(۵) ان ازدواج ہی کی بدولت آپ کی وفات کے بعد بہت سے صحابہ نے علمِ نبوی کے ایک بڑے ذخیرہ کو حاصل کیا۔ اور ان سے سیکھ کر دنیا کو درسِ علم و عمل دیا

سوالات

(۱) امہات المؤمنین کی تعداد بیان کرو؟

(۲) آپ کے متعدد نکاح کرنے میں کیا حکمت تھی؟

(۳) آپ کی وفات کے وقت کون کون ازواج زندہ تھیں؟

(۱۵)

شمائل نبوی

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ (آل عمران)

سو کچھ اللہ ہی کی رحمت ہے جو تو نرم دل مل گیا ان کو اور اگر تو ہوتا تند خو سخت دل تو متفرق ہو جاتے تیرے پاس سے

سرورِ عالم، خاتم النبیین، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی خصائل، اخلاق، معاشرت، عبادات، حسنِ صورت، یہ تمام امور شمائل کہلاتے ہیں، اس مختصر رسالہ میں ختم رسل کے شمائل اختصار کے ساتھ بیان کرنا بھی مشکل ہے تاہم تکمیلِ سیرت کے لئے ضروری ہے کہ چند الفاظ میں اس پاک وجود اور مقدس ہستی کے شمائل کا مختصر سا خاکہ پیش کر دیا جائے۔ اس لئے کہ یہی سیرت کی روح اور اُس کا اصلی جوہر ہے۔

سراپائے نبیؐ

محدثین نے صحیح روایات سے جو سراپائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور جمالِ جہاں آرا کو بیان کیا ہے وہ یہ ہے۔

آفتابی روشن چہرہ۔ سُرخ وسپید رنگ۔ سیاہ بڑی بڑی آنکھیں، آنکھوں کی سپیدی میں سُرخ ڈورے۔ پلکیں بڑی اور گھنی۔ کشادہ پیشانی۔ بھویں نہایت باریک۔ ستواں کھڑی ناک۔ گھنی داڑھی۔ در دنداں جن میں نہ زیادہ کشادگی، اور نہ زیادہ ملے ہوئے۔ بدن عیب سے پاک۔ چوڑا سینہ اُبھرے ہوئے اور بھاری مونڈھے۔ اعضا کے جوڑ پُر گوشت اور مضبوط

پُر گوشت ہتیلیاں۔ پُر گوشت نرم قدم۔ دوہرا بدن۔ سینہ پہ بالوں کی باریک دھاری۔ بدن کا اکثر حصّہ بالوں سے خالی۔ جسم منوّر۔ میانہ قد بایںہمہ طویل انسان کے سامنے بھی آپ کا قد نمایاں رہتا۔ ذقن چھوٹی اور خوبصورت۔ اگر گاہے مسکراتے تو گویا دِر دنداں سے بجلی کوند گئی۔ سفیدئ دنداں اُولے کی مانند تھی۔ اگر کلام فرماتے تو گویا دندانِ مُبارک سے نور نکل رہا ہے۔ صراحی دار گردن۔ براء ابنِ عازب کہتے ہیں کہ میں نے سُرخ حُلّے[1] میں ایسی زلفوں والا کبھی نہ دیکھا نہ سُنا۔

ابن ابی ہالہؓ اور ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ چہرۂ مبارک اس طرح چمکتا تھا جیسے چودھویں رات کا چاند۔

علی ابن ابی طالبؓ فرماتے ہیں کہ جو آپ کو اوّل نگاہ میں دیکھتا اُس پر رُعب پڑتا۔ اور جو آپ کی مجالس میں بیٹھتا اُس کو آپ سے محبّت ہوتی اگر آپ کا مدح خواں یہ کہدے کہ آپ جیسا نہ کبھی پہلے دیکھا اور نہ آئندہ اُمید تو کچھ مبالغہ نہیں۔ وصلّی اللہ علیہ وسلّم۔

نظافتِ جسمِ اطہر

وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ (مدثّر)

اور اپنے رب کی بڑائی بول اور اپنے کپڑے پاک رکھ

قدرت نے اس مقدس وجود کو بعض ایسے خصائص عطا فرمائے تھے جنکی نظیر دنیا میں نہیں پائی جاتی۔ جسمِ مبارک کی نظافت و لطافت کا یہ عالم تھا

---

[1] حُلّہ اس لباس کو کہتے ہیں جس کا قمیص اور تہبند ایک ہی قسم کے کپڑے کا ہو۔ ۱۲

کہ حضرتِ انس فرماتے ہیں۔ آپ کے جسمِ اطہر سے ایسی خوشبو مہکتی تھی کہ میں نے ایسی خوشبو نہ مشک میں پائی نہ عنبر میں، امام بخاری اپنی تاریخ کبیر میں لکھتے ہیں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا جس کوچہ اور گلی میں گذر ہو جاتا وہ کوچہ خوشبو سے مہک جاتا تھا۔ ہر شخص اس خوشبو کی وجہ سے جان جاتا کہ آپ کا یہاں سے گذر ہوا ہے۔

جسمِ اطہر کی یہ خوشبو دراصل کسی مصنوعی اور خارجی خوشبو کی منّت کش نہ تھی بلکہ قدرتِ الٰہی نے آپ کے جسمِ مبارک میں یہ وصف خلقۃً ودیعت کیا تھا۔ پھر اس پر شرعی احکامِ نظافت نورٌ علیٰ نور کا کام دیتے اور سونے پر سہاگا ہو جاتا۔ آپ نے ارشاد فرمایا ہے بُنِیَ الدِّیْنُ عَلَی النَّظَافَۃِ[1] دنیا کی چیزوں میں خوشبو اور صفائی آپ کی محبوب ترین چیزیں ہیں۔

کمالِ عقل

اَوَلَمْ یَتَفَکَّرُوْا مَا بِصَاحِبِہِمْ مِّنْ جِنَّۃٍ اِنْ ھُوَ اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ (اعراف)

کیا انہوں نے دھیان نہیں کیا کہ اُن کے رفیق کو کچھ بھی جنوں نہیں وہ تو ڈرانے والا ہے صاف

اس کیلئے کسی ثبوت کی حاجت نہیں۔ آپ کی حیاتِ طیبہ کے حالات و واقعات، احکامِ نبوت کے مشاغل اصلاحِ اُمت کی تدابیر، رسومِ جاہلیت کا انسداد۔ فصلِ قضایا۔ اور تمام شرعی و سیاسی امور کی انجام دہی میں ہر لمحۂ زندگی آپ کے وفورِ عقل اور کمالِ تدبر کا شاہد ہے

---

[1] دین کی بنیاد طہارت و نظافت پر قایم ہے ۱۲

حیاء

اِنَّ ذٰلِکُمْ کَانَ یُؤْذِی النَّبِیَّ فَیَسْتَحْیٖ مِنْکُمْ ؕ (احزاب)

تمہاری اس بات سے نبی کو تکلیف تھی پھر تم سے شرم کرتا ہے

حیاء کا یہ عالم تھا کہ حضرت ابو سعید خدری فرماتے ہیں کہ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر حیا اس قدر غالب تھی جیسے کنواری پردہ نشین لڑکیاں حیا میں ڈوبی ہوئی ہیں۔ اگر کوئی امر ناگوار ہوتا تو صرف چہرۂ مبارک کی کیفیت سے ہم معلوم کر لیتے تھے[1] زبان سے آپ خفگی کا کچھ اظہار نہ فرماتے۔ آپ نے ارشاد فرمایا ہے اَلْحَیَاءُ[2] شُعْبَۃٌ مِّنَ الْاِیْمَانِ یعنی حیا ایمان کی ایک شاخ ہے اور آپ نے فرمایا ہے کہ ہر دین کے اخلاق کا ایک عنوان ہوتا ہے مذہب اسلام کے اخلاقِ حسنہ کا عنوان حیا ہے۔

حلم و عفو

ارشاد فرمایا کرتے صِلْ مَنْ قَطَعَکَ وَاعْفُ عَمَّنْ ظَلَمَکَ وَ اَحْسِنْ اِلٰی مَنْ اَسَاءَ اِلَیْکَ جو تجھ سے قطع تعلق کرے تو اُس سے مل۔ اور تجھ پر ظلم کرے اُس کو معاف کر دے۔ اور جو شخص تیرے ساتھ بُرائی کرے اُس کے ساتھ بھلائی کر۔

کبھی آپ نے اپنی ذات کا کسی سے انتقام نہیں لیا۔ آپ کی ناراضی کا معاملہ صرف خدا کے دین کی عزت و حرمت کی توہین پر موقوف تھا۔

مکۂ معظمہ فتح ہوا تو آپ نے سب کچھ قدرت و طاقت کے باوجود اُن

---

[1] بخاری و مسلم۔ [2] بخاری۔

دشمنِ جان و مال سے بھی کچھ تعرض نہ فرمایا۔ جنھوں نے آپ کو وطن سے بے وطن کر دیا۔ تبسم فرماتے جاتے ہیں اور عفو عام کا اعلان کرتے جاتے ہیں۔

ایک اعرابی (بدوی) آتا ہے اور آپ جس موٹی چادر کو اوڑھے ہوئے تھے اُس کو اس طرح جھٹکا دیکر کھینچا کہ آپ کی گردنِ مبارک پر اُس کے نشان تک پڑ گئے۔ اور کہنے لگا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس مال میں سے جو تیرے سامنے ہے دو گون میرے اونٹ پر لاد دے اس لئے کہ تو اگر ایسا کرے گا تو کچھ اپنے یا اپنے باپ کے مال سے نہیں دیگا۔ آپ سُن کر خاموش ہو گئے اور پھر فرمایا مال بیشک اللہ کا ہے اور میں اُس کا بندہ (قاسم) ہوں اور فرمانے لگے تجھ کو خوف نہیں کہ تیری ان گستاخانہ حرکات کی تجھ کو سزا ملے گی۔ بدوی کہنے لگا بالکل نہیں۔ آپ نے پوچھا کس لئے؟ کہنے لگا مجھے معلوم ہے کہ آپ کبھی بُرائی کا بدلہ بُرائی سے نہیں دیتے بلکہ اور زیادہ حسن سلوک فرماتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ سُن کر ہنسی آ گئی اور حکم دیا کہ اس کے اونٹ پر ایک گون جو کی اور ایک کھجوروں کی لاد دو۔

غزوۂ بنی مصطلق میں منافقوں کی شرارت اور آپ کا عفو و کرم افک کے واقعہ سے آپ کو اور اہلبیت کو جسمانی و روحانی اذیت کے باوجود منافقین سے آپ کی درگذر۔

یہ اور اسی قسم کے ہزاروں واقعات ہیں جو تاریخ و سیرت کے سینہ میں آجتک محفوظ ہیں اور دورِ لیل و نہار نے اپنی آنکھوں سے اُن کو دیکھا ہے۔

نرم گفتاری

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے دس سال آپ کی خدمت میں بسر کئے مگر کبھی آپ نے اُف تک نہ کہا اور نہ کبھی اس پر سرزنش کی کہ تو نے یہ کام کیوں کیا اور یہ کام کیوں نہ کیا۔[1] آپ نے ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ سے فرمایا عَلَيْكِ بِالرِّفْقِ وَاِيَّاكِ وَالْعُنْفَ الْحَدِیث[2] (نرم خوئی کی عادت ڈالو اور درشت کلامی سے ہمیشہ پرہیز کرو۔

خُلقِ حَسن

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (ن والقلم)

اور تو پیدا ہوا ہے بڑے خلق پر

قرآن عزیز میں ہے وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۔ اور آپ نے ارشاد فرمایا ہے بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ حُسْنَ الْاَخْلَاقِ اور بعض روایات میں ہے لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ میں اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ اخلاق حسنہ کی تکمیل کردوں[3] حضرت انسؓ فرماتے ہیں كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اَحْسَنِ النَّاسِ خُلُقًا[4] (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سب سے زیادہ حسنِ اخلاق پایا جاتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک صحرائی آیا اور مسجد نبوی میں پیشاب کرنے بیٹھ گیا صحابہ دوڑے کہ اس کو روکیں اور باز رکھیں، آپ نے صحابہ کو منع فرمایا کہ اس کو اپنی ضرورت پوری کر لینے دو۔ جب وہ فارغ ہو گیا تو اس کو پاس بلا کر نہایت نرمی سے فرمایا کہ مسجد خدا کا گھر ہے، ناپاکی کی جگہ نہیں ہے اور

---

[1] بخاری ۱۲ [2] مسلم، ترمذی ۱۲ [3] موطا ۱۲

پھر فرش کو دھلوا دیا[1]

ایک مرتبہ ایک سائل آیا۔ اور پیچھے سے چادر پکڑ کر آپ کو اس طرح کھینچا کہ آپ کا گلا گھٹنے لگا۔ اور کہنے لگا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بیت المال میں سے مجھے میرا حصّہ دے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس نے چھوڑ دیا تو آپ نے اُس کی طرف مسکراتے ہوئے دیکھا اور حکم دیا کہ اس کو بیت المال میں سے دو۔[2]

ایک مرتبہ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مشرکین کے حق میں بددعا کیجئے آپ نے فرمایا کہ اِنّی لَمْ اُبْعَثْ لَعَّانًا وَاِنَّمَا بُعِثْتُ رَحْمَةً یعنی میں لعنت کرنے کے لئے نہیں بھیجا گیا۔ خدا نے مجھے دنیا کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔[3]

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ لَمْ یَکُنْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاحِشًا وَلَا مُتَفَحِّشًا وَلَا صَخَّابًا فِی الْاَسْوَاقِ وَلَا یُجْزِیْ بِالسَّیِّئَةِ السَّیِّئَةَ وَلٰکِنْ یَعْفُوْ وَیَصْفَحُ[4] نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فضول ولایعنی کلام کبھی نہ کرتے تھے، اور نہ بازاروں میں شور مچاتے تھے اور نہ کبھی آپ نے بُرائی کا بدلہ بُرائی سے دیا۔ بلکہ ہمیشہ اپنے بدخواہ کو معاف کر دیتے اور درگذر فرماتے۔ ایک مرتبہ آپ ایک غزوہ میں ایک درخت کے نیچے آرام فرما تھے۔ ایک دشمن موقع پر پہنچا اور تلوار سونت کر کھڑا ہو گیا اور پوچھا کہ اے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) بتا تجھ کو اب کون بچائے گا؟ آپ نے فرمایا "اللہ" یہ سُن کر وہ مرعوب ہو گیا اور تلوار ہاتھ سے گر گئی۔ آپ نے تلوار اُٹھا لی اور پوچھا کہ بتا اب تجھے کون بچائے گا۔ وہ

---

[1] ترمذی ۱۲ [2] بخاری و مسلم ۱۲ [3] مسلم ۱۲ [4] ترمذی ۱۲

شخص عاجزی کرنے لگا اور کہنے لگا کہ اب مجھے کوئی نہیں بچا سکتا۔ آپ نے اُس کو معاف کر دیا اور اُس سے درگذر فرمایا یہ دیکھ کر وہ فوراً مسلمان ہوگیا۔ اور اپنی قوم کو بھی اسلام میں داخل کر لیا[1]۔

یہ اور اسی قسم کے ہزاروں واقعات ہیں جن سے کتب احادیث و سیر پُر ہیں آپ نے فرمایا ہے خَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ[2] لوگوں کے ساتھ حسنِ اخلاق کے ساتھ ملیش آؤ۔

کفار نے جب سخت ایذائیں پہنچائیں اور تنگ ہو کر صحابہ نے عرض کیا کہ آپ ان کے لئے بد دعا کریں تو خدا کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا اَللّٰھُمَّ اِھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ اے خدا میری قوم کو راہ ہدایت دکھا اس لئے کہ یہ میری حقیقت سے واقف نہیں ہیں۔

حسنِ معاشرت

جو محفل مبارک میں شریک ہوتا ہر شخص سے اس طرح تخاطب فرماتے کہ گویا اس سے زیادہ آپ کو اور کسی سے محبّت نہیں ہے۔ ہر شخص یہی محسوس کرتا کہ میں ہی آپ کی نگاہوں میں سب سے زیادہ محبوب ہوں۔

جو شخص کچھ دریافت کرتا کشادہ پیشانی سے اُس کو جواب مرحمت فرماتے اور جو شخص کسی قبیلہ یا خاندان کا معزز حاضرِ خدمت ہوتا اُس کے مرتبہ کے مطابق اُس کی عزت فرماتے۔

ارشاد فرمایا کہ تم میں وہ شخص بہتر ہے جو اپنے اہل کے حق میں بہتر ہے اور میں اپنے اہل کے حق میں بہتر ہوں۔

---

[1] ترمذی ۱۲ [2] مسندِ احمد ۱۲

ایک روز عائشہ صدیقہؓ سے فرمایا عائشہ میں تمہاری خوشی اور ناراضی کا احساس کر لیتا ہوں حضرت عائشہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ وہ کیسے؟ فرمایا جب تم مجھ سے خوش ہوتی ہو تو کسی بات پر اگر زور دینا ہوتا ہے تو کہتی ہو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خدا کی قسم یہ بات اس طرح ہے۔ اور جب کچھ دلگیر ہوتی ہو تو کہا کرتی ہو کہ ابراہیم (علیہ السلام) کے خدا کی قسم یہ بات یوں ہے۔ حضرت عائشہؓ ہنسنے لگیں اور عرض کیا یارسول اللہ بیشک یہ سچ ہے مگر یہ فرق صرف زبان ہی تک ہے ورنہ آپ کی محبت اور رضا جوئی تو میرا ایمان ہے۔

ایک مرتبہ حضرت حسن کھیلتے ہوئے آئے تو آپ نے محبت سے گود میں اُٹھا لیا اور پیار کیا۔ ایک صحابی نے عرض کیا یارسول اللہ کیا آپ بچہ کو پیار کرتے ہیں ہم نے تو مدت العمر کبھی اپنی اولاد کا بوسہ نہیں لیا۔ فرمایا یہ تو خدا کی رحمت ہے۔

مَنْ لَا یَرْحَمُ لَا یُرْحَمُ جس کے دل میں رحم نہیں خدا بھی اُس پر رحم نہیں فرماتا۔ فرمایا جو شخص اپنے بڑے کی عزت نہ کرے اور اپنے چھوٹے پر رحم نہ کرے، وہ ہماری جماعت میں سے نہیں ہے۔

جب صحابہؓ کی مجلس میں تشریف لاتے تو جہاں جگہ دیکھتے بیٹھ جاتے اور کبھی نمایاں جگہ بیٹھنے کی کوشش نہ فرماتے۔

مکہ سے جب ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو داخلہ کے وقت وہ لوگ جنہوں نے آپ کو اس سے پہلے نہ دیکھا تھا اس لئے آپ کو شناخت نہ کر سکے کہ عظیم الشان مجمع میں آپ نمایاں نہ تھے۔ جب گرمی زیادہ ہونے لگی اور صدیق اکبر

رضی اللہ عنہ فوراً کھڑے ہوگئے اور آپ پر چادر تان کر سایہ کر لیا۔ تب لوگوں نے سمجھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ ہیں۔

جب مجلس صحابہ میں بیٹھتے تو کبھی اُن کی جانب پاؤں نہ پھیلاتے اور باوجود اس کے کہ آپ مشورہ کے حاجتمند نہ تھے برابر صحابہ سے مشورہ فرماتے۔

ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں ہدیہ پیش کیا گیا آپ نے فرمایا کہ فلاں گھر میں پہونچادو اس لئے کہ وہ خدیجہ کی سہیلی ہے اور خدیجہ سے بہت ہی محبت کرتی تھی گویا اہل بیت کی دلجوئی اور اُن کے حقوق کی پاسداری کا اس درجہ خیال فرماتے کہ اس قسم کے حقوق تک فراموش نہ کرتے۔

ایک مرتبہ ایک وفد خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا آپ نے بنفس نفیس اس کی ہر قسم کی مہمانداری انجام دی۔ اور اُن کی ضروریات کو اپنے ہاتھوں سے انجام دیا۔ صحابہ نے بار بار عرض کیا یا رسول اللہ ہم کس لئے ہیں۔ آپ ہم سے خدمت لیجئے کہ یہی ہماری تمنا ہے۔

ارشاد فرمایا کہ جب میرے دوست اُن کے یہاں مہمان ہوتے ہیں تو یہ اُن کی خاطر و مدارات کرتے ہیں۔ میرا دل چاہتا ہے کہ اس طرح ان کی ان خدمات کا صلہ دوں اور ان کا احترام کروں۔

تواضع

قُلْ لَا اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا قُلْ اِنِّیْ لَنْ یُّجِیْرَنِیْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ وَّلَنْ اَجِدَ

کہدیجئے کہ میرے اختیار میں نہیں تمہارا بُرا اور نہ راہ پر لانا اور کہدیجئے کہ مجکو نہ بچائیگا اللہ کے ہاتھ سے کوئی اور نہ پاؤنگا

مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلٰتِهٖ (جن ۲)

اُس کے سوا کہیں پناہ پکڑنا مگر پہنچانا ہے اللہ کی طرف سے اور اسکے پیغام لانے

تواضع کا یہ حال تھا کہ آپ مجلس میں کبھی نمایاں ہو کر بیٹھنے کی کوشش نہ فرماتے جب کسی کو رخصت کرتے تو مصافحہ فرماتے اور جب تک وہ شخص اپنا ہاتھ خود آپ کے ہاتھ سے الگ نہ کرتا تو خود کبھی ہاتھ نہ کھینچتے[۵۱]۔ جب کوئی کرتا تو آپ منع فرماتے کہ اس طرح میری تعریف نہ کرو جس طرح نصاریٰ نے حضرت عیسٰی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی حد سے زیادہ تعریف کر کے اُن کو خدا کا بیٹا بنا دیا[۵۲]۔

ایک مرتبہ صحابہ نے عرض کیا کہ شاہانِ عجم کے یہاں بادشاہوں کی تخت بوسی ہوتی ہے۔ ہمیں اجازت ہو کہ ہم کم از کم آپ کے جُلو میں کھڑے رہا کریں آپ نے سختی سے انکار فرما دیا۔ اور ارشاد فرمایا کہ میں متکبّر اور جبّار[۵۳] بنا کر نہیں بھیجا گیا ہوں[۵۴]۔ آپ اپنا کپڑا خود سی لیتے۔ اونٹوں کو پانی پلاتے اپنے جوتے کا تسمہ خود ٹھیک کر لیتے۔ غرض اپنے اکثر کام خود ہی کر لیا کرتے۔ جب کوئی مجلس میں آتا تو اس کی تعظیم و تکریم کرتے[۵۵]۔

ایک مرتبہ ایک شخص آپ سے ملا اور کچھ بات چیت کی اور کہہ گیا کہ آپ یہیں بیٹھے رہیں۔ آپ نے وعدہ فرما لیا۔ تین روز کے بعد اس کو یاد آیا کہ میں نے آپ سے کیا کہا تھا۔ آیا تو آپ کو اسی جگہ پایا۔

آپ کے دروازے پر نہ دربان تھا نہ چوکیدار۔ ہر شخص بلا تکلف اپنی ضروریات کے متعلق بات چیت کرتا اور کامیاب واپس جاتا[۵۶]۔

ایک مرتبہ صحابہ بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ عصا پر سہارا دیئے ہوئے حجرہ شریف سے باہر تشریف لائے۔ صحابہ تعظیم کی غرض سے کھڑے ہو گئے۔

---

[۵۱] مشکوٰۃ ۱۲ [۵۲] ترمذی ۱۲ [۵۳] سنن ۱۲ [۵۴] مسلم ترمذی ۱۲ [۵۵] ترمذی ۱۲

ارشاد فرمایا کہ ایسا نہ کیا کرو یہ عجمیوں کا دستور ہے۔ میں بھی تمہاری طرح ایک انسان ہوں۔ جس طرح انسان کھاتے ہیں اسی طرح میں کھاتا ہوں اور جس طرح وہ بیٹھتے ہیں اُسی طرح میں بیٹھتا ہوں۔

کثرت سے مساکین و غربا کی عیادت فرماتے۔ فقراء کی مجالس میں نشست و برخاست رکھتے۔ اور غلاموں کی مدد فرماتے۔

حضرت خدیجہ نے انھی خصوصیات کو دیکھ کر ابتدا ء نبوت میں عرض کیا تھا کہ خدا آپ کو ہلاک نہ کرے گا اس لئے کہ آپ محتاجوں کی خبرگیری کرتے، یتامیٰ کی امداد فرماتے اور بیوگان کی دادرسی فرماتے ہیں۔

فتح مکہ کے وقت باوجود مسلمانوں کی انتہائی شوکت وعظمت اور کفار و مشرکین کی ذلت و خواری کی اس تواضع وانکساری سے مکہ میں داخل ہوتے ہیں کہ خدا کی بارگاہ میں ناقہ ہی پر سر جھکائے شان عبودیت کا اظہار فرماتے جا رہے تھے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ میں ایک روز نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میں بازار گیا۔ آپ نے دوکاندار سے پائجامہ خریدا اور تولنے والے سے فرمایا جب تو لا کرو تو جھکتا تولا کرو۔ "تاجر آگے بڑھا اور دست بوسی کی آپ نے دستِ مبارک کھینچ لیا اور ارشاد فرمایا کہ یہ عجمیوں کا دستور ہے وہ اپنے بادشاہوں کے ساتھ اس قسم کا معاملہ کیا کرتے ہیں۔ میں بادشاہ نہیں ہوں تم ہی میں کا ایک انسان ہوں۔ پھر جب آپ خریدا ہوا کپڑا لے چلنے لگے تو میں نے بڑھ کر آپ سے لینا چاہا

تاکہ آپ کو زحمت نہ ہو۔ آپ نے مجکو نہ دیا اور فرمایا مال والا ہی خود اُٹھانے کا مستحق ہے۔

سخاوت و استغناء

قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۚ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ٥ (انعام)

کہہ تجئے کہ میں نہیں مانگتا تم سے اسپر کچھ مزدوری یہ تو محض نصیحت ہے جہان کے لوگوں کو

سخاوت کا یہ حال تھا کہ ایک مرتبہ نماز پڑھ رہے تھے۔ نماز سے فارغ ہوئے تو تیزی کے ساتھ حجرے کی طرف روانہ ہوئے اور تھوڑی دیر میں واپس ہوئے۔ صحابہ کو اس عجلت سے جانے اور پھر عجلت سے واپس آنے پر تعجب ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ تم تعجب نہ کرو۔ مجھے یہ یاد آگیا کہ میرے حجرے میں چاندی کا ایک ٹکڑا رکھا ہے۔ نبی کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ اس حالت میں بسر کرے اُس کے گھر میں دنیا کا کوئی حصّہ موجود ہو[1]۔

آپ کی عادتِ مبارک یہ تھی کہ جب کوئی سائل سوال کرتا اس کو کبھی رد نہ فرماتے۔ اگر کچھ پاس ہوتا تو مرحمت فرما دیتے ورنہ کلمۂ خیر اور محبت بھرے الفاظ میں اس سے معذرت فرما دیتے[2]۔

ایک مرتبہ حضرت ام سلمہؓ کے یہاں گوشت بطور ہدیہ آیا۔ ام سلمہؓ نے خادمہ سے کہا کہ اس کو حفاظت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے رکھدے تھوڑی دیر میں سائل آیا۔ ام سلمہؓ نے کہدیا کہ اس وقت دینے کو نہیں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور کھانے کے لئے کچھ طلب فرمایا حضرت

---

[1] ترمذی ۱۲ [2] مسلم ۱۲

ام سلمہؓ نے خادمہ سے کہا کہ الماری میں سے وہ گوشت لے آ، خادمہ گئی تو وہ حیران رہ گئی، کہنے لگی کہ یہاں تو گوشت کی جگہ ایک پتھر کا ٹکڑا رکھا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ خدا نے تم کو تنبیہ کی ہے کہ گھر میں چیز ہوتے ہوئے تم نے سائل کو رد کر دیا۔[۱]

آپ نے حاتم کی بیٹی اور اس کے قبیلے کے قیدیوں کو صرف اس لئے رہا کر دیا کہ وہ مشہور سخی کی بیٹی اور اس کا خاندان ہے۔

آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر اُحد کے پہاڑ کی برابر بھی میرے پاس سونا ہوتا تو بھی مجھے یہی پسند ہے کہ تین دن سے زیادہ میرے پاس اس میں سے کچھ نہ رہنا چاہیئے۔ مگر ادائے قرض کے لئے۔

آپ نے فرمایا ہے کہ سخی اللہ سے بھی قریب ہے، جنت سے بھی، اور لوگوں سے بھی، اور جہنم سے دور ہے۔ بخیل اللہ سے بھی دور ہے، جنت سے بھی دور ہے، اور لوگوں سے بھی، اور جہنم سے قریب تر ہے۔[۲]

شجاعت

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ (فتح)

محمد رسول ہے اللہ کا اور جو لوگ اُس کے ساتھ ہیں زور آور ہیں کافروں پر نرم دل ہیں آپس میں

ایک مرتبہ مدینۂ طیبہ میں شب کے وقت کچھ شور ہوا۔ اہلِ مدینہ گھبرا اُٹھے اور سمجھے کہ دشمن نے حملہ کر دیا اس لئے کہ قریشِ مکّہ کی دم دم کی خبریں آ رہی تھیں کہ وہ اچانک حملہ کیا چاہتے ہیں۔ تمام اہلِ مدینہ پریشان تھے مگر کسی کو ہمت نہ ہوئی کہ تنہا نکل کر دیکھیں۔ آخر کچھ لوگوں نے ہمت کر کے مدینہ سے باہر جانیکا

---

[۱] مسلم ۱۲ [۲] ترمذی ۱۲

ارادہ کیا تو دیکھا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم تنہا واپس تشریف لا رہے ہیں اور تمام اہل مدینہ کو تسکین دیتے جاتے ہیں کہ گھبراؤ نہیں، میں مدینہ سے باہر نکل کر دیکھ آیا ہوں کوئی اندیشہ نہیں ہے[1]۔

غزوۂ حنین میں آپ ناقہ پر سوار تھے اور ابوسفیان ناقہ کی مہار پکڑے ہوئے جا رہے تھے۔ یکبارگی مشرکین نے آپ کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور آپ پر حلقہ کر کے حملہ آور ہوئے۔ آپ اسی وقت ناقہ سے اتر آئے اور پیادہ پا مشرکین کے حلقہ میں حملے کا جواب دیتے جاتے ہیں اور یہ پڑھتے جاتے ہیں۔ اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِب، اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِب[2] راوی کہتا ہے کہ ہم نے آج تک اس قدر شجاعت و بہادری کا نظارہ کبھی نہیں دیکھا جیسا کہ اس دن آپ میں دیکھا۔

اسی طرح دوسرے غزوات میں ہی جبکہ بعض وقت مسلمانوں کے قدم اکھڑ جاتے تھے۔ آپ اسی طرح ثابت قدم رہتے اور مسلمانوں کو ثبات قدمی کی تلقین فرماتے رہتے۔ Most Interesting

مشرکین عرب میں ایک مشہور پہلوان تھا جس کو "رکانہ" کہتے تھے اس نے آپ سے عرض کیا کہ میں اس شرط پر مسلمان ہوتا ہوں کہ آپ مجھکو کشتی میں پچھاڑ دیں۔ اسلام اگرچہ مجھکو پسند ہے لیکن میرے اسلام کی یہی شرط ہے

---

[1] نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے پر سوار تھے جو ابوطلحہ سے مستعار لیا تھا یہ گھوڑا بہت سست رہتا تھا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے اس کو دریا کی طرح سبک رو پایا ۱۲۔ [2] میں خدا کا پیغمبر ہوں یہ جھوٹ نہیں ہے، میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں ۱۲

اگرچہ نبوت و رسالت کی یہ شرط نہیں کہ وہ اس قدر قوی ہو کہ پہلوانوں کو میدان میں پچھاڑ دیا کرے لیکن خدائے تعالیٰ نبی اور پیغمبر کو جس طرح روحانی طاقت اس قدر عطا فرماتا ہے کہ دوسرے اُس کے حاصل کرنے سے عاجز رہیں اِسی طرح نبی کو جسمانی طاقت بھی ایسی ہی عطا ہوتی ہے کہ جس کی نظیر نہ مل سکے تاکہ پیغمبر درجاتِ روحانی اور جسمانی دونوں میں کامل و اکمل ثابت ہو۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی درخواست منظور فرمالی اور اپنی اسی حالت میں اس سے کشتی کی۔ رُکانہ پہلے ہی جھٹکے میں نیچے آ گیا۔ پھر اُس نے دو مرتبہ اور درخواست کی اور دونوں مرتبہ اُس کو ہار ہوئی۔ تیسری مرتبہ رُکانہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں اس گستاخی کی معافی چاہتا ہوں ہاتھ بڑھائیے تاکہ میں اسلام پر بیعت کروں۔ یہ کہہ کر رُکانہ نے آپ کے دستِ مبارک پر اسلام قبول کر لیا[1]

عبادت و ریاضت

يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا ۙ نِصْفَهُ أَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا ۙ أَوْ زِدْ

اے کپڑے میں لپٹنے والے کھڑا رہ رات کو مگر کسی رات آدھی رات یا اس میں سے کم کر دے تھوڑا سا

عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا ۝ (مزمل)

یا زیادہ کر اس پر اور قرآن کو صاف صاف پڑھو،

تبلیغِ اسلام، تبلیغِ احکام، فصلِ قضایا، جہاد فی سبیل اللہ، ادائے حقوقِ اہلِ بیت، یہ اور اس قسم کے دوسرے اہم حقوق کی مشغولی کے باوجود

---

[1] طبری ۱۲

آپکی عبادتِ الٰہی اور ریاضتِ نفس کا یہ عالم تھا کہ ہفتوں ساری ساری رات عبادت الٰہی میں گذار دیتے حتیٰ کہ قدم مبارک ورم کر آتے، اور یہ تو معمول ہی تھا کہ رات کے دو حصّے فرماتے۔ ایک حصہ میں راحت فرماتے اور دوسرے نصف حصّہ میں شب بیداری، اور تہجد گزاری، یا ساری رات اس طرح سے گذار دیتے کہ ایک گھنٹہ میں آرام فرمایا تو دوسرے گھنٹہ میں[1] عبادتِ الٰہی میں مشغول ہو گئے۔ یہ صرف آپ ہی کا اعجاز تھا کہ تعددِ ازدواج کے باوجود آپ کی خلوت کی تمام زندگی زہد و عبادت سے معمور رہے۔

فرمایا کرتے تھے کہ جو کچھ میں چاہتا ہوں، اگر تم اُس کو جانتے تو تمام عمر رونے میں زیادہ گذرتی اور ہنسی بہت کم آتی۔ کبھی قہقہہ نہ فرماتے۔ بہت کم ہنستے اور وہ بھی صرف اس قدر کہ دندانِ مُبارک کی سپیدی ظاہر ہو جاتی۔

عفّت و امانت

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ

وہ لوگ جو پیروی کرتے ہیں اس رسول کی جو امی ہے۔ کہ جس کو پاتے ہیں لکھا ہوا اپنے پاس

فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَیُحِلُّ

توریت میں اور انجیل میں وہ حکم کرتا ہے ان کو نیک کام کا اور منع کرتا ہے بُرے کام سے اور حلال

لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ ۝ (سورۂ اعراف)

کرتا ہے ان کے لئے سب پاک چیزیں اور حرام کرتا ہے ان پر ناپاک چیزیں،

آپ کی عفّت مآبی، اور امانت کے حالات ذکر سے بالاتر ہیں، اس لئے کہ

---

[1] صحاح ۱۲ [2] مشکوٰۃ ۱۲

یہ اوصافِ حمیدہ اور اخلاقِ عالیہ، تو اس ذات میں اس طرح نمایاں ہیں کہ دشمن کو بھی ان کے انکار کی گنجائش نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعثت و نبوت سے پہلے اہلِ خاندان نے نہیں، دوستوں نے نہیں، بلکہ دشمنوں نے آپ کا لقب "الصادق الامین" رکھا تھا۔ اور اسی لقب سے آپ کو پکارا جاتا تھا صحیح مسلم میں ہے کہ آپ نے مدت العمر کبھی کسی غیر محرم عورت کے ہاتھ میں ہاتھ نہیں دیا۔

ابوالعباس[1] فرماتے ہیں کہ کسریٰ خسروِ پرویز نے تو اپنے ایامِ زندگی کو اس طرح تقسیم کر رکھا تھا۔ خنک ہوا چلے تو خواب و راحت، آسمان ابر آلود ہو تو شکار، موسمِ بہار اور بارش ہو تو شراب نوشی، اور لہو و لعب، اور اگر مطلع صاف ہو تو ضروریاتِ سلطنت اور دیگر مشاغل۔

لیکن پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی مبارک کے تین حصّہ کر رکھے تھے، ایک حصّہ خدا کی عبادت و طاعت کے لئے۔ ایک حصّہ خانہ داری کیلئے اور ایک راحت و آرام کے لئے۔ اور جس حصّہ کو آپ نے اپنے آرام کے لئے رکھا اُس کا بیشتر حصّہ لوگوں کی حاجات و ضروریات کے ایفار میں صرف فرماتے اور اس میں کسی خاص و عام کا کوئی لحاظ نہ ہوتا بلکہ ہر شخص اپنی ضروریات کے لئے کوشش کرتا اور بامراد واپس جاتا۔ آپ صحابہ سے ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ اگر کوئی شخص مجھ تک اپنی حاجت پیش کرنے میں کسی وجہ سے مجبور رہو تو تمہارا فرض ہے کہ اُس کی حاجت روائی کر دیا کرو۔ اس لئے کہ جو شخص ایسا کرے گا۔ خدائے قدّوس بھی اُس کو اُس خوف سے مامون و محفوظ رکھیگا

[1] مشکوٰۃ ۱۲

جو سخت خوف کا وقت ہوگا یعنی قیامت کا دن۔

زہد

دنیا سے بے رغبتی کا یہ عالم تھا کہ وفات کے وقت آپ کی زرہ صرف اہل وعیال کی قوت لایموت کی خاطر ایک یہودی کے یہاں رہن تھی۔ اور آپ کی دعا بھی یہی ہوتی تھی "اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ اٰلِ مُحَمَّدٍ قُوْتًا"، خدایا آلِ محمد کو بقدر قوت لایموت ہی دنیا سے حصّہ دینا۔ صدیقۂ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام حیاتِ طیبہ میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ تین روز مسلسل پیٹ بھر روٹی میسّر آئی ہو۔ اور جب آپ کا انتقال ہوا تو درہم و دینار، اونٹ بکری، کچھ بھی ترکہ نہیں چھوڑا۔ اور انتقال کے وقت میرے گھر میں ایک برتن میں تھوڑے سے جو کے سوا کچھ بھی کھانے کو نہ تھا۔

فرمایا کرتے تھے کہ خدا نے مجھسے پوچھا تھا کہ اگر تیری منشا ہو تو ہم مکہ کے پہاڑوں کو تیرے لئے سونیکا بنا دیں، میں نے عرض کیا خدایا میں یہ نہیں چاہتا میری خواہش تو یہ ہے کہ ایک دن اگر سیر رہوں تو دوسرے دن فاقہ سے گزاروں تاکہ جس روز سیر ہوں تو تیرا شکر اور تیری حمد کروں اور جس روز فاقہ ہو تو تیری درگاہ میں تضرع کروں اور دعا مانگوں۔

صدیقۂ عائشہ فرمایا کرتی تھیں کہ ایک ایک مہینہ ہو جاتا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل وعیال کے گھر آگ تک روشن نہ ہوتی تھی اور صرف کھجور اور پانی پر بسر اوقات ہوتی تھی۔

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ سادگی کا یہ عالم تھا کہ کبھی آپ نے خوان میز

پر کھانا نہیں کھایا اور نہ چھوٹی چھوٹی تشتریوں میں (تکلف سے) کھاتے اور نہ آپ نے کبھی چپاتی کھائی۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ کا بستر موٹے اون کا تھا جس کو میں زمین پر دوہرا کر کے بچھا دیتی اور آپ آرام فرماتے۔ ایک مرتبہ میں نے اس کی چار تہ کر کے بچھا دیا۔ صبح کو بیدار ہو کر دریافت فرمایا کہ رات کس قسم کا بستر تھا میں نے واقعہ بیان کیا تو ارشاد فرمایا سابق کی طرح دو تہ ہی رہنے دو۔ چار تہ کی راحت نے شب کو میری نماز میں خلل ڈال دیا۔

باوجود اس بات کے کہ آپ کے ایک اشارہ پر ہر قسم کا عیش و آرام میسّر ہو سکتا تھا۔ آپ کو تونگری کے مقابلہ میں فاقہ کی زندگی ہی مرغوب تھی۔ کبھی متعدد فاقوں سے نڈھال دیکھ کر میں رو پڑتی اور کہتی میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں کاش کہ قوتِ لایموت ہی آپ کو حاصل ہوتا تو فرماتے۔ عائشہ میرے لئے دنیا نہیں ہے۔ مجھ سے پہلے بڑے بڑے پیغمبر اس سے بھی زیادہ سختیاں جھیل چکے ہیں۔ اور صبر کے ساتھ زندگی گذاری ہے۔

خلاصہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عفت و امانت، ریاضت و عبادت، شجاعت و سخاوت غرض تمام اخلاقِ کریمانہ و اوصافِ حمیدہ میں وہ درجہ تھا جس کی نظیر پیش کرنے سے تاریخِ عالم قاصر ہے۔ آپ کے دورِ حیات کا ہر لمحہ دنیا کے لئے درسِ عمل اور مکمل قانون ہے۔ اور آپ کی زندگیٔ مبارک کا ہر ایک گوشہ اپنے اندر علم و عمل کا ایک بحرِ ناپیدا کنار رکھتا ہے۔ سچ فرمایا عائشہ صدیقہؓ نے

وَکَانَ خُلُقُہٗ الْقُرْاٰن اور صادق ہے کلامِ ربّانی وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ۔

ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے سوال کیا یا رسول اللہ آپ کا اُسوہ حسنہ کیا ہے ارشاد فرمایا۔ معرفتِ الٰہی میرا راس المال ہے، عقل میرے دین کی اصل ہے محبت میری زندگی کی بنیاد ہے۔ شوقِ الٰہی میرا مرکب ہے، اللہ کا ذکر میرا مونس ہے، وقار و ثقاہت میرا خزانہ ہے، آخرت کا درد میرا رفیق ہے، علم میرا ہتھیار ہے، صبر میری چادر ہے، اور خدا کی مشیت پر رضا میرا مالِ غنیمت ہے، عاجزی میرا فخر ہے، زہد میرا پیشہ ہے، یقین میری قوت ہے، سچائی میرا شفع ہے۔ طاعتِ الٰہی میرا حسب و نسب ہے، جہاد میرا خلق ہے، اور میری آنکھوں کی خنکی نماز میں ہے، اور میرے دل کا ذکر اللہ ہے، میں اپنی امت کا درد مند ہوں، اور اپنے رب کی ملاقات کے شوق میں زندگی بسر کرتا ہوں۔

سوالات

(۱) نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے اوصافِ حسنہ اور اخلاقِ فاضلہ کے بعض جستہ جستہ واقعات بیان کرو۔

(۱۶)

معجزات

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (انفال)

اور تو نے نہیں پھینکی مٹھی خاک جس وقت کہ پھینکی، لیکن اللہ نے پھینکی

معجزہ عربی لغت میں اسم فاعل کا صیغہ ہے جس کے معنی ہیں "تھکا دینے والی شئے" اور اس کا مصدر اعجاز ہے یعنی معجزہ لغت میں ایسی شئے کو کہتے ہیں جو اپنے مقابلہ سے عاجز کر دے۔

اسلامی شریعت میں معجزہ کی حقیقت یہ ہے کہ خدائے تعالےٰ اپنے پیغمبر اور نبی کی صداقت کے لئے اُس کے ہاتھوں کوئی فعل بغیر موجودگی اسباب کے ایسا کرا دے جس کو کوئی شخص بغیر اسباب مُہیّا کئے ہرگز نہ کر سکے۔ مثلاً ایک پیغمبر اپنی صداقت اور سچائی کی دلیل میں بہتے دریا کو لاٹھی مار کر دو ٹکڑے کر دیتا ہے جس کے درمیان سے راستہ نِکل آتا ہے۔ اب اگرچہ یہ ممکن ہے کہ خارجی اسباب کے ذریعہ دریا کے درمیان راستہ بنایا جا سکے اور بنایا جاتا ہے۔ لیکن نبی اس فعل کو سب کے رو برو بغیر کسی سبب خارجی کے کر دیتا ہے اس لئے سحر اور معجزہ کے درمیان بھی یہی فرق ہے کہ ساحر کی زندگی پر اگر غور کیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے اپنے سحر کو ایک فن اور علم کی طرح حاصل کیا ہے۔ اور اس ہی کے ذریعہ یہ اپنے کمالاتِ سحر دکھاتا ہے بخلاف نبی کے کہ اس کی تمام زندگی اپنی قوم میں گذرتی ہے!

ایک لمحہ کے لئے بھی اس کی زندگی سحر، جوتش، اور کہانت، میں صرف نہیں ہوتی اور اس کا اقرار خود اُس کے خاندان اور قبیلہ کو بھی ہوتا ہے اور وہ اس کے باوجود خدا کا نام لیکر ایک امر خارقِ عادات دکھا دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی اور پیغمبر کا معجزہ اور اُس کا عمل در اصل خود اس کے اپنے اختیار میں نہیں ہوتا کہ جب چاہے ایک ساحر کی طرح فن کے ذریعہ کرتب دکھا دے بلکہ اُسکا یہ تمام عمل درحقیقت خدا کا عمل ہوتا ہے۔ اگر خدا چاہتا ہے تو نبی سے معجزہ صادر ہو جاتا ہے ورنہ اگر نبی لاکھ چاہے تو معجزہ دکھانے پر قادر نہیں۔

لہ غلطی سے معجزہ کے معنی قانونِ قدرت کے خلاف کام کے سمجھے جاتے ہیں اور یہی بنا کر انبیاء علیہم السلام کے معجزات کا انکار کیا جاتا ہے اور گمراہی پھیلائی جاتی ہے اور بدقسمتی سے اس کا نام روشن خیالی رکھا جاتا ہے۔ اس لئے اس حقیقت کو پیش نظر رکھنا چاہئے کہ معجزہ خدا کے کسی قانون کو توڑتا نہیں ہے بلکہ عام قانون سے الگ خدا کے "خاص قانون" کو پیش کرتا ہے۔

جس طرح ہر شخص اپنی زندگی میں دو قسم کے حالات رکھتا ہے عام اور خاص اور دونوں ایک دوسرے سے جدا نظر آتے ہیں۔ روزانہ جو لباس پہنتا ہے اس سے جُدا اس کا وہ لباس ہے جو تہوار یا تقریبات کے موقعہ پر استعمال کرتا ہے۔ روزانہ زندگی میں جو باورچی خانہ کا دستور ہے وہ مہمانوں اور تقریبات کے موقعوں سے بالکل جدا ہے۔

اسی طرح حکومتوں میں جو قوانین عامّہ جاری ہیں بعض مخصوص حالات میں اُن سے جدا خاص قوانین بھی بنائے جاتے ہیں جو ہنگامی حالات میں ہنگامی حیثیت ہی رکھتے ہیں اور جن کو آجکل کی اصطلاح میں "آرڈیننس" کہا جاتا ہے۔ پس جس طرح ہماری زندگی کے خاص حالات کو جو خاص خاص موقعوں پر سامنے آتے ہیں اور جس طرح حکومتوں کے خاص ہنگامی قوانین کو عام حالات وعام قوانین کے لئے توڑنے والا نہیں کہا جاتا بلکہ بسا اوقات اُن کے لئے ممد و معاون سمجھا جاتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح عام قانون قدرت سے جدا جب کسی پیغمبر کی صداقت کے لئے خدائے تعالیٰ اپنے خاص قانون قدرت کو ظاہر فرماتا ہے تو اُس کو "خاص قانون" کیوں نہ کہا جائے اور اُس کو قانونِ قدرت کے خلاف کیوں سمجھا جائے ۱۲

یوں تو سب چیزیں خدا نے ہی پیدا کی ہیں اور اُسی کے قبضہ میں ہیں لیکن جن چیزوں کو اُس نے اسبابِ دنیوی کے ساتھ متعلق کر دیا ہے۔ ایک انسان اگر اِن اسباب کو عمل میں لائے تو اُس چیز کو بنا سکتا ہے جو ان اسباب سے متعلق ہے لیکن جس معجزہ کو نبی دکھاتا ہے وہ اسباب سے بالاتر ہو کر محض خدا کا عمل ہوتا ہے اور پیغمبر صرف ایک واسطہ، اور سفیر محض کی طرح کام کرتا ہے۔ اِسی حقیقت کو قرآن عزیز نے اس طرح ادا فرمایا ہے وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی (یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم نے جو کفار پر مٹھی بھر خاک ڈالی وہ تم نے نہیں ڈالی بلکہ اللہ نے اُن پر خاک ڈالی)

غزوۂ اُحد میں پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک مٹھی بھر خاک کفار کی طرف خدا کا نام لے کر پھینکی جس نے تمام لشکرِ کفار کی آنکھوں میں اثر کیا اور قریش کا لشکر بھاگ کھڑا ہوا۔ آیتِ مذکورہ بالا اسی واقعہ میں نازل ہوئی ہے۔

اس میں صاف بتا دیا گیا ہے کہ معجزہ حقیقت میں اسباب سے بالاتر محض خدا کا فعل ہے جو بواسطۂ پیغمبرؐ اس لئے کیا جاتا ہے کہ اس سے ہی پیغمبر کی صداقت کا یقین ہو، ورنہ ایک مشتِ خاک کو ہزاروں انسانوں کی آنکھ میں مٹی پہنچا دینا نبی کی اپنی ذاتی طاقت سے باہر ہے۔

معجزہ پیغمبر کی صداقت کی دلیل کس طرح ہے اس کا جواب علماء نے اس طرح مثال میں دیا ہے کہ اگر کوئی بادشاہ اپنے کسی وزیر کو معتمد بنا کر سلطنت کے نظم و نسق کو اس کے ہاتھ میں سپرد کر دے اور دیگر لوگوں کے

سامنے اس کا دعوےٰ بھی کرے کہ میں سلطان کی جانب سے نائب السلطنت ہوں، تو فطری بات ہے کہ ہر شخص اُس سے اس دعوے کی تصدیق چاہیگا ایسی صورت میں اگر وزیر بادشاہ سے مخاطب ہو کر یہ کہے کہ واقعی آپ نے اگر مجھے اپنا نائب بنایا ہے تو آپ میرے کہنے سے فلاں عمل ضرور کیجئے۔

پس اگر بادشاہ نے اُس کا کہا مان لیا تو سمجھنا چاہیئے کہ وہ شخص واقعی بادشاہ کے نزدیک اُس کا نائب ہے ورنہ بادشاہ اُس کے اس کہنے کو ہرگز نہ مانتا بلکہ اس کے خلاف اس دعوے پر سخت سزا دیتا[۱]۔ پیغمبر بھی اسی طرح دعوےٰ کرتا ہے۔ کہ میں خدا کا پیغمبر اور دنیا میں اُس کا خلیفہ بنا کر بھیجا گیا ہوں اور اس دعوے کی تصدیق کے لئے سب کے سامنے بغیر اسباب کو کام میں لائے ما فوق الفطرۃ عمل کرکے دکھاتا ہے جس کے معنے یہ ہیں کہ واقعی وہ خدا کا پیغمبر ہے۔ ورنہ خدا ہرگز اُس کو صادق ظاہر کرنے کیلئے معجزات کے ذریعہ اُس کی امداد نہ فرماتا۔ یہی وجہ ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعویٰ نبوت فرمایا اور اپنی تصدیق کے لئے معجزات دکھائے اور سب سے بڑا اور آخری معجزہ قرآن پیش کیا۔ اور تب بھی مشرکین نے آپ کو جھٹلایا، اور آپ کی تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا تم اتنا بھی

---

[۱] لیکن ایک مرتبہ بھی بادشاہ نے اپنے نائب السلطنت کی نیابت کی صداقت کے لئے کوئی نشانی عطا فرمادی اور اُس کے دیکھنے اور یہ سمجھ لینے کے بعد کہ یہ بادشاہ کی ہی نشانی ہے بعض لوگوں نے بار بار اُس سے نشانات طلب کرنے چاہے تو کوئی ضرور نہیں کہ ایسے احمقوں کے لئے بار بار اپنی نشانیاں دیتا رہے بلکہ اس کے برعکس طلب کرنیکے خود مستوجب سزا ہوں گے"

نہیں سمجھتے کہ اگر یہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ہم پر جھوٹ بولتا تو ہم کو کون طاقت مانع تھی کہ ہم اس کی شہ رگ کاٹ دیتے۔ پس ہمارا معجزات کے ذریعہ اُس کی امداد کرنا اُس کی صداقت کی زبردست دلیل ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جھوٹے مدعیان نبوت کی تصدیق میں خدا کی طرف سے کوئی معجزہ ظاہر نہیں ہوتا اور خدا کا یہ خاص قانون کسی طرح اُس کی امداد نہیں کرتا۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ جس نبی اور رسول کی نبوت و رسالت کی تصدیق خدا نے معجزہ اور دلائل واضحہ کے ساتھ کر دی ہو تقابل میں معجزہ کے مقابلہ سے عاجز ہو گئے تو پھر اس نبی اور رسول کو ہرگز یہ موقعہ نہیں دیا جا سکتا کہ وہ خدا پر جھوٹ اور افترا باندھے اور نہ کہی ہوئی بات کو خدا کے ذمہ غلط طور پر لگائے۔ اور اگر بغرض محال وہ ایسا کرے تو خدا کی گرفت فوراً اُس کو پکڑ لے اور اُس گردن کاٹ کر اُس کو رسوا اور ذلیل کر دے اور عذاب الٰہی میں مبتلا ہو جائے کیونکہ اگر ایسا نہ ہو تو پھر خدا کے پیغام سے حق و ناحق کا امتیاز دنیا سے اُٹھ جائے اور صادق و کاذب ہونیکا کوئی معیار ہی باقی نہ رہے اور اس طرح ہمیشہ کے لئے رشد و ہدایت کی تصدیق سے اماں اُٹھ جائے۔

رہا جھوٹے نبی کا معاملہ سو اُس کی تکذیب اور رسوائی کے لئے تو یہی کافی ہے کہ خدائے تعالےٰ اپنے معجزات کے ذریعہ اُس کی تصدیق ہی نہیں کرتا تاکہ شروع ہی سے اُس کے کذب و افترا کی تصدیق ہو جائے

گورنر جنرل، گورنر یا وہ معزز حاکم جو بادشاہ کی سند سے سند نیابت پر قائم کیا گیا ہے اگر وہ بادشاہ کے خلاف سازش کرنے لگے یا اُس پر جھوٹی تہمت

تراشے تو یقیناً وہ اس کا مستحق ہے کہ بادشاہ فوراً اس کا تدارک کرے اور اُس کو انتہائی سزا دے تاکہ آئندہ دوسرے واقعی نائبین کو عبرت ہو۔

مگر ایک واہی اور بازاری انسان لاکھ بار بھی کوچہ و بازار میں یہ اعلان کرتا پھرے کہ میں بادشاہ کا نائب ہوں تو نہ حکومت ایسے ذلیل انسان کو درخور اعتنا سمجھتی ہے نہ رعایا و حکام، اسی کو قرآنِ عزیز نے اس معجزانہ انداز میں بیان فرمایا ہے کہ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا الآیہ۔

بعض جھوٹے مدعیانِ نبوت نے اپنی بازاری نبوت کی دوکان سجانے کے لئے اس آیت کو سچے اور جھوٹے نبی کے لئے معیارِ صداقت قرار دیا ہے یعنی اُس کے نزدیک اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص بھی دعوے نبوت کرے اور وہ دس پانچ برس اسی حالت میں زندہ رہے تو سمجھو کہ وہ سچا نبی ہے۔ اگر جھوٹا ہوتا تو قتل ہو جاتا۔

مگر قرآنِ عزیز میں اس تحریف کرنے والے کو یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ اگر یہ آیت اُس کے بتائے ہوئے معنے کے مطابق کسی نبی کی صداقت وعدم صداقت کا معیار ہو۔ تو یہود پر لعنت کی جو وجوہات خدائے تعالےٰ نے قرآن میں بیان فرمائی ہیں اُس میں سے اس آیت کا مطلب کیا ہوگا وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيِّيْنَ بِغَيْرِ حَقٍّ اور یہ قتل کیا کرتے ہیں سچے نبیوں کو بلا دلیل۔ اس لئے کہ اس مدعی نبوت کے نزدیک تو جس شخص کی بھی دعوے نبوت کے بعد گردن کاٹ دی جائے وہ ہی جھوٹا ہے

حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کی تحریف سے کسی جھوٹے کا مقصد حاصل ہونا

ناممکن ہے جیسا کہ معلوم ہو چکا۔ اس آیت کا حاصل صرف اسی قدر ہے کہ سچے نبی کی معجزات و دلائل کے ساتھ امداد کرنے کے بعد (بالفرض) اُس کے جھوٹ کہنے اور تہمت تراشنے پر فوراً ہی خدا کی طرف سے اُس کو عذاب میں مبتلا کر دیا جاتا ہے اور وہ گردن زدنی ہو جاتا ہے۔

اور جھوٹے اور سچے نبی کی تصدیق و تکذیب کے معیار کا اس آیت میں قطعاً کوئی اندازہ نہیں ہے

اسی کو قرآنِ عزیز نے اس طرح ادا کیا ہے وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ۞ اگر پیغمبر ہم پر جھوٹی باتیں لگاتا تو ہم اس کو فوراً گرفت میں لے لیتے اور اس کی گردن کاٹ دیتے اور ہم کو ایسا کرنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔

قرآنِ عزیز

تَبَارَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا (الفرقان)

بڑی برکت ہے اس کی جس نے اُتاری فیصلہ کی کتاب اپنے بندہ پر تاکہ رہے جہان والوں کیلئے ڈرانیوالا

معجزات کی دو قسمیں ہیں۔ ایک علمی۔ دوسرے عملی۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا علمی اور زندہ معجزہ قرآنِ عزیز ہے۔ قرآنِ عزیز کے معجزہ ہونے کے وہ معنے نہیں ہیں جو اوپر بیان کئے گئے ہیں اس لئے کہ یہ قرآن پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام نہیں ہے بلکہ خدا کا کلام ہے جو پیغمبر کو عطا کیا گیا ہے۔ قرآن کے علاوہ علمی و عملی معجزات میں یہ ممکن ہے کہ اگر اُن کے اسباب کو ہم معلوم کر سکیں تو اسباب کے ذریعہ ہم بھی اس کام کو کر سکتے ہیں لیکن قرآنِ عزیز

اس طرح کا معجزہ نہیں ہے اس لئے کہ وہ خدا کا کلام ہے اور جس طرح کوئی خدا نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح کوئی خدا کے کلام پر بھی قدرت نہیں رکھ سکتا اور جس طرح خدا قدیم ہے اسی طرح اس کی صفت بھی قدیم ہے۔

قرآن عزیز اپنے نظم (الفاظ) اور معنے دونوں کے اعتبار سے معجز ہے اور اُس کے معجز ہونے کے دلائل اگرچہ بہت زیادہ ہیں لیکن ہم یہاں وہی بیان کرتے ہیں جو عام فہم ہیں۔

(۱) قرآن کی زبان عربی ہے اور جس ذات پر وہ نازل ہوا ہے وہ خود عربی نژاد ہے۔ اس کی تمام زندگی بچپن سے دعوی نبوت تک انہی کے سامنے اس حال میں گذری ہے کہ ایک حرف کسی اُستاد کے سامنے نہ سیکھا اور نہ علمی مجالس ہی عرب میں موجود تھیں جہاں رہکر اساتذہ سے تربیت پائی ہو۔ اُس نے جب قرآنِ عزیز کی ان آیات کو سُنا کر [۱] وَاِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ (بقرہ) [۲] قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا (بنی اسرائیل)

---

[۱] اور اگر تم شک میں ہو اُس کلام سے جو اُتارا ہم نے اپنے بندہ پر تو لے آؤ ایک سورت اس جیسی اور بلاؤ اُس کو جو تمہارا مددگار ہو اللہ کے سوا اگر تم سچے ہو پھر اگر ایسا نہ کر سکو اور ہرگز نہ سکو گے تو پھر بچو اُس آگ سے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں ۱۲ [۲] کہدیجئے اگر جمع ہوں آدمی اور جن اسپر کہ لادیں ایسا قرآن ہرگز نہ لادیں گے ایسا قرآن اگرچہ مدد کیا کریں ایک دوسرے کی ۱۲

قُلْ[1] فَأْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مُّفْتَرَيَاتٍ (هود) تحدّی[2] کی اور دعوے کیا کہ اے اہلِ عرب تم عربی نژاد ہو، فصاحت و بلاغت میں بے نظیر و بے مثال ہو، اگر ہمت ہے تو تن تنہا نہیں بلکہ کل قوتیں اور کل فصحاء و بلغاء جمع ہو کر ایک سُورت یا ایک آیت اس قرآن کی مثل لے آؤ۔

تو تاریخ بتاتی ہے کہ کسی میں اس کے مقابلہ کی جرأت نہ ہوئی کہ اس اُمّی انسان کے لائے ہوئے قرآن کے دعوے کو جھٹلا سکے۔ اور اس کے مقابلہ میں ایک آیت پیش کر کے ہمیشہ کے لئے اسلام کا خاتمہ کر دے، (العیاذ باللہ) ہوا تو یہ ہوا کہ جب اس مقابلہ میں ذلیل و ناکام ہوئے تو بجائے حق کو تسلیم کر لینے اور مان لینے کے آپ کی جان کے اور زیادہ دشمن ہو گئے اور ہارے ہوئے دشمن کی طرح کمینہ پن اور ذلیل ایذادہی پر اُتر آئے اور کہنے لگے قُلُوْبُنَا[3] غُلْفٌ (بقرہ) قُلُوْبُنَا[4] فِیْۤ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَاۤ اِلَیْهِ وَفِیْۤ اٰذَانِنَا وَقْرٌ (فصلت) لَا[5] تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِیْهِ (فصلت)

قرآن کا یہ دعوے ساڑھے تیرہ سو برس سے آج تک اسی طرح موجود ہے اور فریق مخالف اس کے مقابلہ سے آج بھی اسی طرح عاجز ہے جسطرح ساڑھے تیرہ سو برس پہلے عاجز تھا۔ آج بھی وہ عیسائی اور یہودی جو عربی زبان کے امام سمجھے جاتے ہیں اس کا اقرار کرتے ہیں کہ فصاحت و بلاغت میں اس

[1] کہدیجے کہ تم بھی لے آؤ ایک دس سورتیں ایسی بنا کر ۱۲ [2] مقابلہ کرنیکی آواز (یعنی چیلنج) دینا ۱۲
[3] ہمارے دلوں پر غلاف ہے ۱۲ [4] ہمارے دل غلاف میں ہیں اُس بات سے جس کی طرف تو ہم کو بلاتا ہے اور ہمارے کانوں میں بوجھ ہے ۱۲ [5] مت کان دھرو اس قرآن کے سننے کو اور بک بک کرو اُس پڑھنے میں ۱۲

اس درجہ کی کتاب دنیوی انسانوں سے ناممکن ہے، تم غور کرسکتے ہو کہ جب اہلِ زبان کے سلف و خلف کے عجز کا یہ حال ہے تو آج اگر کوئی ایسا شخص قرآن کی اس حقیقتِ ثابتہ کا انکار کرے جو اہلِ زبان بھی نہ ہو تو اُس کا انکار کیا وزن رکھتا ہے، ہاں بعض بیوقوف اور سڑی لوگوں نے عربی کے غلط سلط جملے بنا کر پیش بھی کئے مگر اُن کا یہ حال ہے کہ اہلِ زبان نے جب اُن کو سُنا تو اس قابل بھی نہ سمجھا کہ اُن کو عربی زبان میں کوئی درجہ بھی دیں بلکہ اس کا مضحکہ اُڑایا اور کہنے والے ہی کو خود ذلیل و رسوا کر دیا۔

(۲) قرآنِ عزیز کے احکام اور اس کا قانون صاف بتاتا ہے کہ یہ کسی انسانی دماغ کا بنایا ہوا نہیں ہے چہ جائیکہ ایک اُمّیؐ (اَن پڑھ) انسان کا بنایا ہوا ہو۔ دنیا کے انقلاب کے ساتھ بہتر سے بہتر دماغوں کے بنائے ہوئے قانون ردّی کی ٹوکری کے حوالے ہو گئے لیکن نہ صرف مسلمان بلکہ غیر مسلم اہلِ علم و اہلِ دماغ آج بیسویں صدی میں بھی قرآن کے قوانین اخلاقی، قوانین سیاسی، قوانین معاشرتی اور قوانینِ مذہبی کی مدح و تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ اور حیرت کے ساتھ اُس کی عدیم المثال و عدیم النظیر ہمہ گیری کے معترف ہیں۔

(۳) قرآنِ عزیز نے وہ غیبی خبریں دیں جن کے وجود کا کوئی امکان نہ تھا اور آخر ان میں سے ہر ایک خبر صحیح اور صادق نکلی۔ یہ دلیل ہے اس امر کی کہ یہ کلام واقعی عالم الغیب والشہادۃ کا کلام ہے نہ کسی انسان کا مثلاً روم و فارس کی جنگ میں روم کی فتح کی اس طرح خبر دی وَهُمْ مِّنْ بَعْدِ

غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ (رومیوں نصاری) کو اس مغلوبیت کے بعد جو ان کو پارسیوں کے ہاتھوں ہوئی چند ہی سال میں فتح کامل ہوگی) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو باوجود قلتِ عدد اور کمی سامانِ جنگ کے اطلاع دی۔ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۵ (تم مسجدِ حرام (مکہ) میں انشاء اللہ امن کے ساتھ داخل ہوگے۔) یہ دونوں باتیں حرف بحرف صحیح نکلیں۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ الاٰیۃ (اللہ تعالیٰ اُن سے وعدہ کرتا ہے جو مومن ہیں اور عملِ صالح کرتے ہیں کہ وہ اُن کو زمین میں اپنا خلیفہ کرے گا) یہ وعدہ پورا ہوا اور تقریبًا ایک ہزار سال شرق سے غرب تک، اور جنوب سے شمال تک، ایشیا، یورپ، افریقہ، غرض تمام دنیا پر مسلمانوں نے حکومت کی، یہ اُن کی بداعمالیوں کا نتیجہ ہے کہ آج وہ اس سے محروم ہیں۔ ورنہ کسی قوم کی سطوت وحکومت کی تاریخ اِسقدر طویل نہیں جیسی کہ مسلمانوں کی۔

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ الاٰیہ بدر کی فتح کی بشارت واقعۂ بدر سے قبل دیدی گئی تھی۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۵ (ہم ہی نے قرآن نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں) تمام ادیان ومذاہب کی کتابیں دستبرد اور تحریف سے محفوظ نہ رہ سکیں۔ اور خود اصحابِ مذاہب کو اس کا اقرار ہے۔ لیکن یہ قرآنِ عزیز ہی کا معجزہ ہے کہ مسلمانوں کے عروج و زوال دونوں حالتوں میں اس کے ایک نقطہ میں بھی تبدیلی نہ آسکی، اور

یہی ایک کتاب ہے جو آج بھی سینکڑوں ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں انسانوں کے سینوں میں اسی طرح محفوظ ہے۔

(۴) قرآنِ عزیز نے گذشتہ قوموں کے حالات بیان کئے اور اُن کے اُن واقعات کو روشن کیا جن کے حالات نہ اس سے قبل اس طرح کتابوں میں محفوظ تھے اور نہ زبانوں پر۔ کتبِ قدیم میں اگر ذکر بھی تھا تو بعض اقوام کا اور وہ بھی مجمل و مختصر، مگر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کی قوم بوجہ اُمّی ہونے کے ان سے بھی ناواقف تھی۔ مثلاً قوم عاد و ثمود کے حالات،

(معجزاتِ علمی) شق القمر

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝ (قمر)

پاس آگئی قیامت اور پھٹ گیا چاند،

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے عملی معجزات میں سب سے زیادہ محیر العقول تو آپ کی وہ پاک زندگی ہے جس کی ایک ایک ساعت اور ایک ایک پل مستقل معجزہ ہے، تنہا ایک ذات، بے یار و مددگار، اسبابِ دنیوی سے یکسر خالی تمام دنیا کے سامنے کلمۂ حق بلند کرے۔ جو صدیوں سے اہلِ دنیا کے سامنے غیر مانوس ہو چکا ہے۔ اور پھر مخالفوں کی مخالفت اور دشمنوں کی عداوت کے باوجود اس طرح غالب آئے۔ اور اسلام کی دولت کی یہ فراوانی ہو جو تمام دنیا کے گوشہ گوشہ میں نظر آرہی ہے، یہ سب اُس معجز نما ہستی کا معجزہ نہیں تو اور کیا ہے؟ مگر آپ کی معجزانہ سیرت (جس کی تفصیل گذشتہ اوراق میں بیان ہو چکی ہے) کے علاوہ بھی آپ کے معجزاتِ عملی کا سلسلہ بہت زیادہ ہے جس کا

وجود اور انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات طیبہ میں بھی اگرچہ پایا جاتا ہے مگر آپ کے معجزات اُن کے مقابلہ میں ممتاز شان رکھتے ہیں۔ اِسی سلسلہ میں سے مشہور معجزہ شقِ قمر کا معجزہ ہے۔

ہجرت سے قبل ایک شب صنادیدِ قریش ابوجہل، ابولہب وغیرہ خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے (آپ اسوقت جبلِ ابوقبیس[۱] پر تشریف فرما تھے) اور کہنے لگے کہ اے محمدؐ اگر تو خدا کا پیغمبر ہے اور اپنے دعوے میں صادق، تو اس چاند کو جو بدر کی صورت میں ہم کو نظر آتا ہے دو ٹکڑے کردے، آپ نے بارگاہِ خداوندی میں مناجات کی اور پھر چاند کی طرف انگشتِ مبارک سے اشارہ کیا۔ چاند اُسی وقت دو ٹکڑے ہوگیا۔ ایک حصّہ جبلِ ابوقبیس کی جانب اور دوسرا دوسری جانب نظر آنے لگا۔ مشرکین یہ دیکھ کر اس کے سوا کچھ نہ کہہ سکے اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ عَظِیْمٌ (واقعی یہ تو بہت بڑا جادو ہے۔) اس معجزہ کی شہادت ملیبار کے راجہ چیرامن پیرومل نے (جس کو عربی میں سامری کہتے ہیں) بھی دی ہے۔ جس کا مفصل ذکر تاریخ فرشتہ اور ملیبار مینول مرتبہ برٹش گورنمنٹ میں بھی ہے۔ ہم نے اس عجیب و غریب واقعہ کو "مالابار میں اسلام" کے نام سے شائع کردیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ہند کے مشہور راجہ بھوج نے بھی اس کی شہادت دی ہے۔

کثرتِ آب

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک سفر میں عصر کی نماز کا وقت آگیا،

---

[۱] مکہ کی ایک پہاڑی کا نام ہے، جو مسجد حرام کے سامنے اور اس سے قریب تر ہے ۱۲

پانی موجود نہ تھا، آپ نے فرمایا کہ وضو کا برتن لاؤ۔ آپ نے برتن میں اپنی انگلیاں رکھیں۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ہم دیکھ رہے تھے کہ آپ کی انگلیوں سے پانی نکل رہا تھا۔ سوال کرنے پر حضرت انسؓ نے فرمایا کہ ہم تین سو سے زیادہ آدمی تھے جنھوں نے اس پانی سے وضو بھی کر لیا اور پینے کے لئے بھی رکھ لیا[1]۔

اس روایت کے راوی تنہا حضرت انسؓ ہی نہیں ہیں بلکہ یہ حدیث صحیح اسناد سے بہت سے جلیل القدر صحابہؓ نے روایت کی ہے جن میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت جابرؓ جیسے صحابہ شامل ہیں (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

اسی طرح کا ایک واقعہ حُدَیبیہ میں پیش آیا۔ حُدَیبیہ میں تقریباً پندرہ سو آدمی تھے۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ اگر ہم ایک لاکھ بھی ہوتے تو پانی میں کمی نہ آتی۔ ہم دیکھ رہے تھے کہ آپ کی انگلیوں سے چشمہ کی طرح پانی اُبل رہا تھا[2]۔

اِسی طرح کا ایک واقعہ ایک اور سفر کا حضرت ابن مسعودؓ نے نقل کیا ہے، اِن تمام وقائع کی صحت و شہادت مشاہیر صحابہؓ سے ثابت ہے یہ اور اسی قسم کے متعدد وقائع" جو غزوۂ تبوک وغیرہ میں پیش آئے" صحیح اسناد، اور جلیل القدر صحابہ کی روایات سے مروی ہیں۔

کثرتِ طعام

حضرت طلحہؓ[3] فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت انسؓ چند جو کی روٹیاں

---

[1] بخاری و مسلم ۱۲ [2] صحیحین ۱۲ [3] مشکوٰۃ بحوالہ ترمذی وغیرہ ۱۲

لیکر آئے۔ روٹیاں کل اتنی تھیں کہ حضرت انسؓ اپنی بغل میں دبائے ہوئے تھے۔ آپ نے صحابہ کی ایک جماعت کی دعوت کی اور دعائے برکت دیکر اُن کو اُنہی روٹیوں پر بٹھادیا۔ حضرت طلحہؓ فرماتے ہیں کہ تقریبًا ساٹھ یا ستر آدمی تھے جو اس دسترخوان سے شکم سیر ہوکر اُٹھے۔

اسی طرح حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ غزوۂ خندق میں تقریبًا دو سیر آٹے اور ایک بکری کے بچہّ میں آپ کی دُعا کی برکت سے ایک ہزار مجاہدین شکم سیر ہوکر اُٹھے، حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ صحابہ کھا کھا کر جا رہے تھے مگر خدا کی قسم گوشت کی ہانڈی اور جو کی روٹیوں میں کوئی کمی نہیں آتی تھی۔ اور دونوں برتن اُسی طرح بھرے ہوئے نظر آرہے تھے۔

اسی طرح حضرت ابو ایوب انصاریؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیقؓ کی دعوت کی، کھانا اسی قدر تھا کہ دونوں کو کافی ہو جائے۔ مگر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دست مبارک سے چھوا اور دعائے برکت دی۔ پھر صحابہ کی ایک جماعت کو بلا کر شریکِ طعام کیا۔ اِسی کھانے سے کہ جو صرف دو آدمیوں کے لئے طیار کیا گیا تھا۔ ایک سو اَسّی آدمی شکم سیر ہوکر اُٹھے۔

اسی طرح کے بیسوں وقائع ہیں جو زمانۂ حیاتِ مبارک میں پیش آئے اور مشہور و جلیل القدر صحابہ نے اُن کو روایت کیا ہے۔

صحتِ امراض

غزوۂ احد[1] میں حضرت قتادہ بن نعمان کی آنکھ نکل کر باہر آگئی تھی نبی کریم

[1] صحاح و جمع الفوائد۔

صلے اللہ علیہ وسلم نے دستِ مبارک سے اُٹھا کر آنکھ کو اُس کے حلقہ میں رکھدیا حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ اُس وقت سے اُس آنکھ کی روشنی پہلے سے زیادہ ہوگئی۔

اسی طرح غزوہ ذی قرد میں ابو قتادہ انصاری کے چہرہ پر ایک تیر آکر لگا۔ آپ نے فوراً تیر نکالا۔ اور خون صاف کر کے لعابِ دہن مبارک اُن کے زخم پر مل دیا۔ زخم اُسی وقت بھر گیا۔

اسی طرح حضرت علیؓ کی آنکھیں غزوہ خیبر میں آشوب کر آئیں جس کی تکلیف کی وجہ سے حضرت علیؓ سخت بے چین تھے۔ آپ نے دونوں آنکھوں میں اپنا لعابِ دہن لگا دیا۔ حضرت علیؓ کی آنکھیں اُسی وقت صاف ہوگئیں اور خیبر کے مشہور قلعہ کے فاتح یہی بنے

اسی قسم کے بیسیوں واقعات صحیح احادیث میں مذکور ہیں جن میں برص استسقاء، اور دوسرے امراض کے شفایاب ہونے کا ذکر ہے۔

حنانہ

مسجدِ نبوی میں محراب کے قریب کھجور کا ایک تنہ کھڑا تھا۔ آپ خطبہ کے وقت اُس سے کمر لگا کر کھڑے ہوتے تھے۔ سنہ ۳ھ میں جب آپ کے ارشاد کے مطابق ایک نجار کے لڑکے نے جھاؤ کی لکڑی کا منبر بنایا تو جمعہ کے روز آپ بجائے اس تنہ سے سہارا لگانے کے منبر پر کھڑے ہو گئے۔ ابھی خطبہ شروع ہوا ہی تھا کہ صحابہ نے ایک حیرت زا واقعہ دیکھا۔ کھجور کا خشک تنہ بچوں کی

لہ ص۲۵ صحاح در جمع الفوائد

طرح سسکیاں لے لے کر رو رہا ہے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ دیکھا تو منبر سے اُترے اور اُس پر ہاتھ رکھا تنہ دستِ مبارک رکھنے پر خاموش ہو گیا۔ آپ نے صحابہ کو حکم دیا کہ اس کو اُکھاڑ کر منبر کے قریب دفن کر دیں۔ اور پھر فرمایا کہ یہ اس لئے روتا تھا کہ وہ ذکر الٰہی جو اس سے لگ کر ہوا کرتا تھا آج وہ اس سے محروم ہو گیا۔

اس روایت کو بھی صحابہ کی ایک بہت بڑی تعداد نے روایت کیا ہے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے عملی معجزات کے سلسلہ میں اسی قسم کے سینکڑوں وقائع ہیں جو احادیثِ صحیحہ میں مذکور ہیں۔ اور جن کی تفصیل اس جگہ مناسب نہیں ہے۔ خدا نے آپ کو عملی اور علمی کمالات کا وہ جامع اور مکمل انسان بنایا تھا جس کی نظیر دنیائے انسانی پیش کرنے سے سرتاسر عاجز و حیران ہے۔

خلاصہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا اہم جزو معجزات بھی ہیں۔ معجزہ دراصل خدا کا فعل ہوتا ہے اور نبی فقط واسطہ بنتا ہے۔ اس لئے معجزہ ایسے فعل کو کہتے ہیں جو اسباب کے بغیر وقوع پذیر ہو۔ معجزہ کی دو قسمیں ہیں۔ علمی و عملی، علمی معجزہ میں سب سے اہم، اور زندۂ جاوید، ازلی و ابدی، اللہ کا کلام قرآنِ مجید ہے۔ عملی معجزات اگرچہ بہت ہیں مگر سب سے اہم خود آپ کی ذاتِ اقدس، اور آپ کی حیاتِ طیبہ، دنیا میں محیّر العقول معجزہ ہے۔ اس کے علاوہ بہت سے معجزات اس قسم کے بھی ہیں جو آپ سے قبل بھی خدا کے خاص برگزیدہ انبیاء و رسل کو مرحمت ہوئے ہیں۔ مثلاً بیمار و ں

کی شفایابی۔ محیّر العقول برکاتِ طعام و آب، حنّانہ کا جانداروں کی طرح رونا، شقِ قمر وغیرہ۔

سوالات

(۱) قرآن کے معجزہ ہونے کے مختصر دلائل بیان کرو۔

(۲) پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کے علمی معجزات میں سے بعض معجزات کے واقعات بیان کرو۔

(۳) معجزہ کس کو کہتے ہیں اور اس کی کتنی قسمیں ہیں؟

(۴) قرآنِ عزیز کس قسم کے معجزہ میں داخل ہے؟

(۵) معجزہ اور سحر میں کیا فرق ہے؟

(۱۷)

خصائص النبی

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ (بقرہ)

یہ سب رسول فضیلت دی ہم نے ان میں بعض کو بعض سے

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فُضِّلْتُ عَلَى الْاَنْبِیَاءِ بِسِتٍّ اُعْطِیْتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ وَاُحِلَّتْ لِیَ الْغَنَائِمُ وَجُعِلَتْ لِیَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَّطَهُوْرًا وَّاُرْسِلْتُ اِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً وَّخُتِمَ بِیَ النَّبِیُّوْنَ (مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھ کو خدائے تعالیٰ نے پہلے نبیوں، اور رسولوں پر چھ چیزوں میں فضیلت عطا فرمائی ہے۔ (۱) مجکو جوامع الکلم عطا فرمائے ہیں (۲) اور میری فتح وکامیابی کے لئے مجکو دشمنوں کے مقابلہ میں خاص رُعب بخشا ہے (۳) میری (امت کے) لئے مالِ غنیمت کو حلال کیا۔ (۴) تمام زمین میرے لئے مسجد اور پاک قرار دی (۵) مجکو تمام مخلوق کے لئے پیغمبر بنا کر بھیجا۔ (۶) اور انبیاء ورسل کی نبوت مجھ پر ختم کر دی۔

اس حدیث میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے چند وہ فضائل درج ہیں جنکو آپ کی خصوصیات میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس لئے مناسب ہے کہ اختصار کے ساتھ اِن فضائل اور خصوصیات کو بیان کر دیا جائے۔

جوامع الکلم

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا (بقرہ)

اور جس کو سمجھ ملی اُس کو بڑی خوبی ملی (۲-۳)

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے اُعْطِيتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ مجکو خدا نے جوامع الکلم عطا فرمائے ہیں۔

جوامع الکلم حکمت و دانائی کی وہ بات ہے جو ایک مختصر سے جملہ میں اس طرح ادا کر دی جائے کہ اگر عقلاء زمانہ، و حکماء دہر بھی اس بات کی حقیقت کو ادا کرنا چاہیں تو صفحات کی تحریر اور گھنٹوں کی تقریر میں بھی بمشکل اس سے عہدہ برا ہو سکیں۔ اس لئے مناسب ہے کہ احادیثِ صحیحہ میں سے اُن چند جوامع الکلم کو بھی نقل کر دیا جائے جو ان حقائقِ مذہبی، اخلاقی، تمدنی، معاشرتی اور سیاسی کو ادا کرتے ہیں جن کو بڑے بڑے حکما نے مستقل تصانیف میں ادا کیا ہے

تعلیم و تربیت

طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم و ان طالب العلم یستغفر لہ کل شیٔ حتی الحیتان فی البحر [۱]	ہر مسلمان پر علم کا سیکھنا ضروری ہے اور طالب علم کے لئے ہر شئے استغفار کرتی ہے یہاں تک کہ دریا میں مچھلیاں بھی۔
العلم خلیل المؤمن والعقل دلیلہ والعمل قیمتہ [۲]	علم مومن کا دوست ہے اور عقل اسکی دلیل ہے اور عمل اس کی قیمت ہے۔
العلم حیات الاسلام وعماد الدین [۳]	علم اسلام کی حیات ہے اور دین کا ستون

[۱] معجم طبرانی کبیر عن انس ۱۲ [۲] شعب الایمان للبیہقی عن الحسن مرسلاً ۱۲ [۳] ابو الشیخ عن ابن عباس ۱۲

اطلبوا العلم ولو بالصين [1]
علم کو طلب کرو اگرچہ چین میں ہو۔

من يرد الله به خيرا يفقهه في الدين ويلهمه رشده [2]
خدا جس کو بھلائی دینے کا ارادہ کرتا ہے اسکو دین کی سمجھ اور اسکی طرف صحیح رہنمائی عطا فرماتا ہے

كلمة الحكمة ضالة المؤمن فحيث وجدها فهو احق بها [3]
کلمۂ حکمت مومن کی گمشدہ پونجی ہے جس جگہ وہ اُس کو پائے وہ مومن کا حق ہے۔

ليس مني الا عالم او متعلم [4]
عالم اور طالب علم کے علاوہ کوئی میرے طریق پر نہیں

فقيه واحد اشد على الشيطان من الف عابد [5]
ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابدوں سے بھاری ہے۔

میانہ روی

يسروا ولا تعسروا وبشروا ولا تنفروا [6]
آسانی کا معاملہ کرو تنگی نہ پیدا کرو۔ بشارت دو نفرت نہ پیدا کرو۔

خذوا من العمل ما تطيقون فوالله لا يسأم الله حتى تسأموا [7]
عمل بقدر طاقت کرو۔ خدا کی قسم خدا ملول نہیں ہوتا تم ہی ملول ہو جاؤ گے۔

سددوا وقاربوا [8]
درستکاری کرو، اور میانہ روی برتو۔

ان الهدى الصالح والسمت الصالح والاقتصاد جزء من اربعة وعشرين جزءا من النبوة [9]
نیک خصلت، خوشروئی اور میانہ روی نبوت کا چوبیسواں حصہ ہے۔

---

[1] کامل ابن عدی عن انس ١٢ [2] ترمذی وحلیۃ ابی نعیم عن ابن مسعود ١٢ [3] ترمذی عن ابی ہریرہ ١٢ [4] ابن عساکر عن ابن عمر ١٢ [5] ترمذی عن ابن عباس ١٢ [6] شیخین عن انس ١٢ [7] مسلم عن عائشۃ ١٢ [8] بخاری عن ابی ہریرہ ١٢ [9] ابوداؤد عن ابن عباس ١٢

الاقتصاد فی النفقۃ نصف المعیشۃ[1]	اخراجات میں میانہ روی نصف خوش عیشی ہے

سعی و عمل

التدبیر نصف العیش[2]	تدبیرِ کار نصف زندگی ہے۔
من ابطأ بہ عملہ لم یسرع بہ نسبہ[3]	جو عمل میں پیچھے رہا اس کو نسب کارآمد نہیں ہو سکتا
علو الھمۃ من الایمان[4]	بلند ہمتی ایمان کا حصہ ہے۔
الید العلیا خیر من الید السفلی[5]	سخی کا ہاتھ سائل کے ہاتھ سے بہتر ہے
اعمل لدنیاک کانک تعیش ابدا	کارہائے زندگی کو پائدار سمجھکر کر اور کارہائے آخرت
واعمل لآخرتک کانک تموت غدا[6]	کے وقت یہ خیال کر کہ کل ہی موت کا سامنا ہے

امانت و عہد

لا ایمان لمن لا امانۃ لہ ولا دین لمن	امانت کے بغیر ایمان نہیں اور عہد کے
لا عھد لہ[7]	بغیر دین نہیں۔
آیۃ المنافق ثلث اذا حدث کذب	منافق کی تین علامتیں ہیں جب بات کرے جھوٹ بولے
واذا وعد اخلف، واذا اؤتمن خان[8]	وعدہ کرے تو خلاف کرے اور امانت میں خیانت کرے
من غش فلیس منا[9]	خائن ہم میں سے نہیں ہے۔
المجالس بالامانۃ[10]	مجالس سپرد بہ امانت ہیں۔
حسن العھد من الایمان[11]	حسنِ عہد ایمان کی نشانی ہے۔
مطل الغنی ظلم[12]	ادائے دین میں مالدار کی جانب سے تاخیر ظلم ہے

---

[1] کنز العمال عن ابن عمر رضی اللہ عنہما ۱۲ [2] کنز العمال عن انس ۱۲ [3] [4] [5] شیخین عن ابی ہریرۃ ۱۲ [6] [7] شعب الایمان بیہقی عن انس ۱۲ [8] شیخین عن ابی ہریرۃ [9] کنز عن ابن مسعود ۱۲ [10] ابو داؤد عن جابر ۱۲ [11] [12] صحاح ستہ عن ابی ہریرۃ ۱۲

احسان

کل معروف صدقۃ [1]

ہر ایک بھلائی صدقہ ہے۔

لیس الواصل بالمکافئ ولکن الواصل الذی اذا قطعت رحمہ وصلہا [2]

صلہ رحمی کرنیوالا وہ نہیں ہے جو بدلہ میں صلہ رحمی کرے بلکہ جو قطع رحمی کے مقابلہ میں صلہ رحمی کرے وہ صلہ رحمی کرنیوالا ہے۔

الآمر بالمعروف کفاعلہ [3]

نیکی کا بتلانیوالا نیکی کرنے والے کی مثل ہے

خیرکم خیرکم لاھلہ وانا خیرکم لاھلی [4]

تم میں بہترین وہ شخص ہے جو اپنے اہل کے حق میں بہتر ثابت ہو اور میں اپنے اہل کے حق میں تم سے بہتر ہوں

بروا اباءکم تبرکم ابناءکم [5]

اپنے والدین کے ساتھ بھلائی کرو تمہاری اولاد تمہارے ساتھ بھلائی کرے گی۔

شفقت ورحمت

خیر بیتٍ فی المسلمین بیتٌ فیہ یتیم یحسن الیہ وشرُّ بیت فی المسلمین بیت فیہ یتیم یساء الیہ [6]

مسلمانوں میں بہترین وہ گھر ہے جس میں یتیم کے ساتھ حسن سلوک برتا جاتا ہو اور بدترین وہ گھر ہے جسمیں یتیم کے ساتھ بدسلوکی کیجاتی ہے۔

الراحمون یرحمہم الرحمن ارحموا من فی الارض یرحمکم مَن فی السماء [7]

رحم کرنیوالوں ہی پر خدا کا رحم ہوتا ہے تم اہل زمین پر رحم کرو خدا تم پر رحم کریگا۔

فقالوا یا رسول اللہ ان لنا فی البھائم

صحابہ نے دریافت کیا یا رسول اللہ جانوروں پر رحم

---

[1] حاکم عن جابر ۱۲ [2] بخاری عن ابن عمر ۱۲ [3] دیلمی عن عبداللہ بن جراد [4] ترمذی عن عائشۃ ۱۲ [5] طبرانی اوسط عن ابن عمر ۱۲ [6] ابن ماجہ عن ابی ہریرۃ ۱۲ [7] ترمذی عن عبداللہ بن عمرو بن العاص ۱۲

اجراً فقال فی کل کبد رطبة اجراً [1]
کرنے میں بھی ہم کو ثواب ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہر ایک جاندار پر رحم کرنے میں اجر و ثواب ہے۔

اطعموا الجائع وعودوا المریض وفکوا العانی [2]
بھوکے کو کھانا کھلاؤ۔ مریض کی عیادت کرو۔ مظلوم قیدی کی رہائی کے لئے کوشش کرو۔

لیس منا من لم یرحم صغیرنا ولم یوقر کبیرنا [3]
جو چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور بڑوں کی توقیر نہ کرے وہ ہمارے طریق سے جدا ہے۔

دفع ایذاء

ما من مسلم یرد عن عرض اخیه الا کان حقا علی الله ان یرد عنه نار جهنم یوم القیمة [4]
جو اپنے مسلمان بھائی کو بے آبروئی سے بچائے گا، خدائے تعالےٰ اُس کو قیامت کے دن نار جہنم سے بچائے گا۔

المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده [5]
مسلمان وہی ہے جس کے زبان اور جس کے ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں۔

لا ضرر ولا ضرار [6]
نہ نقصان اُٹھانا چاہئے اور نہ نقصان پہنچانا

لا یؤمن الذی لا یأمن جاره بوائقه [7]
وہ مومن نہیں جس کے خطرات سے اُسکے پڑوسی مامون نہ ہوں۔

ان فی العزلة لراحة من خلاط السوء [8]
بُرے ہم جلیس سے تنہائی میں راحت ہے

---

[1] بخاری عن ابی موسیٰ، [2] شیخین عن ابی ہریرۃ، [3] ترمذی عن انسؓ، [4] شرح السنۃ عن ابی الدرداء، [5] بخاری عن عبداللہ بن عمر، [6] موطا مالک عن ابی شریح العدوی، [7] شیخین عن انس، [8] ابن ابی الدنیا عن عمرؓ

عدل وشوریٰ

الا کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ[۱]

ہر شخص ذمہ دار ہے اور ہر شخص سے اسکی رعایا (متعلقہ افراد) کے متعلق سوال کیا جائیگا۔

احب الناس الی اللہ یوم القیامۃ وادناھم مجلسا امام عادل وابغض الناس الی اللہ وابعدھم امام جائر[۲]

خدا کے نزدیک محبوب ترین اور اسکی رحمت سے قریب ترین امام عادل ہے۔ اور مبغوض ترین اور اسکی رحمت سے بعید امام ظالم ہے۔

المستشار مؤتمن[۳]

جس سے مشورہ لیا جائے اسکو صحیح مشورہ دینا چاہئے

راس العقل بعد الایمان التودد الی الناس وما استغنیٰ مستبد برأیہ وما ھلک احد عن مشورۃ فاذا اراد اللہ بعبد ھلکۃ کان اول ما یھلکہ رأیہ[۴]

ایمان کے بعد اعلیٰ زیرکی لوگوں کے ساتھ محبت کا برتاؤ ہے۔ اور خود رائے انسان کبھی کاربراری نہیں کرسکتا اور کوئی شخص مشورہ کی بدولت ہلاک نہیں ہوا۔ اگر خدا کو کسی کی ہلاکت منظور ہوتی ہے تو سب سے پہلے خود رائے کی خود رائی اُس کو برباد کرتی ہے۔

ظلم واستبداد

الظلم ظلمات یوم القیامۃ[۵]

ظلم قیامت میں تاریکی ہی تاریکی ہے۔

ایاک ودعوۃ المظلوم فانما یسأل اللہ تعالیٰ حقہ وانہ لا یمنع

مظلوم کی فریاد سے بچو اس لئے کہ وہ خدا سے اپنا حق مانگتا ہے۔ اور خدا کسی

---

[۱] شیخین عن عبد اللہ بن عمرؓ [۲] ترمذی عن ابی سعیدؓ ۱۲ [۳] کامل ابن عدی عن ابی ہریرۃ ۱۲ [۴] [۵] صحیحین عن ابن عمرؓ ۱۲

ذا حق حقه [51]	صاحبِ حق کے حق کو نہیں روکتا۔
ان الظالم لا يضر الا نفسه [52]	ظالم اپنے ظلم سے صرف اپنی ہی ذات کو نقصان پہنچاتا ہے۔
من مشى مع ظالم ليعينه وهو يعلم انه ظالم فقد خرج من الاسلام [53]	جو شخص جان بوجھ کر ظالم کے ظلم کی اعانت کرے وہ مسلمان نہیں۔

اخوت و مساوات

لا يؤمن احدكم حتى يحب لاخيه ما يحب لنفسه [54]	کوئی شخص اُس وقت تک مومن کہلانے کے قابل نہیں جبتک کہ اسمیں یہ جذبہ پیدا نہ ہو جائے کہ اپنے بھائی کیلئے اُسی چیز کو پسندیدہ سمجھے جس کو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے
الخلق عيال الله فاحب الخلق الى الله من احسن الى عياله [55]	مخلوق خدا کا کنبہ ہے اس لئے خدا کے نزدیک محبوب ترین وہ شخص ہے جو خدا کے کنبہ کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آئے۔
الناس كلهم بنو آدم وآدم من تراب [56]	تمام انسان بنی آدم ہیں اور آدم مٹی سے مخلوق ہیں
من آذى ذميا فقد آذاني [57]	جس نے ذمی کو تکلیف دی اُس نے گویا مجھکو تکلیف دی
يد الله على الجماعة [58]	جماعت پر خدا کا ہاتھ ہوتا ہے۔

[51] شعب الایمان عن علی ۱۲، [52] شعب الایمان عن ابی ہریرۃ ۱۲، [53] طبرانی کبیر عن انس رض ۱۲

[54] صحیحین عن انس رض ۱۲ [55] شعب الایمان عن انس رض ۱۲ [56] ترمذی عن ابی ہریرۃ ۱۲

[57] [58] ترمذی عن ابن عمر رض ۱۲

ولا تجسسوا ولا تنافسوا — تجسّس نہ کیا کرو۔ نہ تنافس کرو۔ اور آپس میں
ولا تحاسدوا ولا تباغضوا — حسد اور بغض بھی نہ کیا کرو۔ اور نہ ایک دوسرے
ولا تدابروا وکونوا عباد اللہ — سے روگردانی کرکے چلو بلکہ سب خدا کے بندے
اخوانا [1] — بھائی بھائی بنکر رہو۔

اعلانِ حق

قل الحق وان کان مرا [2] — حق بات کہو اگرچہ تلخ و ناگوار گذرے۔
ان لصاحب الحق مقالا [3] — صاحبِ حق کو حق طلبی کا حق ہے۔
ان من اعظم الجہاد کلمۃ حق — افضل ترین جہاد بادشاہِ ظالم کے سامنے
عند سلطان جائر [4] — حق بات کا ظاہر کرنا ہے۔
یطبع المؤمن علی کل خلۃ غیر — مومن میں سوائے نامردی اور جھوٹ کے
الخیانۃ والکذب [5] — ہر ایک بری صفت کا امکان ہے۔

حزم و احتیاط

دع ما یریبک الی ما لا — خطرے کا راستہ چھوڑ کر قابلِ اطمینان راستہ
یریبک [6] — کو حاصل کرو۔
الحزم ان تشاور ذا رأی ثم — نیک اندیشی یہ ہے کہ اول ذی رائے شخص
تطیعہ [7] — سے مشورہ کرے پھر اس کے مشورہ پر عمل کرے
الجار قبل الدار [8] — سکونتِ مکان سے قبل پڑوسی کو دیکھ لو۔

---

[1] صحیحین عن ابی ہریرۃ ۱۲ [2] ... [3] صحیحین عن ابی ہریرۃ ۱۲ [4] ترمذی عن ابی سعید
[5] ترمذی عن سعد بن معاذ ۱۲ [6] ... [7] ... [8] خطیب فی الجامع عن علی

اَلحرب خدعۃ [۱]	جنگ حیلہ ہے۔
اَحبب حبیبک ھونًا ما عسیٰ ان	دوست کی دوستی اور دشمن کی دشمنی میں حد سے
یکون بغیضک یومًا ما وابغض بغیضک	نہ بڑھو کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی روز دوست دشمن
ھونًا ما عسیٰ ان یکون حبیبک یومًا ما [۲]	اور دشمن دوست بن جائے اور پچھتانا پڑے۔

حفظانِ صحت

نحن قوم لا ناکل حتی نجوع واذا	ہم ایسی قوم ہیں کہ جب تک بھوک نہ لگے نہیں کھاتے
اکلنا فلا نشبع [۳]	اور جب کھاتے ہیں تو پیٹ بھر کر نہیں کھاتے۔
المعدۃ بیت الداء والحمیۃ راس کل	معدہ امراض کا گھر ہے اور پرہیز تمام دواؤں کی
دواء واصل کل داء البردۃ [۴]	اصل ہے اور ہر مرض کی جڑ غذا پر غذا استعمال کرنا ہے۔

مکارمِ اخلاق

بعثت لاتمم مکارم الاخلاق [۵]	میں مکارمِ اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں۔
ایاک وقرین السوء فانک بہ	بُرے کی صحبت سے بچو۔ اس لئے کہ صحبت ہی سے
تعرف [۶]	آدمی کی پرکھ ہوتی ہے
الحیاء من الایمان [۷]	حیاء ایمان کی شاخ ہے۔
خیر الناس احسنھم خلقًا [۸]	بہترین انسان وہ ہے جس کے اخلاق بہتر ہوں۔
زُر غبًا تزدد حُبًّا [۹]	غائب ہو کر ملاقات کیا کرو بڑھ زیادہ محبت کا باعث ہے۔
الجنۃ تحت اقدام الامھات [۱۰]	جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔

---

[۱] ترمذی عن جابرؓ [۲] ترمذی عن ابی ہریرۃؓ [۳] [۴] [۵] کنز العمال عن ابی ہریرۃؓ [۶] ابن عساکر عن انسؓ [۷] کنز العمال عن ابی عمرؓ [۸] کنز العمال عن ابن عمرؓ [۹] بزار عن ابی ہریرۃؓ [۱۰] مسلم عن نعمان بن بشیرؓ

من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ [۱]	مسلمان کے اسلام کی خوبیوں میں سے بڑی خوبی لایعنی باتوں کا ترک کرنا ہے۔
اذا لم تستحی فاصنع ما شئت [۲]	جب تجکو شرم نہ رہے تو جو چاہے کر۔
انما الصبر عند الصدمۃ الاولی [۳]	حقیقی صبر مصیبت کو اوّلاً ہی برداشت کرلینا ہے

حقیقتِ مذہب

قل اٰمنت باللہ ثم استقم [۴]	اللہ پر ایمان لا پھر استقامت دکھلا۔
ان الدین یسر ولن یشاد الدین احد الا غلبہ فسددوا وقاربوا [۵]	دین آسان ہے اور جو شخص اپنے اوپر دین کو سخت بناتا ہے مغلوب ہوجاتا ہے لہذا درست کاری کرنا اور میانہ روی برتو۔
الدین النصیحۃ [۶]	دین، خیرخواہی کا نام ہے۔
الدین المعاملۃ [۵]	دین، درستیٔ معاملہ کا نام ہے۔

رُعب

سَأُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ

میں دل میں ڈال دوں گا کافروں کے دہشت سو مارو گردنوں پر اور کاٹو اُن کی پور پور (۹-۱۵)

رعب ایسی صفت کا نام ہے جس کا اثر صاحب رعب کی شجاعت، ہمت، دیانت و تقوی، ثبات و استقلال کی وجہ سے دوسروں پر پڑتا ہے اور دوسرے اس کی اس صفت سے متاثر ہو کر مغلوب ہوتے ہیں۔ حدیث

---

[۱] ترمذی عن ابی ہریرۃ ۱۲ [۲] بخاری عن ابن مسعود ۱۲ [۳] للشیخین عن انس ۱۲ [۴] مسلم عن سفیان بن عبداللہ الثقفی ۱۲ [۵] [۶] مسلم عن تمیم الداری ۱۲ [۵]

میں آپ کی اس صفت کا مظہر، دشمنانِ خدا کو قرار دیا ہے۔ اس لئے کہ دوسری جگہ ارشادِ مبارک ہے نُصِرتُ بالرعب مسیرۃ شہر یعنی دشمنانِ اسلام پر میرے ذاتی رعب کا اثر ایک ماہ کی مسافت تک پڑتا ہے۔

حلّت غنیمت

فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (انفال)

کھاؤ جو تم کو غنیمت میں ملا حلال ستھرا۔ ڈرتے رہو اللہ سے بیشک اللہ ہی بخشنے والا مہربان

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ اپنے اصحاب سے ارشاد فرمایا۔

لم تحل الغنائم لاحد من قبلنا ذلك بان اللہ رأى ضعفنا وعجزنا فطيبها لنا ہم سے پہلے کسی نبی کے زمانہ میں مالِ غنیمت حلال نہیں ہوا لیکن خدائے تعالےٰ نے ہمارے ضعف[۱] وعجز پر نظر کرکے ہمارے لئے اس کو پاک کردیا۔

اور بعض دوسری روایات میں ہے کہ پہلے انبیاء کے زمانہ میں غنیمت کا مال یکجا جمع کردیا جاتا تھا اور آگ آکر اس کو جلا دیتی تھی یہی اس کی قبولیت کی علامت سمجھی جاتی تھی۔ توراۃ سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔ یہ خدا کا فضل اسی اُمّت کے ساتھ مخصوص ہے کہ اس کے لئے مالِ غنیمت کے استعمال کو پاک قرار دیدیا۔ وذلك فضل اللہ يؤتيه من يشاء واللہ ذو الفضل العظيم

طہارتِ زمین

فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا (سورہ نساء ۵: ۳)

ارادہ کرو پاک زمین کا

---

[۱] جمع الفوائد ۱۲

دوسری احادیث اور کتبِ قدیمہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاءِ سالقین اور اُن کی اُمت کے لئے یہ حکم تھا کہ خواہ وہ کسی جگہ بھی ہوں نماز عبادت خانوں میں ہی ادا کرنا چاہئے۔ معبد گاہوں کے علاوہ دوسری جگہ اُن کو عبادت کرنا نادرست تھی۔ یہ بھی سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے کہ خدا کی رحمتِ کاملہ نے اُن کو یہ اجازت مرحمت فرمائی کہ وہ زمین کے جس حصّہ پر نماز ادا کرنا چاہیں کر سکتے ہیں، اور تمام زمین اُمّتِ مرحومہ کے لئے مسجد ہے اسی طہارت کا ایک جزو تیمم بھی ہے۔

لیکن اس سے یہ غلط فہمی نہ ہونی چاہئے کہ اس حکم کے بعد مساجد میں ادائے نماز و جماعت کی کوئی فضیلت ہی نہ رہی، اس لئے کہ سطورِ بالا سے معلوم ہو چکا ہے کہ خصوصیت کا حاصل صرف یہ ہے کہ اور انبیاء علیہم السلام اور اُن کی اُمتوں کے لئے معبد گاہوں کے علاوہ کسی جگہ نماز کا ادا کرنا درست ہی نہ تھا، اور خاتم الانبیاء کے طفیل میں اس اُمتِ مرحومہ کے لئے یہ آسانی کر دی گئی کہ وہ سفر اور صحرا میں اور بوقتِ حاجت گھر میں نماز ادا کر سکتے ہیں۔ باقی صحیح احادیث سے مسجد میں ادائے نماز کی تاکید اور اس کے فضائل کا جو ثبوت ملتا ہے وہ اپنی جگہ پر ہے اور اس کی تعمیل بہر صورت ضروری ہے۔

بعثتِ عامّہ

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ (سبا ۱۲-۸)

اور ہم نے تو آپ کو تمام لوگوں کے لئے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے

خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل بصداق آیت وَإِن مِّن

اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیْہَا نَذِیْر (ہر گروہ میں خدا کے ڈرانے والے بھیجے گئے ہیں) ہر قوم میں الگ الگ نبی، اور رسول آتے اور پیغام الٰہی سناتے رہے مگر جس طرح ہر شئے کا ایک آغاز اور ایک دورِ کمال ہوا کرتا ہے اسی طرح اس نورِ الٰہی (نبوت) کے اتمام و اکمال کا وقت بھی آپہنچا۔ اور خدا کا پیغام کسی ایک قوم یا ایک گروہ یا کسی ایک قرن و زمانے کے ساتھ مخصوص نہ رہا بلکہ خدا کی رحمت عام ہوئی اور اس نے ایک ایسا نبی اور رسول بھیجا جس کی بعثت و رسالت اور جس کی رشد و ہدایت شرق سے غرب تک اور شمال سے جنوب تک چار دانگ عالم پر حاوی اور شامل ہے۔ اور اس آفتابِ نبوت کے فیضِ عام سے ہر صغیر و کبیر اور فقیر و امیر یکساں فیضیاب ہیں۔

یا یوں سمجھو کہ جبکہ دنیا ابتدائے کار میں اپنے تمدنی اسباب و ذرائع میں محدود تھی، اور تمدن کی ترقی و فراوانی کی عدم موجودگی نے ابھی دنیا کے ہر گوشہ کو دوسرے گوشہ سے جدا کر رکھا تھا اور کائنات ہستی کا ہر ایک خطہ جدا جدا ایک مستقل حیثیت رکھتا تھا۔ جو خدا کی رحمت کی وہ بارش جس کا نام نبوت و رسالت ہے حسبِ حال و اقتضائے عالم مختلف خطوں اور مختلف گوشوں میں جدا جدا برستی رہی اور ہر محدود و مخصوص مقام پر نبی و رسول کے ذریعہ میں اس کا فیضان ہوتا رہا۔ اور جوں جوں عالم ہست و بود نے اپنی ارتقائی زندگی میں وسعت پیدا کرنی شروع کی، رحمتِ الٰہی کا یہ فیض روحانی بھی اپنی حدود کو وسیع کرتا گیا۔ اور جب مادی تمدن نے عالم میں وہ ہلچل ڈالدی کہ مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک کے تمام گوشہ ہائے عالم

ایک دوسرے سے مل گئے اور پچھم کی آواز پورب تک اور اُتر کی صدا دکن تک پہنچنے لگی۔ تو اب یہ رحمت (نبوت) بھی فیضِ عام ہو کر برسی اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مقدس نام سے اس کا فیض بیک وقت تمام عالم پر "بعثت عام" بن کر پہنچا اور درگاہِ الٰہی سے وما ارسلناك الا رحمة للعالمين اور ولكن رسول الله وخاتم النبيين کا عدیم النظیر خطاب پایا۔

ختم نبوت

مَاكَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ (احزاب)

محمد باپ نہیں کسے کے تمہارے مردوں میں سے لیکن رسول ہیں اللہ کے اور مہر سب نبیوں پر

خاتم الانبیاء سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثتِ عامہ اور ختمِ نبوت دونوں ایسے مسئلے ہیں کہ جن کی شہادت قرآنِ عزیز کی بے شمار آیات اور سینکڑوں احادیثِ صحیحہ صراحت و وضاحت کے ساتھ دے رہی ہیں۔ اسی لئے ساڑھے تیرہ سو برس سے یہ دونوں مسئلے تمام اُمتِ مسلمہ میں متفق علیہ چلے آتے ہیں اور ان ہر دو طے شدہ مسئلوں میں کسی ایک مسلمان کو بھی انکار مجال نہیں۔ نہ صراحتہً نہ کسی تاویل کے پردہ میں، البتہ جھوٹے مدعیانِ نبوت جس زمانے بھی ظاہر ہوتے رہے ہمیشہ ان بنیادی اصول کے خلاف ہرزہ سرائی کیا کئے۔ لیکن خدا کے فضل سے کبھی ایسی جماعت کو فروغ نصیب نہ ہوا۔ اور ان کا آخری انجام ذلت و خواری ہی ہوا۔

بدقسمتی سے اس زمانہ میں بھی بعض جھوٹے مدعیانِ نبوت نے قرآنِ عزیز کی آیت وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِى اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ کا اپنے آپ کو مصداق

ٹھیرا کر دعوائے نبوت کر دیا۔ اور اپنے پہلے رفقاء مسیلمہ، اسود عنسی، ابن مقنع ابن الراوندی، جیسے جھوٹے مدعیانِ نبوت کی طرح خاتم النبیین کے مسئلہ عقیدہ میں تاویلاتِ باطلہ کی پناہ لینی شروع کر دی۔

لغت کے اعتبار سے خاتِم (بالکسر) اور خاتَم (بالفتح) کے معنی آخری شئے اور آخری انجام کے ہیں اسی لئے ہر چیز کے آخری حصہ یا آخری فرد کو خاتم کہتے ہیں اور خاتم بالفتح مُہر کے معنے میں بھی اسی نسبت سے بولا جاتا ہے۔ اور دونوں معنوں کے اعتبار سے آیت کا صاف اور سادہ مطلب یہ تھا کہ آپ نے آکر سلسلۂ نبوت کو بند کر دیا۔ اور اب آپ کے بعد کوئی نبی یا رسول آنے والا نہیں۔

پہلے معنے تو بالکل ظاہر ہیں کہ آپ نبوت کو ختم کرنے والے ہیں اور دوسرے معنی میں اگرچہ "کنایۃً" استعمال کیا گیا ہے یعنی آپ کی نبوت کو انبیاء سابقین علیہم السلام کی نبوت کے لئے مہر بنایا گیا ہے۔ لیکن ہر ذی ہوش جانتا ہے کہ مہر جب کسی لفافہ، رجسٹری یا بیمہ پر لگتی ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ باہر سے کوئی شے اس میں داخل نہیں ہو سکتی اور نہ اندر سے کوئی شے باہر آسکتی ہے یعنی مہر اندر رہنے والی اشیاء کو ہمیشہ کے لئے بند کر دیتی ہے۔ تاوقتیکہ مہر ہی کو نہ توڑا جائے۔ مہر شدہ شئے کی بندش ٹوٹ نہیں سکتی پس جبکہ آپکی نبوت انبیاء علیہم السلام کی نبوتوں کے لئے مہر ہے تو جتنباب آپ کے اس شرف خاتم النبیین ہی کو شکست و ریخت نہ کر دیا جائے (خاکم بدہن) بابِ نبوت کھُل نہیں سکتا۔

لیکن ہم کو اس بحث کے درپے ہونے کی ایسی حالت میں قطعاً کوئی ضرورت ہی نہیں جبکہ خود صاحبِ وحی (علیہ الصّلوٰۃ والسّلام) نے اپنی زبانِ فیض ترجمان سے خاتم النبیین کی تشریح و تفسیر اس طرح فرمادی ہے لَوْ کَانَ[1] بَعْدِیْ نَبِیًّا لَکَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِؓ (اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر بن الخطابؓ ہوتے)

دوسری حدیث میں حضرت علیؓ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ ھَارُوْنَ مِنْ مُوْسیٰ اِلَّا اَنَّہٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ[2] یعنی (اے علی) تو میرے لئے ایسا ہے جیسا کہ موسیٰ (علیہ السلام) کے لئے ہارون (علیہ السلام) مگر یہ واضح رہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مثلی ومثل الانبیاء کمثل قصر	میری اور انبیاء کی مثال اُس مکان کی سی ہے
اُحسن بنیانہ ترک منہ موضع	جو نہایت عمدہ بنایا گیا ہو اور اس میں صرف
لبنۃ فطاف بہ النظار یتعجبون	ایک اینٹ کی جگہ خالی رہ گئی ہو پس ناظرین
من حُسن بنیانہ الا موضع تلک	اُس کی خوبصورتی دیکھ کر اور ایک اینٹ کی
اللبنۃ فکنت انا سددت	جگہ خالی پاکر متعجب ہوتے ہوں پس میں نے قصرِ نبوۃ
موضع اللبنۃ فانا اللبنۃ	کی آخری اینٹ بنکر اُس روزن کو بند کر دیا لہٰذا
وانا خاتم النبیین۔	میں ہی وہ آخری اینٹ ہوں اور میں ہی آخری نبی ہوں۔

---

[1] ترمذی، حاکم۔ احمد۔ طبرانی ۱۲ [2] بخاری ومسلم ۱۲

اور ایک مرتبہ ارشاد فرمایا۔

کانت بنو اسرائیل تسوسہم	(بنی اسرائیل کی سیاست اُن کے نبیوں کے ہاتھ
الانبیاء کلما ھلک نبی خلفہ	میں رہی جب کسی نبی کا انتقال ہوا دوسرا نبی
نبی و انہ لا نبی بعدی، و	اُس کی جگہ آگیا اور بے شک میرے بعد کوئی
سیکون خلفاء	نبی نہیں اور میرے بعد خلیفہ ہونگے)

خاتم الانبیاء کی اس صاف اور واضح تشریح نے یہ حقیقت آشکارا کردی کہ خاتم النبیین یا ختم النبیون سے کیا مقصود اور کیا مراد ہے؟ اور خاتم کے معنے آپ کے نزدیک کیا ہیں؟ نیز آخری حدیث نے لانبی بعدی کی تشریح ایسی صاف اور واضح کردی کہ اب کسی کذاب و مفتری کا افترا چل ہی نہیں سکتا۔

لہذا اس انکشافِ حقیقت کے بعد جھوٹے مدعیانِ نبوت کا دعوے ہر حیثیت سے باد ہوا ہوجاتا ہے اور اس کے بعد کوئی تاویل بھی قابلِ سماعت نہیں رہتی۔ اِنۡ یَّقُوۡلُوۡنَ اِلَّا کَذِبًا[1] (کہف)

نیز اگر لفظِ نبوت کے معنے پر بھی غور کیا جائے تو مسئلہ ختمِ نبوت کا بخوبی حل ہوجاتا ہے۔ نبوۃ، نبأ سے ماخوذ ہے جس کے معنے خبر کے ہیں۔ ہُدہُد نے ملکۂ سبا کے واقعہ کے متعلق حضرت سلیمان (علیہ السلام) سے کہا تھا مِنۡ سَبَاٍۭ بِنَبَاٍ یَّقِیۡنٍ یعنی میں سبا سے ایک محقق خبر لے کر آیا ہوں اسی لئے اصطلاحِ شریعت میں "نبوت" اُس وصف کا نام ہے جس کی

---

[1] سب جھوٹ ہے جو کہتے ہیں۔ ۱۲

بدولت صاحبِ نبوۃ، خدا کا پیغامبر اور احکامِ الٰہی کا مخبر کہلاتا اور نبی کے لقب سے ملقّب ہوتا ہے۔ اس لئے کہ حق تعالیٰ وحی کے ذریعہ اس کو اپنے احکام سے مطلع کرتا رہتا ہے۔

پس خاتم النبیین اسی شخص کو کہہ سکتے ہیں جس کے بعد کوئی نبوت کے اس وصف کے ساتھ متصف نہو۔ اور احکامِ الٰہی کے طریق پیغامبری کا اس پر خاتمہ ہو جائے۔

پس نبوت کے اس لغوی اور شرعی معنی کی وضاحت کے بعد ظلّی اور بروزی نبوت کی جدّت طرازی کھلا ہوا الحاد و زندقہ ہے۔

نبوت کی صرف ایک ہی مراد ہے وہ نہ نبوتِ ظلّی ہے، نہ نبوتِ شمسی نہ بروزی ہے نہ ضمیری۔ بلکہ وہ نبوت حقیقی ہے جو حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوئی اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر ختم ہو گئی یہ جو کچھ کہا گیا اس مسئلہ کا نقلی پہلو تھا۔ اگر عقل و درایت سے کام لیا جائے تو بھی یہ مسئلہ بالکل واضح ہے۔

اس لئے کہ قانونِ الٰہی اور قانونِ دنیوی دونوں اس کی شہادت دیتے ہیں کہ جب کوئی کام ہوتا ہے تو اس کی ایک ابتدا ہوتی ہے اور ایک انتہا، اور اس کام کی ابتدا، و انتہا کا تعلق خود اسی کام کے اعتبار سے ہوتا ہے نہ کہ کسی دوسرے کام کے اعتبار سے۔

نبوت و رسالت ایک روحانی روشنی ہے جو خدا سے بھٹکے ہوئے انسانوں کے لئے مشعل راہ کا کام دیتی ہے۔ اس کی ابتدا، آفرینشِ انسانی

کے زمانہ سے حضرت آدم علیہ السلام کے ہاتھوں ہوئی۔ یہی آدم، عالم انسانی کے جسمانی اور روحانی باپ اور ہادی ہیں۔ اور خدا کی یہ روشنی زمانے کی رفتار ترقی کے ساتھ ساتھ ترقی پذیر ہوتی اور نوح، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ (علیہم السلام) کی آغوش میں مختلف اقوام، اور مختلف ملکوں میں اپنے جوہر ہدایت دکھاتی رہی۔ آخر امانت الٰہی کی ترقی وارتقار کا وہ دور آپہنچا جب کہ وہ اپنے پورے کمال کے ساتھ کل عالم کے لئے آفتاب بنکر چمکی اور سارا جہان اس کے نور سے معمور ہو گیا۔

پس آفتابِ نبوت کے طلوع کے بعد بھی اگر کوئی مجنون وبے عقل مٹی کے دیئے اور تیل کے فتیلہ سوز کا متلاشی رہے تو

"چشمۂ آفتاب راچہ گناہ"

یہ چند خصائص یا فضائل ہیں جو سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی افضلیت اور کمالِ نبوت پر دلالت کرتے ہیں اور بشارتِ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا[1] کی تصدیق کرتے ہیں۔

اگرچہ آپ کے خصائِص ان کے علاوہ اور بھی ہیں جن کو شیخ جلال الدین سیوطیؒ اور ابو نعیم اصبہانی نے خصائصِ کبرے اور دلائل النبوت میں مفصل ذکر کیا ہے۔ لیکن اس کتاب کے مناسب اختصار کے ساتھ اسی قدر ممکن تھا۔ باقی اُس ذاتِ قدسی صفات کے تمام اوصافِ عالیہ کا

---

[1] آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لئے دینِ اسلام کو پسند کیا ۱۲

احاطہ ہم سے کہاں ممکن، ہم تو بس یہی جانتے اور اسی پر عقیدہ رکھتے ہیں۔

حسنِ یوسف، دمِ عیسیٰ، یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى
اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ

خلاصہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسرے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر جو فضیلتیں ہیں ان میں سے چھ فضائل خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔

(۱) آپ کو جوامع الکلم کا عطا ہونا۔
(۲) رُعب و وقار کا خصوصی اثر۔
(۳) آپ کی اُمت اور آپ کے لئے حلّتِ مالِ غنیمت۔
(۴) بعثتِ عامّہ۔
(۵) ختمِ نبوت۔
(۶) تمام زمین کا آپ کے اور اُمتِ مرحومہ کے لئے مسجد اور پاک ہونا۔

آپ کے خصائص کا خلاصہ یہ رُباعی ہے ؎

یَا صَاحِبَ الْجَمَالِ وَیَا سَیِّدَ الْبَشَرِ مِنْ وَّجْهِكَ الْمُنِیْرِ لَقَدْ نُوِّرَ الْقَمَرُ

لَا یُمْکِنُ الثَّنَاءُ کَمَا کَانَ حَقُّهٗ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

سوالات

(۱) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصوصیات بیان کرو۔
(۲) ختمِ نبوت کے کیا معنے ہیں؟
(۳) نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے خاتم النبیین ہونے کی عقلی و نقلی مختصر دلائل بیان کرو۔

اطلاع